حسن بن صباح، اس کے باطنی فدائیوں اور مصنوعی بہشت کی پُراسرار داستان

فردوسِ ابلیس

عنایت اللہ

Scanned by iqbalmt

فردوسِ ابلیس

پہلا حصہ

حسن بن صباح اور اُس کی بہشت کی پُراسرار داستان

عنایت اللہ

خزینہ علم و ادب
الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور

Scanned by iqbalmt

پیش لفظ

حسن بن صباح ایک ایسا نام ہے جس سے شاید ہی کوئی مسلمان ناواقف ہو گا۔ یہ نام ذہن میں آتا ہے تو وہ بہشت (جنّتِ ارضی) لازماً یاد آتی ہے جو حسن بن صباح نے وادی الموت میں بنائی تھی۔ایک بار جو اس بہشت میں داخل ہو گیا وہ اپنے دین و ایمان کو، اپنے ماں باپ اور بچّوں کو، دنیا کو اور اللہ کو بھی بھول گیا۔اس نے حسن بن صباح کو اپنا باپ اور اپنا خدا مان لیا۔

حسن بن صباح نے اسے کہا کہ اپنے خنجر سے اپنا پیٹ چاک کر دو پھر تم ہمیشہ ایسی بہشت میں رہو گے جو اس بہشت سے زیادہ دلنشین اور سحر انگیز ہو گی ... اس "بہشتی" نے پلک جھپکتے خنجر نکالا اور اپنا پیٹ چاک کر لیا۔ کسی سے کہا کہ اس محل کی چھت پر چڑھ جاؤ اور اپنے آپ کو سر کے بل زمین پر گراؤ.... اس شخص نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور اتنی بلند چھت سے سر کے بل کُود کر جان دے دی۔

یہ تھے حسن بن صباح کے فدائین جو اپنی جان دینے یا کسی دوسرے کی جان لینے کو یوں سمجھتے تھے جیسے پانی کا گھونٹ پی لیا۔ تاریخ کو لرزہ براندام کر دینے والی اس داستان میں آپ کو ایسے ہی چند ایک واقعات ملیں گے جن کی تاریخ گواہی دیتی ہے۔

اس بہشت کی حقیقت کیا تھی؟..... میں نے اس سوال کا جواب اتنی تفصیل سے پیش کیا ہے کہ یہ دو جلدوں پر پھیل گیا ہے۔اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا، مؤرخوں اور بعد کے مستند تاریخ نویسوں، وقائع نگاروں اور مبصّروں

Scanned by iqbalmt

کے حوالوں سے بات کی ہے۔ یہ افسانے یا من گھڑت قصے ہیں۔ کسی دانشمند نے بالکل درست کہا ہے کہ حقیقت افسانے سے زیادہ دلچسپ ہوتی ہے۔

اس تاریخی داستان میں ایسی دلچسپیاں ملیں گی جو آپ کو حیرت زدہ بھی کریں گی' آپ کی جذباتی دنیا کو زلزلے جیسے جھٹکوں سے ہلا ڈالیں گی پھر آپ سوچوں میں کھو جائیں گے کہ یہ سب ہوا کیسے؟ یقین نہیں آتا کہ صرف ایک انسان نے لوگوں کے دلوں میں اپنی ایسی عقیدت پیدا کر لی کہ لوگوں نے اپنے ہوش و حواس بھی اس کے حوالے کر دیئے اور دنیا سے لاتعلق ہو کر اسی کے ہو کے رہ گئے۔

حیران ہونے والی کوئی بات نہیں' حسن بن صباح نے انسان کی فطری کمزوریوں کو اُبھارا' انسانی فطرت کی دکھتی رگوں کو مٹھی میں لیا اور انہیں ہپناٹائز کر لیا۔ اُس دور میں علمِ نفسیات کا وجود نہیں تھا۔ آج کی ہپناٹزم سے بھی کوئی واقف نہیں تھا لیکن انسان اپنی تمام تر نفسیاتی کمزوریوں کے ساتھ موجود تھا۔ اسے گمراہ کرنے والے اپنی ابلیت کے ساتھ موجود تھے۔

حضرت آدمؑ جو انسانی زندگی کے پہلے انسان تھے ابلیس کے فریب میں آ کر جنّت سے نکالے گئے اور زمین پر پھینک گئے تھے۔ میں نے اس داستان کو عنوان دیا ہے — "فردوسِ ابلیس" — کیونکہ حسن بن صباح نے جو بہشت بنائی تھی وہ اس کے ابلیسی ذہن کی تخلیق تھی۔

یہ کہنا غلط نہیں کہ حسن بن صباح جیسا ماہر نفسیات اور ہپناٹسٹ تاریخ نے نہ کبھی پہلے دیکھا تھا نہ اس کے بعد۔ اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں نے لوگوں کو انسانی عظمت کی راہ پر ڈالا تھا لیکن حسن بن صباح نے اپنے پیروکاروں کو انسانیت کی راہ سے ہٹا کر ابلیسیّت کی راہ پر ڈال دیا۔

اس کی بہشت کی اصل حقیقت حشیش میں پوشیدہ تھی۔ حشیش کو عام فہم زبان میں بھنگ کہا گیا ہے لیکن یہ بھنگ سے ملتا جلتا ایک پودا تھا جس کا نشہ بھی بھنگ سے ملتا جلتا تھا مگر اثرات بھنگ سے زیادہ اور کچھ مختلف تھے۔ ان سے انسان

بڑے ہی حسین تصوّرات دیکھتا اور انہیں حقیقت سمجھتا تھا۔

اس نشے کے ساتھ حسین و جمیل لڑکیاں فردوسِ ابلیس کو مکمل کر دیتی تھیں۔ ان لڑکیوں کو خصوصی ٹریننگ دی ہوئی تھی۔ یہی انسان کی وہ کمزوریاں ہیں جو اسے اللہ کی جنّت سے نکلوا کر ابلیس کی بہشت میں پہنچا دیتی ہیں.... عورت' نشہ' حقائق سے فرار اور لذّت پرستی!

حسن بن صباح سلجوقیوں کے دورِ حکومت میں اُٹھا اور دیکھتے ہی دیکھتے عروج تک جا پہنچا۔ سلجوقی اسلام کے شیدائی' اسلام کی عسکری روایات کے رکھوالے اور مردانِ حُر تھے۔ ایک سلجوقی حکمران نے حسن بن صباح کی گرفتاری کا حکم دیا لیکن یہ شخص قبل از وقت پتہ چل جانے سے فرار ہو گیا پھر کسی کے ہاتھ نہ آیا۔ وہ کہاں گیا' کدھر ڈوبا' کدھر نکلا' یہ بڑی ہی دلچسپ اور سنسنی خیز واقعات سے بھرپُور داستان ہے جو میں اس کتاب میں پیش کر رہا ہوں۔

فردوسِ ابلیس کے اس خالق نے ایک جنگجو لشکر تیار کر لیا تھا۔ چند ایک قلعوں اور میدانوں میں اس لشکر کی سلجوقی مسلمانوں کے ساتھ خونریز لڑائیاں ہوئیں مگر حسن بن صباح کی شاطرانہ اور زمین دوز کارروائیوں نے مسلمانوں کے قدم کسی بھی میدانِ جنگ میں جمنے نہ دیئے۔

حسن بن صباح کے پیروکاروں "خصوصاً" اس کے فدائیوں کو حشیشین کہا جاتا تھا کیونکہ وہ حشیش کے نشے میں اپنی تمام پُراسرار کارروائیاں کرتے تھے۔ پھر انہوں نے بڑی بڑی شخصیات کو قتل کرنے میں خصوصی شہرت حاصل کی تھی۔ انہوں نے صلاح الدین ایوبی پر چار قاتلانہ حملے کیے تھے۔ "غالباً" ایوّبی واحد شخصیت تھی جسے حشیشین قتل کرنے میں ناکام رہے ورنہ ان کے ہاتھوں کوئی زندہ نہیں رہتا تھا۔ اس داستان میں آپ کو یہ تفصیلات بھی ملیں گی کہ انہوں نے کیسی کیسی شخصیات کو کیسے کیسے طریقوں سے قتل کیا۔

تاریخ کی ایک مشہور و معروف شخصیت نظام الملک جو بہت بڑا عالم دین اور دانشور تھا' عمر خیام اور حسن بن صباح ایک ہی مدرسے میں پڑھتے تھے اور گہرے

Scanned by iqbalmt

دوست بن گئے تھے۔ آگے چل کر تینوں کے راستے جدا ہو گئے۔ نظام الملک سلجوقی حکومت کا وزیرِ اعظم بنا اور حسن بن صباح کو نوکری دلوائی لیکن ایک وقت آیا کہ حسن بن صباح نے نظام الملک کو قتل کروا دیا۔ یہ اس داستان کا ایک خاص حصہ ہے جو آپ کو قدم قدم پر چونکا دے گا۔

یہ تمام سنسنی خیز اور فکر انگیز تفصیلات تو آپ اس داستان میں پڑھیں گے ہی' یہاں اتنا سا اور کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ حسن بن صباح کی موت کے بعد اس کے فدائین پیشہ ور قاتل بن گئے تھے۔ جنہیں آگے چل کر عیسائیوں نے بھی اُجرت پر استعمال کیا تھا اسی لئے انگریزی بولنے والی قوموں نے حشیشین کی بجائے ان کا نام ASSASSINS رکھ دیا تھا۔ انگریزی میں آج تک انہیں اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

یہ بھی بتا دوں کہ حسن بن صباح کے فدائی ابھی موجود ہیں۔ میری یہ کہانی جب "حکایت" میں بالاقساط چل رہی تھی تو اس دوران مجھے چار خط ملے۔ لکھنے والوں نے مجھے بہت کوسا کہ میں ایک نبی کی توہین کر رہا ہوں اور جو کچھ بھی لکھ رہا ہوں یہ سب تعصب کا مظاہرہ ہے۔ ایک صاحب نے کچھ گالیاں بھی لکھی تھیں لیکن گلگت کے ایک صاحب نے اپنے خط میں لکھا — "آپ اپنی یہ بکواس بند کر دیں' میں آپ کو وارننگ دیتا ہوں کہ حسن بن صباح کے فدائی اب بھی موجود ہیں جو کسی بھی وقت آپ تک پہنچ سکتے ہیں"۔

میں نے ایک دو نہیں' کم و بیش ایک درجن مستند تاریخ نویسوں کی تحریریں پڑھ کر یہ داستان مکمل کی ہے۔ ان میں تین یورپی مؤرخ بھی شامل ہیں۔ بہرحال کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے' پڑھیں اور اپنی رائے خود قائم کریں۔ میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ یہ کتاب آپ نے شروع کر دی تو ختم کر کے ہی اُٹھیں گے۔

عنایت اللہ

مدیر ماہنامہ "حکایت" لاہور

اولادِ آدم کی داستانِ حیات اتنی ہی طویل ہے' جتنی لمبی لمبی صدیاں گذر گئی ہیں۔

انسان اتنے لمبے اور ایسے کٹھن سفر میں اکیلا نہیں تھا۔ ابلیس اس کا ہمسفر رہا... آخری منزل تک ہمسفر رہے گا.... اس کا نتیجہ یہ کہ اولادِ آدم کی زندگی کی کہانی سزا و جزا کی داستان بن گئی ہے مگر عجوبہ یہ کہ انسان اپنی ہی آپ بیتی پر نگاہ ڈالتا ہے تو محوِ حیرت ہو جاتا ہے' عبرت حاصل نہیں کرتا' شرمسار نہیں ہوتا بلکہ خود فریبی سے اپنا دل پرچا لیتا ہے' اور اُس ابلیس کے آگے سجدہ ریز ہو جاتا ہے' جس نے اللہ کے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا تھا کہ آدم کے آگے سربسجدہ ہو جا۔

کہانی کوئی بھی ہو' کسی کی بھی ہو' اسی صورت میں دلچسپ' سنسنی خیز' عبرتناک اور خیال افروز بنتی ہے جب اس کہانی کے کردار اللہ والے ہوں سوائے ایک دو کے جو ابلیس کے پجاری ہوں۔ اگر ابلیس اللہ کا حکم مان لیتا اور آدم کے آگے سجدے میں گر پڑتا تو بات اللہ کی عظمت اور بندوں کی بندگی پر اور عابد و معبود تک ہی رہ جاتی۔

اللہ نے نیک اور پارسا بندوں سے جنت کا وعدہ کیا ہے۔

ابلیس نے بندوں کو بدی کے راستے پر ڈال کر انہیں دنیا میں جنت دکھا دی ہے۔

اور یہی ہے وہ ابلیس کی جنت' جس نے اولادِ آدم کی سوانحِ حیات میں قوسِ قزح جیسے رنگ بھرے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ابلیس نے اپنے پجاریوں کے لئے جو بھی جنت بنائی اور اسے بڑے ہی دلنشیں رنگ دیئے' وہ کچھ عرصے بعد صرف ایک رنگ میں روپوش ہو گئی... یہ رنگ خون کا تھا۔

شداد علو حضرت موسیٰؑ کے دور کے لگ بھگ ایک ملک کا حکمران تھا۔ مورخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ صحیح طور پر وہ کس دور کا بادشاہ تھا۔ جب بھی تھا' جہاں بھی تھا' اس میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس حقیقت پر سب مؤرخ متفق ہیں کہ شداد کے مزاجِ شاہی میں فرعونیت تھی' اُس کا طرزِ حکومت فرعونوں جیسا تھا۔ رعایا کو وہ اُس کے بندے نہیں سمجھتا تھا جس نے انہیں پیدا کیا تھا بلکہ وہ انہیں اپنا غلام اور اپنی ملکیت سمجھتا تھا۔ ورنہ صفت بادشاہ تھا۔

مقہور و مجبور رعایا نے جب اس کے آگے سجدے کرنے شروع کر دیئے تو اس نے خدائی کا دعویٰ کر دیا اور بھوکی ننگی رعایا نے اسے خدا مان لیا۔ وہ معبود بن گیا۔

وہ خدا ہی کیا جس کے پاس جنت نہ ہو۔ شداد نے ایک جنت بنائی جو آج تک باغِ ارم کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں اس نے جنت کی تمام تر رنگینیاں اور رعنائیاں سمو ڈالیں۔ اس جنت میں اس نے حوروں کو بھی لا بسایا۔ یہ حسین اور نوجوان لڑکیاں تھیں۔ شراب کے مٹکے رکھوا دیئے اور ابلیسیت کے تمام تر دلنشیں'

Scanned by iqbalmt

دلفریب اور سحرانگیز اہتمام کئے۔

جنّت مکمل ہو چکی تو شدّاد اپنی جنّت دیکھنے کے لئے گیا مگر جنّت کے صدر دروازے میں قدم رکھا ہی تھا کہ تیورا کر گرا اور مر گیا۔

"خدا" کو اپنی جنّت میں قدم رکھنا بھی نصیب نہ ہُوا۔

روایت ہے کہ اللہ بزرگ و برتر نے فرشتۂ اجل سے پوچھا کیا کبھی تجھے کسی جسم سے روح نکالتے وقت افسوس بھی ہُوا ہے؟

"ہاں اے پروردگارِ عالم!" ___ فرشتۂ اجل نے جواب دیا ___ "دو بار .... ایک بار ایک جہاز سمندر میں ڈوب گیا تھا۔ مسافروں میں سے صرف ایک ماں زندہ بچ نکلی تھی جس کی گود میں دو تین ماہ عمر کا بچہ تھا۔ وہ بچے کو بھی زندہ نکال لائی تھی .... باری تعالیٰ! آپ نے حکم دیا کہ اس عورت کی روح نکال لاؤ۔ مجھے بہت دکھ ہُوا کہ ماں زندہ نہ رہی تو بچے کا کیا بنے گا لیکن خدائے بزرگ و برتر! موت و حیات آپ کے اختیار میں ہے۔ میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی"۔

"اور دوسری بار؟"

"اے پروردگارِ عالم!" ___ فرشتۂ اجل نے کہا ___ "شدّاد عاد ایک بادشاہ تھا۔ اُس نے بڑی محنت سے جنّت بنائی تھی۔ اس پر خزانے لُٹا دیئے تھے۔ اس کی تکمیل میں اُس کی عمر کا ایک حصہ گذر گیا تھا۔ اس نے اپنی جنّت کی تعمیر اُس وقت شروع کی تھی جب جوان تھا۔ تکمیل اُس وقت ہوئی جب جوانی گذر گئی تھی۔ وہ اپنی جنّت کو دیکھنے گیا تو آپ نے حکم دیا کہ یہ شخص اپنی بنائی ہوئی جنّت میں داخل ہونے لگے تو اس کی روح نکال لاؤ ....

"میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی، اپنا فرض ادا کیا لیکن میرا دل رنج و ملال میں مبتلا ہو گیا کہ یہ شخص اپنی بنائی ہوئی جنّت میں قدم بھی نہ رکھ سکا کہ اس کا بے روح جسم جنّت کے دروازے میں گر پڑا لیکن اے خالقِ کائنات! میں چون و چرا نہیں کر سکتا"۔

"جانتے ہو یہ شدّاد کون تھا؟" ___ باری تعالیٰ نے پوچھا اور خود ہی جواب دیا ___ "یہ وہی بچہ تھا جسے ماں سمندر میں سے زندہ نکال لائی تھی اور میں نے تجھے کہا تھا کہ اس کی ماں کی روح نکال لاؤ"۔

"یَاحَیُّ یَاقَیُّومُ یَامُمِیتُ!" ___ فرشتۂ اجل نے رکوع میں جا کر کہا ___ "بے شک آپ ہمیشہ زندہ رہنے والے، زندگی اور موت دینے والے ہیں"۔

پھر تاریخوں میں ایک اور جنّت کا ذکر ملتا ہے جو شدّاد کے باغِ ارم جیسی پرانی بات نہیں بلکہ کل کی بات لگتی ہے۔ پانچویں صدی ہجری (گیارھویں صدی عیسوی) کو تاریخ پرانی بات نہیں کہتی۔ تاریخ میں سال لمحوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یہ ابلیس کے حکم سے بنائی ہوئی دوسری ارضی جنّت تھی جس کا خالق حسن بن صباح تھا۔ اس نے خدائی کا دعویٰ تو نہیں کیا تھا لیکن بلا خوفِ تردید یہ دعویٰ کرتا تھا کہ خداوند تعالیٰ اس پر وحی نازل کرتا ہے اور براہِ راست احکام دیتا ہے۔

اس کے بنائے ہوئے فرقے کے پیروکار آج بھی موجود ہیں۔ حسن بن صباح نے ابلیس کی حکومت قائم کر دی تھی۔ اس نے جو فرقہ بنایا تھا وہ انتہائی خوفناک سازشوں، زعماء کے قتل اور بے حد شرمناک اور ہولناک گناہوں کی وجہ سے مشہور ہُوا۔ اس فرقے کی بنیاد ہی بدی پر رکھی گئی تھی۔

جتنی بھیانک وارداتیں حسن بن صباح نے کرائیں وہ سن کر آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حسین اور نوجوان لڑکیوں کا جو استعمال حسن بن صباح نے کیا، وہ اس سے پہلے یا بعد کے ادوار میں کبھی نہیں ہُوا .... اور اولادِ آدم اور ابلیس کی جو پُراسرار، سنسنی خیز اور فکر انگیز کہانیاں اس دَور میں ملتی ہیں وہ کسی اور دَور میں نہیں ملتیں۔

بھنگ جسے حشیش کہتے ہیں، اس فرقے کی روحانی غذا تھی۔ اس فرقے کی کامیابی کا راز بھنگ میں تھا۔ حسن بن صباح کی جنّت میں دو ہی تو چیزیں تھیں جو انسان کو ابلیس کا چیلا نہیں بلکہ مکمل ابلیس بنا دیتی تھیں۔ یہ چیزیں تھیں حشیش اور حوریں۔ اس جنّت میں حیران کن حد تک خوبصورت اور نوخیز لڑکیاں رکھی جاتی تھیں۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ حوریں ان سے زیادہ کیا خوبصورت ہوں گی۔

نشہ شراب کا ہو خواہ حشیش کا، چرس کا ہو خواہ ہیروئن کا، اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے اُم الخبائث کہا ہے۔ اس میں نسوانی حسن اور جنّت کا نشہ شامل ہو جائے تو انسان خود خبائث کا چلتا پھرتا مجسمہ بن جاتا ہے۔

اولادِ آدم جب راہِ حیات کے اس موڑ پر آئی جہاں حسن بن صباح نے جنّت بنائی تھی تو اسے ابلیس کے قہقہے سنائی دینے لگے۔ یہاں سے ایسے قصوں اور کہانیوں نے جنم لیا جو آج بھی سنو تو دل پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ کبھی شک ہوتا ہے کہ یہ واقعات صداقت کے پیمانے پر پورے نہیں اُترتے لیکن یہ چھوٹی سے چھوٹی تفصیل تک سچے ہیں۔

اعمالِ صالح کہانی نہیں بنا کرتے۔ کہانیاں اعمالِ بد کی کوکھ سے جنم لیا کرتی ہیں۔

یہ کوئی کہانی نہیں ہوتی کہ ایک انسان نے ایک پیاسے کو پانی پلایا۔ کہانی اس سے بنتی ہے کہ ایک انسان نے ایک انسان کا خون پی لیا۔

پانی کا پیاسا کسی کہانی کا کردار نہیں بنا کرتا۔ کہانی اُس انسان سے بنتی ہے جو انسان کے خون کا پیاسا ہو۔

آج داستان گو آپ کے لئے اُس دور کی داستانیں لے کر آیا ہے جو سلجوقیوں کا دورِ حکومت تھا۔ خلافت بغداد کی چولیں ڈھیلی ہو گئی تھیں۔ اسلام کا پرچم یوں پھڑ پھڑا رہا تھا جیسے شمع بجھنے سے پہلے ٹمٹمایا کرتی ہے۔ طوائف الملوکی اسلام کے تار و پود بکھیر رہی تھی۔ اہلِ صلیب پرچم ستارہ و ہلال کو ہمیشہ کے لئے گرا دینے کو

Scanned by iqbalmt

طوفان کی طرح بڑھے آرہے تھے۔

اللہ نے اپنے دین کو ہر دور میں سنبھالا اور سہارا دینے کا سبب پیدا کیا ہے۔ اس پُر آشوب دور میں جب خلفاء ہوسِ اقتدار سے دیوانے ہو کر اپنے فرائض کو بھلا بیٹھے تھے اور مسلمانوں کی عسکری قوت خلفاء کی عدم توجہی اور شاہانہ طرزِ بود و باش کی وجہ سے کمزور ہوتی چلی جا رہی تھی' اللہ نے سلجوقیوں کو بھیجا۔ ان ترک جنگجوؤں نے آکر اسلام کے گرتے ہوئے پرچم کو تھاما' دین کی بنیادیں مستحکم کیں' طوائف الملوکی کا خاتمہ کیا' فوج میں عسکری روح بیدار کی اور اہلِ صلیب کے لشکروں کے آگے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کھڑی کر دی۔

اس دور میں فرقہ باطنیہ نے سر اٹھایا اور حسن بن صباح ابلیس کے روپ میں سامنے آیا اور جسدِ اسلام کا کینسر بن گیا۔

حسن بن صباح آیا کہاں سے تھا؟

○

تھوڑا سا ذکر سلجوقیوں کا بھی ہو جائے تاکہ داستان گو کی بات سمجھنے میں آسانی رہے۔ ان کا دور حکومت اسلام کے عروج اور عظمت و اقبال کا زمانہ تھا۔ سلجوقی ایک غیر مسلم تُرک جنگجو سلجوق بن یکاک کی نسل سے تھے۔ سلجوق تُرکستان کے خانِ اعظم کے ہاں ملازم تھا۔ یہ لوگ فطرتاً" جنگجو تھے۔

اللہ نے اس غیر مسلم خاندان کو اسلام کی بقا' سلطنتِ اسلامیہ کی سلامتی اور توسیع اور دین کے فروغ کی سعادت عطا کرنی تھی۔ اس کا سبب یوں بنا کہ سلجوق بن یکاک نے خانِ ترکستان کی ملازمت چھوڑ دی اور اپنے خاندان کے ساتھ بخارا چلا گیا۔ اس کا قبیلہ بھی اس کے ساتھ ہی ہجرت کر گیا کیونکہ اس میں کچھ ایسے اوصاف تھے کہ قبیلہ اسے اپنا پیر و مرشد مانتا تھا۔

سلجوق اپنے اوصاف اور صلاحیتوں کو کسی بہتر اور عظیم مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ وہ یقیناً" کسی ایسے عقیدے اور ایسے مذہب کی تلاش میں تھا جو فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ ہو۔ بخارا میں وہ اسلام سے متعارف ہُوا تو اس نے بلا پس و پیش اسلام قبول کر لیا اور اپنے خاندان اور قبیلے کو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے روشناس کرا کے کہا کہ وہ سب مسلمان ہو جائیں۔ وہ تو حکم کے منتظر تھے۔ پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

یہ ایک معجزہ تھا۔ "کُنْ فَیَکُوْن" کا مظاہرہ تھا۔ آلِ سلجوق تو ترکستان میں وحشی' جنگلی اور تہذیب و تمدن سے بے بہرہ مشہور تھے۔ جنگجو ایسے کہ ان کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا لیکن اللہ نے انہی سے اپنے دین کا تحفظ کرانا تھا۔ سلجوق صرف مسلمان ہی نہ ہوئے بلکہ اسلام کو سربلند کرنے کی ذمہ داری بھی اپنے سر لے لی۔

یہ ایک اور داستان ہے کہ سلجوقیوں نے سلطنتِ اسلامیہ کی عنان کس طرح اپنے ہاتھ میں لی۔ مختصر یہ کہ غیر مہذب اور آوارہ گرد تُرک تہذیب اور شائستگی کے پیکر بن گئے۔ تعلیم سے بے بہرہ سلجوقیوں نے عالموں

اور فاضلوں کو دربار میں اکٹھا کر کے ان کی پذیرائی کی۔ ان کی خانہ بدوش ذہنیت مدنیت کے رنگ میں رنگی گئی۔

یہ ہمارا عقیدہ ہے کہ دینِ اسلام کا اور توحید و رسالت کا محافظ و ناصر خود اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ اس کی ذاتِ باری نے جس طرح عرب کے بوریا نشینوں' صحرا نوردوں' گناہوں اور جاہلیت میں ڈوبے ہوئے بندوں کو رسالت اور اپنے دین سے نوازا تھا' اسی طرح پسماندہ ترکوں کو اعزاز بخشا کہ انہیں عسکری قوت اور کردار کی عظمت عطا کی اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے ایران' عراق' شام' الجزیرہ اور ایشیائے کوچک پر چھا گئے۔ ان کے سامنے جو بھی اسلام دشمن طاقت آئی اُسے کچل اور مسل کر ختم کر دیا۔

بنیادی تبدیلی تو یہ آئی کہ خلافتِ عباسیہ کے کردار کی کمزوریوں نے سلطنت میں جو طوائف الملوکی پیدا کر دی تھی اس کا قلع قمع ہو گیا۔ سلجوقیوں نے اس کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ ایک بادشاہی قائم کر دی اور افغانستان سے بحیرۂ روم تک کا علاقہ ایک سلطنت بن گیا اور یہ سلطنتِ اسلامیہ تھی۔

بادشاہت کا نظام حکومت اسلام کے منافی ہے لیکن سلجوقیوں نے سلطنت کو ایک مرکز کے تحت لانے کے لئے بادشاہت کا نظام اپنایا تھا۔ اس کے نتیجے میں یہ فائدہ حاصل ہُوا کہ سلطنت میں جو انتشار اور عدم اتحاد پیدا ہو گیا تھا وہ یک جہتی اور قومی اتحاد میں بدل گیا۔

پھر ان سلجوقیوں نے یورپ کے اہلِ صلیب کی یلغار کو یوں قہر و غضب سے روکا کہ انہیں بار بار حملے کرنے کے قابل نہ چھوڑا۔

سلجوق بن یکاک کی حکومت اس کے پوتوں طغرل بیگ سلجوقی اور چغرا بیگ سلجوقی تک پہنچی۔ بادشاہوں کے خاندانوں میں یہ روایت لازمی طور پر چلتی رہی ہے کہ سگے بھائی تخت نشینی پر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جاتے تھے۔ اگر کوئی بہن ہوتی تو وہ الگ سازشیں کرتی تھی۔ محلاتی سازشیں شاہی خاندانوں میں لازمی سمجھی جاتی تھیں لیکن سلاطینِ آلِ سلجوق آپس میں عناد رکھنے کو گناہ سمجھتے تھے۔

طغرل بیگ اور چغرا بیگ سگے بھائی تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ان کا آپس میں پیار تھا کہ تخت کا وارث بڑا بھائی تھا لیکن بڑے نے چھوٹے بھائی کو اقتدار میں اپنے ساتھ رکھا اور دو دارالسلطنت بنا دیئے۔ چغرا بیگ کے لئے ترکستان کا مرو اور خراسان کا شہر نیشاپور جو طغرل بیگ کا دارالسلطنت تھا۔ اس طرح بھائیوں میں پیار اور اتحاد بھی قائم رہا اور سلطنت چونکہ وسیع تھی اس لئے دو دارالسلطنت بننے سے انتظام پہلے سے بہتر ہو گیا۔

آلِ سلجوق نے خلیفہ کو نہ چھیڑا اور اُسے کچھ علاقہ دے کر اُس کی حیثیت برقرار رکھی تھی۔ یہاں ایک واقعہ کا ذکر بے محل نہ ہو گا۔ اُس وقت خلیفہ قائم بامر اللہ تھا۔ 450ھ کا ذکر ہے کہ بساسیری نام کے ایک غیر مسلم نے خلیفہ قائم کو کمزور اور تنہا سمجھ کر بغداد پر حملہ کر دیا اور خلیفہ کو قید میں ڈال دیا۔

طغرل بیگ کو اطلاع ملی تو اس نے بساسیری پر حملہ کر دیا اور اسے بہت بُری شکست دے کر اسے گرفتار کر

Scanned by iqbalmt

لیا۔ حکم دیا کہ اس کا سر کاٹ کر میرے حوالے کیا جائے۔ تھوڑی ہی دیر میں سر اس کے سامنے پڑا تھا۔ طغرل بیگ نے سر اٹھو لیا اور خلیفہ کے گھر کی طرف چل پڑا۔ خلیفہ کو بساسیری کی قید سے رہا کرا لیا گیا تھا۔

طغرل بیگ نے بساسیری کا سر خلیفہ کے قدموں میں رکھ دیا۔

"طغرل!" — خلیفہ قائم بامر اللہ نے کہا — "کیا تم چار سال انتظار کر سکتے ہو؟"

"کیسا انتظار؟" — طغرل بیگ نے پوچھا۔

"میں اس احسان کا تمہیں صلہ دینا چاہتا ہوں جو تم نے مجھ پر کیا ہے" — خلیفہ قائم نے کہا۔

"پہلی بات یہ ہے محترم خلیفہ!" — طغرل بیگ نے کہا — "کہ میں نے آپ پر احسان نہیں کیا' فرض ادا کیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں چار سال انتظار کا مطلب نہیں سمجھ سکا"۔

"میری ایک ہی بیٹی ہے" — خلیفہ نے کہا — "ابھی کمسن ہے۔ بارہ تیرہ سال عمر ہے۔ چار سال بعد جوان ہو جائے گی تو اس کی شادی تمہارے ساتھ کراؤں گا۔ یہ ایسا انعام ہے یا تحفہ ہے جو میں کسی غیر عباسی کو نہیں دے سکتا۔ ہم اپنی لڑکیاں عباسیوں میں ہی بیاہتے ہیں۔ تم سلجوقی ہو لیکن تمہارے احسان کا صلہ اس سے کم نہیں دوں گا۔ میں نے اپنی بیٹی تمہیں دے دی۔ چار سال بعد شادی ہو جائے گی"۔

چار سال بعد خلیفہ نے اپنی بیٹی کی شادی طغرل بیگ سے کر دی۔

○

بادشاہوں کے ہاں یہ رواج رہا ہے کہ انہیں وزیروں کی ضرورت نہیں ہوتی تھی لیکن رسمی طور پر وہ ایک وزیر اعظم اور برائے نام دو تین وزیر رکھ لیتے تھے۔ حکم تو بادشاہ کا چلتا تھا۔ وزیر تائید اور خوشامد کرتے تھے۔ ان کے مشیر بھی حاشیہ بردار اور جی حضوری ہوتے تھے۔ بادشاہ ان سے رسماً کسی کام یا کسی مسئلے کا مشورہ لیتا تو وہ بادشاہ کی مرضی اور مزاج کے مطابق مشورہ دیا کرتے تھے لیکن سلجوقیوں کے ہاں یہ رواج نہیں تھا۔

سلاطین آلِ سلجوق علم و فضل کے قدر دان تھے۔ ان کی کامیابی کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ وہ بادشاہوں جیسے دربار نہیں لگاتے تھے اس لئے وہ خوشامدیوں اور درباریوں کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے تھے۔ ان کے فیصلے دو ٹوک اور اٹل ہوتے تھے۔

چغرا بیگ اور طغرل بیگ کا دورِ حکومت تھا جنہوں نے دو دارالسلطنت بنا لئے تھے۔ چغرا بیگ مرو میں تھا۔ ایک روز ایک جواں سال آدمی اس کی ملاقات کے لئے آیا۔ اس شخص کا لباس بتا رہا تھا کہ وہ معمولی سا کوئی سوالی نہیں' وہ کوئی عالم یا کسی اونچے درجے کے خاندان کا فرد لگتا تھا۔

"سلطان کو کیا بتاؤں آپ کون ہیں؟" — دربان نے پوچھا — "اور غرضِ ملاقات کیا ہے؟"

"میرا نام خواجہ حسن طوسی ہے" — ملاقاتی نے بتایا — "نیشا پور سے آیا ہوں۔ نیشا پور کے امام موافق کا شاگرد ہوں۔ ان کے مدرسے سے فارغ التحصیل ہو کر آیا ہوں۔ فقیہ اور محدث ہوں۔ غرض ملاقات

سلطان کو بتاؤں گا"۔

دربان کے لئے حکم تھا کہ کوئی عالم ملاقات کے لئے آ جائے تو اُسے روکا نہ جائے۔ چنانچہ دربان نے اندر جا کر سلطان چغرا بیگ کو اطلاع دی۔

"کیا وہ فقیہ اور محدّث لگتا ہے؟" — سلطان نے پوچھا۔

"ہاں سلطانِ محترم!" — دربان نے جواب دیا — "زبان شائستہ اور لباس عالمانہ ہے۔ چہرے سے مہذب لگتا ہے"۔

"تو اسے اتنی دیر باہر کھڑا رکھنا خلافِ تہذیب ہے" — سلطان نے کہا — "اسے فوراً اندر بھیج دو"۔

چند لمحوں بعد خواجہ حسن طوسی سلطان چغرا بیگ کے سامنے کھڑا تھا۔ سلطان نے اسے احترام سے بٹھا لیا۔

"اے نوجوان!" — سلطان نے پوچھا — "میں کیسے مان لوں کہ تُو امام مُوافق کا شاگرد ہے؟ ہم جانتے ہیں امام موافق کی شاگردی کتنا بڑا اعزاز ہے"۔

"میرے پاس سند ہے" — خواجہ طوسی نے سند سلطان کے حوالے کرتے ہوئے کہا — "میں نے فقہ اور حدیث کی اور دیگر دینی امور کی تعلیم پائی ہے"۔

"کیا تُو فارغ التحصیل ہو گیا ہے؟" — سلطان نے پوچھا۔

"نہیں سلطانِ عالی مقام!" — خواجہ طوسی نے جواب دیا — "میں مدرسے سے فارغ ہُوا ہوں تحصیلِ علم سے نہیں۔ علم ایک سمندر ہے۔ موتی اُسی کے ہاتھ آتا ہے جو اس سمندر میں غوطہ زن ہو کر تہہ سے سیپی اٹھا لانے کا عزم رکھتا ہے"۔

سلطان چغرا بیگ کچھ متاثر ہُوا۔

"ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ تُو کتنا کچھ دانشمند ہے" — سلطان نے کہا — "کتابیں علم دے سکتی ہیں عقل نہیں.... تُو اپنے آپ کو کتنا دانشمند سمجھتا ہے؟"

"سلطانِ محترم!" — خواجہ حسن طُوسی نے کہا — "انسان اتنا ہی احمق ہے جتنا وہ اپنے آپ کو دانشمند سمجھتا ہے' اور انسان اتنا ہی چھوٹا ہے جتنا وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے۔ یہ فیصلہ دوسرے کیا کرتے ہیں کہ فلاں احمق اور فلاں دانشمند ہے"۔

"ایک بات بتا طوسی!" — سلطان نے پوچھا — "حکمران میں کیا صفات اور کیسے اوصاف ہونے چاہئیں کہ وہ رعایا میں ہر دلعزیز ہو اور مرنے کے بعد بھی لوگ اسے اچھے الفاظ سے یاد کریں؟"

"وہ اپنے دین اور سلطنت کے لئے آگ کا طوفان ہو" — خواجہ حسن طوسی نے جواب دیا — "رعایا کے لئے پانی ہو' زمین کی طرح فیاض اور آسمان کی طرح مربّی ہو' عقاب کی مانند تیز نگاہ' کوّے کی طرح محتاط اور

Scanned by iqbalmt

کوئل کی طرح خوش گلو ہو، شیر کی طرح بے خوف اور چاند ستاروں کی مانند راست رَو ہو، یوں نہیں کہ آج اِدھر کل اُدھر بھٹکتا پھرے"۔

"کیا یہ صفات ہم میں ہیں؟" — سلطان نے پوچھا۔

"اگر میں نے کہا ہاں ہیں تو یہ خوشامد ہوگی" — خواجہ طوسی نے کہا — "خوشامد منافقت ہے۔ میں منافق نہیں بننا چاہتا۔ اگر میں نے کہا کہ سلطان میں کچھ صفات کی کمی ہے تو میں معتوب ہوں گا۔ مجھ میں تابِ عتاب نہیں"۔

"اے نوجوان!" — سلطان نے کہا — "تیری صاف گوئی قابلِ داد ہے لیکن ایک بات بتا... اگر ان صفات اور اوصاف میں سے ایک یا دو ہم میں نہ ہوں تو کیا فرق پڑتا ہے؟"

"سلطانِ عالی مقام!" — خواجہ حسن طُوسی نے کہا — "تسبیح میں ایک سَو دانے اور گرہ صرف ایک ہوتی ہے۔ اگر یہ ایک گرہ کھل جائے تو تمام دانے بکھر جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے آپ کی وہ صفت اور وہ وصف کمزور ہو جو گرہ کی حیثیت رکھتا ہے تو گرہ کسی بھی وقت صفات و اوصاف کے دانے بکھیر دے گی"۔

"خواجہ حسن طُوسی!" — سلطان چغرابیگ نے پُرجوش لہجے میں کہا — "ہم نے تجھے مشیر مقرر کیا۔ اگر تُو نے راست گوئی اور صداقت پسندی کو قائم رکھا تو یہ ہماری پیشین گوئی ہے کہ ایک روز تُو اس سلطنت کا وزیرِ اعظم ہوگا"۔

بیس بائیس سال بعد سلطان چغرابیگ کی پیشن گوئی پوری ہو گئی۔ خواجہ حسن طوسی وزیرِ اعظم بن گیا۔ اُس وقت سلطان چغرابیگ کا پوتا سلطان ملک شاہ حکمران تھا۔ مرو یعنی دوسرے دارالسلطنت میں سلطان الپ ارسلان تھا۔ خواجہ طوسی سلطان الپ ارسلان کا وزیرِ اعظم تھا۔

خواجہ حسن طُوسی تاریخِ اسلام کی مشہور و معروف شخصیت ہے۔ اسے سلجوقی سلطانوں نے نظام الملک کا خطاب دیا تھا۔ تاریخوں میں اسے خواجہ حسن طُوسی کم، نظام الملک زیادہ لکھا گیا ہے۔ اس لئے وہ اسی نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ وہ دینی امور کا اور فقہ و حدیث کا عالم تھا۔

نظام الملک نے بغداد میں مدرسہ نظامیہ بنایا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اور اس کے ساتھی بہاؤالدین شداد جو اُس وقت کا مشہور سکالر تھا، اسی مدرسے میں اکٹھے پڑھے تھے۔

○

ایک روز نظام الملک طُوسی اپنے کام کاج میں مصروف تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ نیشاپور سے ایک شخص اسے ملنے آیا ہے اور اپنا نام عمر خیام بتاتا ہے۔ نظام الملک نے ذہن پر زور دیا۔ یہ نام اسے کچھ مانوس لگا اور ایک شک کی بنا پر کہا اسے اندر بھیج دو۔

عمر خیام اندر آیا۔ نظام الملک نے اسے دیکھا تو اچھل کر اٹھا۔ اس نے عمر خیام کو پہچان لیا تھا۔ دونوں اس

بھی میں نے اعتراف کر لیا کہ میں روٹی کمانے کے لئے اس کا ساتھ نہیں دیتا"۔

"تمہیں کوئی نہ کوئی ذریعۂ معاش تو تلاش کرنا ہی ہوگا" — نظام الملک نے کہا — "بغیر کام کے زندگی تنگی تنگی سی ہوتی"۔

"میں تمہیں ایک عہد نامہ یاد دلانے آیا ہوں خواجہ!" — عمر خیام نے کہا — "عہد نامہ جو ہم نے لڑکپن میں کیا تھا"۔

"عہد نامہ؟" — نظام الملک نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا — "بائیس تیئیس سال گزر گئے ہیں عمر! ذرا اشارہ دے دو"۔

نظام الملک اور عمر خیام کا ایک ہم جماعت اور بھی تھا۔ اُس نے تو تاریخ میں ایسا نام پایا ہے کہ اسے تاقیامت بھلایا نہیں جا سکے گا۔ یہ تھا جنتِ ارضی کا خالق حسن بن صباح۔ ان کے ہم جماعت تو اور بھی تھے لیکن نظام الملک، عمر خیام اور حسن بن صباح کی آپس میں دوستی اتنی گہری ہو گئی تھی کہ وہ ایک ہی کمرے میں رہتے اور جدھر ایک نے جانا ہوتا اُدھر تینوں جاتے تھے۔

ایک روز حسن بن صباح نے ایک عہد نامہ پیش کیا اور تینوں دوستوں نے آپس میں یہ عہد کیا۔ یہ ان کا ایک تاریخی عہد نامہ ہے، جس کا ذکر تقریباً ہر مؤرخ نے کیا ہے۔ اتنی مدت بعد عمر خیام نظام الملک سے ملا تو نظام الملک عہد نامہ بھول چکا تھا۔

"مدرسے کی ایک رات یاد کرو خواجہ!" — عمر خیام نے نظام الملک کو عہد نامہ یاد دلانے کے لئے کہا — "ہم تینوں دوست اُس روز کا پڑھا ہوا سبق دُہرا کر فارغ ہوئے تو حسن بن صباح نے کہا کہ اس مدرسے کی یہ روایت ہے کہ جو یہاں سے پڑھ کر نکلا اور جسے امام موافق نے ذہین اور لائق کہا وہ کسی نہ کسی اونچے رتبے پر پہنچا۔ پھر حسن بن صباح نے کہا تھا کہ ضروری نہیں کہ ہم تینوں اونچے رتبوں پر پہنچیں گے۔ ہو سکتا ہے ہم تینوں میں سے کوئی ایک کسی بلند رتبے تک جا پہنچے اور باقی دو بڑی مشکل سے دو وقت کی روٹی کما سکیں۔

"پھر حسن بن صباح نے کہا تھا کہ آؤ آپس میں عہد کریں کہ ہم میں سے جو بھی کسی اونچے منصب یا رتبے پر پہنچا تو وہ دونوں دوستوں کی مالی معاونت کرے گا اور انہیں اپنی خوش بختی میں برابر کا شریک بنائے گا یا ان کے ذریعۂ معاش کا بندوبست کرے گا اور طوطا چشمی اور خود غرضی سے گریز کرے گا۔ ہم تینوں نے پوری سنجیدگی اور سچے دل سے عہد و پیمان کئے تھے کہ ایسے ہی ہوگا"۔

"ہاں عمر!" — نظام الملک نے مسکراتے ہوئے کہا — "مجھے یاد آ گیا ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے تم نے سب سے زیادہ پُرجوش طریقے سے عہد کیا تھا کہ مجھے اللہ نے کوئی بڑا رتبہ دے دیا اور میرے دونوں دوستوں کو میری ضرورت محسوس ہوئی تو میں ان کی مالی اور ہر طرح کی معاونت کروں گا"۔

"تو پھر خواجہ!" — عمر خیام نے کہا — "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ لمبا عرصہ میرا کوئی ذریعۂ معاش نہیں

Scanned by iqbalmt

طرح بغلگیر ہو کر ملے جیسے لمبی مدت کے بچھڑے ہوئے دوست ملا کرتے ہیں۔

وہ تھے ہی پرانے اور بچھڑے ہوئے دوست۔ امام موافق کے مدرسے میں ہم جماعت تھے۔ اس مدرسے کے متعلق تاریخوں میں لکھا ہے کہ طلباء کم ہوا کرتے تھے اور جو بھی طالب علم امام موافق کی شاگردی سے فارغ ہوتا تھا وہ حکومت یا معاشرے میں اونچے درجے پر فائز ہو جاتا تھا۔ اس کی ایک مثال خواجہ حسن طوسی کی تھی جو سلطنتِ سلجوق کا وزیر اعظم بنا' نظام الملک کا خطاب پایا اور تاریخ میں آج تک اس کا نام زندہ ہے اور تاابد زندہ رہے گا۔

پھر ایک اور مثال عمر خیام کی ہے۔ عمر خیام کی رباعیاں آج بھی مشہور ہیں۔ اردو میں بھی ان رباعیوں کا ترجمہ ہُوا ہے اور انگریزی میں بھی۔ اس طرح عمر خیام اردو اور انگریزی ادب کا ایک مقبول شاعر بن گیا ہے۔

عمر خیام کوئی عام قسم کا شاعر نہ تھا' وہ فلسفی شاعر تھا۔ اس کی رباعیوں میں نسوانی حسن کی رعنائیاں تو بہت تھیں لیکن ان رباعیوں میں زندگی کا فلسفہ اور دانش ہوتی تھی۔ اس کی رباعیاں خیال کی گہرائیوں کی بدولت آج بھی زندہ ہیں۔

یہی نہیں' عمر خیام حکیم بھی تھا۔ اس نے حکمت کی پریکٹس ہی نہیں کی تھی بلکہ بعض لاعلاج امراض کی دوائیاں بھی ایجاد کی تھیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ عمر خیام نے آبِ حیات بھی تیار کر لیا تھا جو ہر مرض کی دوا اور لامحدود عمر کا ضامن تھا لیکن یہ محض روایت ہے۔ کسی بھی مورخ نے آبِ حیات کا ذکر نہیں کیا۔

یہ تھا عمر خیام جو اپنے پرانے ہم جماعت خواجہ حسن طوسی نظام الملک سے ملنے آیا تھا۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ عمر خیام کسی امیر باپ کا بیٹا نہیں تھا۔ اس کا باپ' جس کا نام عثمان تھا' موٹے کھدر کا کپڑا بنتا تھا۔ یہ اس کا خاندانی پیشہ تھا۔ اس کے بعد اس نے خیموں کی سلائی کا کام شروع کر دیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ خیام کہلانے لگا۔۔۔ عثمان خیام۔۔۔ اس کے بیٹے عمر نے جب دیکھا کہ وہ شعر موزوں کر سکتا ہے تو اس نے باپ کے پیشے کی مناسبت سے اپنا تخلص خیام رکھ لیا۔ یہ تخلص اس کے نام کا حصہ بن گیا اور عمر خیام کے نام سے مشہور ہُوا۔

○

"کہو عمر!" ۔۔۔ نظام الملک نے پُرمسرت لہجے میں کہا ۔۔۔ "اتنا عرصہ کہاں رہے؟ آج تم نے لڑکپن یاد دلا دیا ہے"۔

"پہلی بات یہ ہے خواجہ!" ۔۔۔ عمر خیام نے کہا ۔۔۔ "میں اب عمر نہیں عمر خیام ہوں۔ شعر و شاعری میں مقام پیدا کر لیا ہے۔ حکمت میں قسمت آزمائی کر رہا ہوں۔ علم و ادب کی کتابیں بھی پڑھ رہا ہوں اور حکمت کی بھی لیکن ذریعہ معاش کوئی نہیں۔ باپ خیمہ سازی کرتا ہے۔ میں نے اس پیشے کو اپنانے کی کوشش کی تھی لیکن میرے ذہنی رجحان نے اسے قبول نہیں کیا۔ میری صلاحیتیں مجھے کسی اور طرف لے جا رہی تھیں۔ باپ کو

بہا"۔

"میں اس کا کچھ بندوبست کر دوں گا" ۔۔۔ نظام الملک نے کہا ۔۔۔ "تم صاحبِ علم و فضل ہو۔ فلسفہ' شاعری اور حکمت میں دسترس رکھتے ہو۔ میں سلطان سے کہوں گا کہ تم سلطنت کے لئے معتمد اور سودمند ثابت ہو سکتے ہو' اور میں سلطان سے یوں کہوں گا کہ تمہیں میرے ساتھ ملازمت دے دی جائے اور تمہیں میرا معاون بنا دیا جائے۔ یہ سلاطین مجھے اچھا چاہتے ہیں اور مجھ سے بہت ہی متاثر ہیں"۔

"میں تمہارے کردار کی عظمت کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں" ۔۔۔ عمر خیام نے کہا ۔۔۔ "لیکن خواجہ! تم تو مجھے اعلیٰ منصب پر اپنے ساتھ بٹھانا چاہتے ہو لیکن میں اس منصب کے قابل نہیں۔ میں ساری عمر تمہارا مشکور و ممنون رہوں گا"۔

"نہیں عمر!" ۔۔۔ نظام الملک نے کہا ۔۔۔ "میرا خیال ہے کہ ذریعۂ معاش کے بغیر تم نے جو اتنا عرصہ گزارا ہے' اس کے زیرِ اثر تمہیں اپنے آپ پر اعتماد نہیں رہا۔ میں تمہارا اعتماد بحال کرنا چاہتا ہوں اور مجھے پوری امید ہے کہ سلطانِ محترم میرے کہنے پر تمہیں اچھے منصب پر قبول کر لیں گے"۔

"نہیں خواجہ! یہ بات نہیں" ۔۔۔ عمر خیام نے کہا ۔۔۔ "میں کام کرنے سے نہیں گھبراتا اور بے روزگاری نے مجھ پر کوئی نقصان دہ اثر نہیں چھوڑا۔ میری صلاحیتیں جس طرف چل نکلی ہیں میں چاہتا ہوں کہ میں اسی راستے کی منزل تک پہنچ جاؤں۔ میں اپنی تحریریں' اشعار اور حکمت کے وہ نسخے جو میں نے دریافت کئے ہیں' اپنے ساتھ لایا ہوں۔ میں علم و ادب اور حکمت میں مزید تحقیقات کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ ایک نظر انہیں دیکھ لو۔ میرے پاس کوئی پیسہ نہیں جس سے میں اپنے اس تحقیقی مسلک کو آگے بڑھاؤں۔ اگر میں نے ملازمت قبول کر لی تو اس سے صرف یہ حاصل ہو گا کہ میں اور میرے اہل و عیال باعزت روٹی کھا لیں گے اور مجھے عزت حاصل ہو جائے گی۔

"میری اس بات پر غور کرو خواجہ!۔۔۔ میں صرف اپنے اور اپنے گھر والوں کے لئے روٹی نہیں چاہتا' میں بنی نوعِ انسان کے لئے کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ میں نے نایاب اور انتہائی کارگر جڑی بوٹیاں تلاش کر لی ہیں اور کچھ قیمتی سامان بھی درکار ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ میرے پاس اتنی رقم ہونی چاہئے جس سے میں گھر والوں کو دو وقت کی روٹی مہیا کر سکوں"۔

نظام الملک نے اس کے کاغذات کا پلندہ دیکھا۔ تب اسے اندازہ ہُوا کہ یہ شخص علم و ادب کے لئے اور حکمت کے لئے کتنا بڑا کام کر رہا ہے اور اگر اسے مالی معاونت مل جائے تو بنی نوعِ انسان کے لئے اس کی یہ کاوشیں بہت ہی سودمند ثابت ہوں گی۔ چنانچہ اس نے عمر خیام کو اپنے ہاں مہمان رکھا اور اس کا یہ تحقیقی کام سلطان الپ ارسلان کو دکھایا اور اسے اس تحقیق کی افادیت اور اہمیت بتائی۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ سلاطینِ سلجوق علم و فضل اور عمر خیام جیسے تحقیقی کام کرنے والوں کی بہت قدر

Scanned by iqbalmt

کرتے تھے۔ سلطان نے عمر خیام کے لئے بارہ سو مثقال سونا سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ آج کی کرنسی کے حساب سے بارہ سو مثقال پینتیس ہزار روپے کے برابر تھے۔ عمر خیام پہلا وظیفہ وصول کر کے نیشاپور چلا گیا۔

عمر خیام کو اتنی زیادہ مالی سہولت حاصل ہو گئی تو وہ علم و حکمت کے تحقیقی کاموں میں مصروف ہو گیا۔ اس نے اپنی پہلی جو کتاب لکھی وہ عقیدت مندی اور شکریے کے طور پر خواجہ نظام الملک کے نام سے منسوب کی۔ پھر اس نے اپنی تحقیق اور تجربات کی ایک اور کتاب مرتب کی جس کا نام "علم المساحۃ والمکعبات" تھا اور پھر اس نے اقلیدس کے اصول و مسائل پر ایک کتاب لکھی۔ عمر خیام علم قیافہ میں بھی دسترس رکھتا تھا۔ ان کتابوں کی بدولت عمر خیام ایران میں اس قدر مشہور و مقبول ہو گیا کہ اسے بو علی سینا کا ہم پلہ سمجھا جانے لگا۔

عمر خیام کا مستقل قیام نیشاپور میں تھا۔ نیشاپور خراسان کا دارالسلطنت تھا اور وہاں کا سلطان ملک شاہ تھا۔ سلطان ملک شاہ ارباب علم اور اہل نظر کا اتنا قدردان تھا کہ اس نے عمر خیام کی شہرت سنی تو اسے نیشاپور بلایا اور اسے اصلاحِ تقویم کی ذمہ داری سونپ دی۔ عمر خیام علم الاعداد میں بھی دسترس رکھتا تھا۔ اس علم میں اس نے خاصی اصلاح و ترمیم کی۔

○

یہ تھا عمر خیام جسے خواجہ حسن طوسی نظام الملک نے بام عروج پر پہنچا دیا۔ ان کا ایک تیسرا دوست بھی تھا "حسن بن صباح"۔ ہم ذرا پیچھے چلتے ہیں جہاں عمر خیام نظام الملک کے پاس گیا تھا۔ عمر خیام نے نظام الملک کو مدرسے کے دور کا عہد نامہ یاد دلایا تو حسن بن صباح کا ذکر آیا۔

"کیا جانتے ہو عمر، وہ کہاں ہے؟" — نظام الملک نے پوچھا۔

"میں اتنا ہی جانتا ہوں کہ وہ رے چلا گیا تھا" — عمر خیام نے جواب دیا — "وہ وہیں کا رہنے والا تھا۔ تمہیں یاد ہو گا وہ خاصا ہوشیار اور چالاک ہوا کرتا تھا۔ تمہیں شاید یاد نہ ہو اس نے مدرسے کے ایک لڑکے کے کچھ پیسے چرا لئے تھے۔ ہم دونوں نے اس کی وکالت کی تھی کہ حسن چور نہیں ہو سکتا لیکن اس نے یہ چوری کی تھی، پھر بھی ہم نے اسے دوست بنائے رکھا تھا"۔

"ہاں عمر!" — نظام الملک نے کہا — "مجھے یاد آ گیا ہے۔ اس میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جو ہمیں اتنی اچھی لگتی تھی کہ میں اس کے بغیر اپنے آپ کو ادھورا سمجھتا تھا"۔

"یہ اس کی زبان کا کمال تھا" — عمر خیام نے کہا — "بولتے تو ہم بھی ہیں لیکن وہ جب بولتا تھا تو کچھ اور ہی تاثر پیدا ہوتا تھا۔ ویسے بھی وہ خوبرو تھا۔ اس کی آنکھوں میں کوئی ایسی تاثیر تھی کہ وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا تھا تو سننے والا بلا پس و پیش اس کی بات مان لیتا تھا"۔

دونوں دوست حسن بن صباح کی باتیں کرتے رہے۔ دو تین دنوں بعد عمر خیام چلا گیا۔

چار پانچ دن گزرے ہوں گے کہ نظام الملک کو اطلاع ملی کہ رے سے ایک آدمی اسے ملنے آیا ہے۔ اپنا نام حسن بن صباح بتاتا ہے۔

"حسن بن صباح!" — نظام الملک نے بڑے اشتیاق سے کہا اور اٹھتے ہوئے بولا — "اسے فوراً اندر بھیجو"۔

حسن بن صباح اندر گیا تو نظام الملک کو اپنے استقبال کے لئے دروازے میں کھڑا پایا۔ دونوں ہم جماعت اور دوست بڑی دیر بغلگیر رہے۔

"میں نے سنا کہ میرا دوست وزیراعظم ہو گیا ہے تو میں خوشی سے پھٹنے لگا" — حسن بن صباح نے کہا — "میں اٹھ دوڑا کہ اپنے لڑکپن کے جگری یار کو وزارتِ عظمیٰ کی مسند پر بیٹھا دیکھوں"۔

"وہ تو تم نے دیکھ لیا ہے" — نظام الملک نے کہا — "یہ بتاؤ یہ بائیس تئیس سال کہاں رہے اور ذریعۂ معاش کیا ہے؟"۔

"خاک ہے میرا ذریعۂ معاش!" — حسن بن صباح نے کہا — "بہت قسمت آزمائی کی، مصر تک گیا لیکن قسمت نے کہیں بھی ساتھ نہ دیا۔ کچھ دنوں کے لئے روزگار ملا پھر وہی بے روزگاری۔ ایک جگہ گیا تو مجھے بہت اچھا جواب ملا۔ مجھے کہا گیا کہ تم نے تعلیم ایسی اور اتنی زیادہ پائی ہے کہ تم کوئی چھوٹی نوکری نہیں کر سکتے اور اسی وجہ سے تمہارا دماغ تجارت کو بھی قبول نہیں کرتا"۔

"ہاں حسن!" — نظام الملک نے کہا — "اس شخص نے دانشمندی کی بات کی ہے۔ امام موافق کا شاگرد کوئی عام سی نوکری نہیں کر سکتا اور وہ دکانداری بھی نہیں کر سکتا۔ ہمارا دوست عمر آیا تھا۔ وہ اب عمر خیام ہے۔ اس نے فلسفہ، علم و ادب اور حکمت میں بہت کام کیا ہے لیکن ذریعۂ معاش کوئی نہیں"۔

"ہاں — عمر!" — حسن بن صباح نے کہا — "ہمارا پیارا دوست۔ اس نے فلسفی اور شاعر ہی بننا تھا"۔

"اس نے مجھے عہد نامہ یاد دلایا تھا" — نظام الملک نے کہا — "میں تو اس عہد نامے کو بھول گیا تھا جو ہم تینوں دوستوں نے ایک رات مدرسے میں کیا تھا"۔

"پھر تم نے اس کے لئے کچھ کیا ہے؟"

"ہاں حسن!" — نظام الملک نے کہا — "میں نے اس کے لئے سالانہ وظیفہ منظور کرا لیا ہے"۔

"میں بھی تمہیں وہی عہد نامہ یاد دلانے آیا ہوں" — حسن بن صباح نے کہا — "لیکن مجھے وظیفہ نہیں چاہئے۔ مجھے اپنی تعلیم اور خاندانی حیثیت کے مطابق ملازمت چاہئے"۔

"میں دوستی کا حق ادا کروں گا حسن!" — نظام الملک نے کہا — "میں تو لڑکپن کے عہد نامے کا پورا پاس کروں گا۔ تم سلطان سے ملنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ میں اس کے ساتھ پہلے ہی بات کر لوں گا"۔

معروف تاریخ نویس ابنِ اثیر نے چند ایک مؤرخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ عہدِ طفلی کا ایک

Scanned by iqbalmt

عہد نامہ تھا جس کی حیثیت ایک مذاق سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں تھی نہ ہی یہ عہد نامہ قرآن پر ہاتھ رکھ کر حلفیہ کیا گیا تھا لیکن نظام الملک صاحبِ کردار اور دیندار آدمی تھا۔ سلطان چغرابیگ نے اس میں یہی اوصاف دیکھ کر اسے اعلیٰ منصب پر فائز کیا تھا اور انہی اوصاف کی بدولت وہ سلطنت کا وزیرِ اعظم بن گیا تھا۔ اس نے لڑکپن کے عہد نامے کا اتنا پاس کیا کہ سلطان کے آگے حسن بن صباح کے کردار، تعلیم اور دانشمندی ایسے انداز سے بیان کی کہ سلطان متاثر ہو گیا۔

اس نے حسن بن صباح سے کہا وہ اسے سلطان سے ملوائے گا اور وہ اپنی تعلیم اور دانشمندی کا پُراثر مظاہرہ کرے۔

حسن بن صباح فنِ گفتگو کا تو استاد تھا۔ نظام الملک نے اسے سلطان کے سامنے پیش کیا تو اس نے زبان کا جادو چلا کر سلطان کو متاثر کر لیا۔ اس کا راستہ تو نظام الملک نے پہلے ہی صاف کر دیا تھا۔

"یہ فیصلہ وزیرِ اعظم کو کرنا چاہیے کہ اس دانشمند شخصیت کو کس منصب پر فائز کیا جائے" — سلطان نے کہا۔

"میں حسن بن صباح کو سلطانِ عالی مقام کے معتمدِ خاص کے رتبے سے کم درجے کا آدمی نہیں سمجھتا" — نظام الملک نے کہا — "سلطانِ عالی مقام کو ایک معتمدِ خاص کی ضرورت بھی ہے"۔

"ہمیں منظور ہے" — سلطان نے کہا — "آپ انہیں رکھ لیں اور انہیں اچھی طرح بتا دیں کہ ان کا کام کیا ہو گا۔ انہیں تمام تر امورِ سلطنت سمجھا دیں۔ کچھ دن اپنی نگرانی میں رکھیں"۔

اس طرح حسن بن صباح کو وہ رتبہ مل گیا جو اختیارات کے لحاظ سے وزارت سے کم نہ تھا۔ وہ اُسی دن اپنا سامان اور بیوی بچوں کو لانے کے لئے رے روانہ ہو گیا۔

نظام الملک محسوس نہ کر سکا کہ اُس نے ابلیس کے لئے جنت کا دروازہ کھول دیا ہے۔

○

حسن بن صباح کون تھا؟

اُس کا باپ خراسان کے شہر طُوس کا رہنے والا تھا۔ اس کا نام علی بن احمد تھا اور وہ اسماعیلی مذہب کا پیروکار تھا۔ حسن بن صباح طوس میں پیدا ہُوا تھا۔ اس کا باپ شہر رے میں جا کر رہائش پذیر ہو گیا تھا۔ رے کا حاکم ابو مسلم رازی تھا۔ علی بن احمد نے ابو مسلم رازی تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ اس کا کام تھا ابو مسلم رازی کی خوشامد کرنا اور لوگوں کے خلاف مخبری کرنا۔ وہ چاہتا تو کسی شریف آدمی کو ناکردہ گناہ میں گرفتار کرا دیتا اور کسی مجرم کو جھوٹ کے ذریعے بیگناہ ثابت کرا دیتا۔

رے تجارت کا مرکز تھا جہاں غیر ملکی تاجر آئے رہتے تھے۔ علی بن احمد منڈی میں چلا جاتا اور کسی نہ کسی غیر ملکی تاجر کو جھانسہ دے کر اس کا مال اُڑا لیتا یا کچھ رقم بٹور لیتا تھا۔ یہ کام وہ ایسی مہارت سے اور ایسے معزز

انداز سے کرتا تھا کہ نقصان اٹھانے والے اس پر ہاتھ ڈالنے سے جھجکتے تھے۔ اس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ رے کے حاکم ابو مسلم رازی کا خاص آدمی اور اس کا منظورِ نظر ہے۔

علی بن احمد کی عیاری کے قصے اتنے کم نہیں کہ داستان کو سارے سنا دے۔ وہ بردہ فروشی تک کرتا تھا لیکن یوں نہیں کہ ایک لڑکی کو اغوا کیا اور اسے بیچ ڈالا۔ وہ کسی حسین اور نوجوان لڑکی کو یا کسی جواں سال بیوہ کو نہایت باعزت طریقے سے ورغلاتا اور ایسے سبز باغ دکھاتا کہ لڑکی پر سحر طاری ہو جاتا تھا۔ نوخیز لڑکی ہوتی یا جواں سال عورت، نتائج سے بے خبر اس کے جال میں آجاتی تھی۔ وہ چار دن اسے اپنے پاس رکھ کر عیش و عشرت کرتا تھا۔ اس فریب کاری میں لڑکی کو اسے بتائے بغیر کوئی نشہ بھی پلاتا تھا۔ اس دوران وہ گاہک کی تلاش میں رہتا اور ایک دن اسے کسی مالدار گاہک کے حوالے کر دیتا تھا۔

کسی گھر میں لڑائی جھگڑا ہوتا یا بازار میں دو دکانداروں کے درمیان جھگڑا ہو جاتا یا تاجروں کا آپس میں کوئی تنازعہ ہوتا تو وہ ثالث یا منصف بن کر اپنے آپ کو ان پر مسلط کر کے تصفیہ کراتا تھا۔

لوگ جانتے تھے کہ یہ شخص عیار اور فریب کار ہے پھر بھی اس کی عزت کرتے اور اس سے مشورے اور مدد لیتے تھے۔ لوگوں میں مقبولِ عام بننے کے لئے وہ ان کے چھوٹے موٹے مسئلے حل کر دیا کرتا تھا۔ اس میں ڈھیٹ پن اتنا زیادہ تھا کہ کہیں سے دھتکار دیا جاتا تو وہاں سے ایک دروازے سے نکل کر دوسرے دروازے سے پھر اندر چلا جاتا اور عیاری کا کوئی اور حربہ استعمال کر کے دھتکارنے والوں کو شیشے میں اتار لیتا تھا۔

لوگوں میں یہ جو مشہور تھا کہ وہ حاکم ابو مسلم رازی کا منظورِ نظر ہے، غلط نہ تھا۔ ابو مسلم جابر اور دانشمند حاکم تھا لیکن علی بن احمد کمال استادی سے اسے دوستانہ سطح پر لے آیا کرتا تھا۔ ابو مسلم رازی اہلِ سنت و جماعت تھا۔ علی بن احمد بلاشک و شبہ اسماعیلی تھا لیکن ابو مسلم کو اس نے یقین دلا رکھا تھا کہ وہ اہلِ سنت ہے۔

ایک بار ابو مسلم کو مصدقہ اطلاع ملی کہ علی بن احمد سُنی نہیں اسماعیلی ہے۔ ابو مسلم نے اس سے جواب طلبی کی۔ اس نے قرآن ہاتھوں پر اٹھا کر قسم کھائی اور کہا کہ وہ سُنی مسلمان ہے۔

اس کا بیٹا حسن بن صباح کئی سالوں سے ایک اسماعیلی عالم اور اتالیق عبدالملک بن عطاش کے ہاں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ اس کا علم ابو مسلم کو ہو گیا۔ اس نے ایک روز علی بن احمد کو بلایا۔

"کس کا بچہ کہاں پڑھتا ہے، مجھے کیا!" — ابو مسلم نے علی سے کہا — "اپنی اولاد کے متعلق ماں باپ کے فیصلوں کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں لیکن تمہارے بیٹے کے متعلق میں اس لئے بات کر رہا ہوں کہ تم اہلِ سنت و جماعت ہو لیکن اپنے بیٹے کو تم نے اسماعیلی عالم کی شاگردی میں بٹھا رکھا ہے.... کیوں؟.... کیا یہ تمہارے اسماعیلی ہونے کا ثبوت نہیں؟"

"نہیں ابو مسلم!" — علی بن احمد نے کہا — "یہ میری ایک مجبوری کا ثبوت ہے۔ میں اپنے بیٹے کو نیشاپور امام موافق کی شاگردی میں بھیجنا چاہتا ہوں لیکن میرے پاس اتنے پیسے نہیں کہ اپنی اس خواہش کی

تکمیل کر سکوں"۔

"پیسے میں دلواتا ہوں" ۔۔۔ ابو مسلم رازی نے کہا ۔۔۔ "میں سرکاری خزانے سے پیسے دلواؤں گا"۔

علی بن احمد نے ایسے انداز سے خوشی کا اظہار کیا جیسے اس کا ایک لاینحل مسئلہ حل ہو گیا ہو۔ اس نے سرکاری خزانے سے رقم وصول کی اور حسن بن صباح کو نیشاپور امام موافق کے مکتب میں بھیج دیا۔ امام موافق کٹر اہل سنت تھا۔ تاریخ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ابو مسلم رازی علی بن احمد کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھتا تھا لیکن اسے دھتکار بھی نہیں سکتا تھا۔

○

حسن بن صباح اپنے باپ کی عیارانہ سرگرمیوں سے بڑی اچھی طرح واقف تھا۔ اس نے باپ سے متاثر ہو کر عیاری کو ہی اپنا اصول بنا لیا تھا۔ اس نے باپ کے خاص کمرے میں بڑی حسین اور نوخیز لڑکیاں بھی دیکھی تھیں۔ اسے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ اس کا باپ کبھی کبھار ایسی ایک لڑکی یا ایک جوان عورت لاتا ہے اور اسے ایک نشہ پلاتا ہے۔ حسن بن صباح نے یہ نشہ دیکھ لیا اور اس کی تھوڑی مقدار شربت میں ملا کر پی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد اسے یوں نظر آنے لگا تھا جیسے یہ فضا بہت ہی حسین ہو گئی ہو۔ مورخ لکھتے ہیں کہ اسے بوڑھی عورتیں بھی جوان نظر آنے لگی تھیں۔

اس نے چرب زبانی باپ سے سیکھی تھی۔ لڑکپن میں ہی وہ زبان کے جادو کا ماہر ہو گیا تھا۔ اپنے باپ کو وہ اپنا بہترین استاد سمجھتا تھا۔ اس کے باپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس کے بیٹے میں اُسی کے ذہنی رجحانات پیدا ہو گئے ہیں۔ اُس نے بیٹے کو کبھی روکا ٹوکا نہیں تھا بلکہ نیشاپور امام موافق کے مکتب میں بھیجتے وقت اس نے بیٹے کو کچھ ہدایات دی تھیں۔

"یہ نہ بھولنا بیٹے!" ۔۔۔ اس نے حسن بن صباح سے کہا تھا ۔۔۔ "ہم اسماعیلی ہیں اہل سنت نہیں۔ تم نے اہل سنت کا درس لینا ہے اور رہنا اسماعیلی ہے۔ اس مدرسے سے جو طلباء اونچے درجے میں کامیاب ہو کر نکلتے ہیں وہ اونچے رتبوں پر فائز ہو جاتے ہیں۔ تم ایسے ایک دو لائق لڑکوں کے ساتھ دوستی کر لینا۔ آگے چل کر یہ تمہارے کام آئیں گے"۔

باپ کو شاید اندازہ نہیں تھا کہ اُس کا بیٹا اسی عمر میں اُس سے کہیں زیادہ چالاک ہو گیا ہے جتنا وہ سمجھتا ہے۔ بیٹے نے مدرسے میں خواجہ حسن طوسی اور عمر خیام کو دوستی کے لئے منتخب کر لیا۔ اُس کی دور بین نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ یہ دونوں پڑھنے میں بہت تیز ہیں اور یہ بڑے ہو کر اونچے رتبے پر پہنچیں گے۔

"تاریخ جلیس" میں واضح طور پر لکھا ہے کہ تینوں دوستوں میں یہ جو معاہدہ ہوا تھا کہ جو دوست کسی اعلیٰ منصب پر فائز ہو گیا وہ دونوں دوستوں کی مدد کرے گا اور اپنے مال و دولت میں بھی انہیں شریک سمجھے گا یہ معاہدہ حسن بن صباح کے عیار دماغ کی اختراع تھا۔

اس معاہدے سے عمر خیام نے بھی فائدہ اٹھایا لیکن وہ جائز فائدہ تھا۔ عمر خیام کے شاہکار آج تک زندہ ہیں، لیکن حسن بن صباح نے نظام الملک سے اس معاہدے کا جو فائدہ اٹھایا وہ ایک ابلیس کا کارنامہ تھا۔ یہ حسن بن صباح کا پہلا قدم تھا۔ وہ جب نظام الملک کے پاس یہ سن کر گیا تھا کہ وہ وزیراعظم ہو گیا ہے تو اس نے جھوٹ بولا تھا کہ وہ اتنا عرصہ بے روزگار رہا ہے۔ وہ کچھ خفیہ سرگرمیوں میں مصروف رہا تھا۔ وہ اپنا ایک فرقہ بنانے کے لئے زمین ہموار کر رہا تھا۔

اس مقصد کے لئے وہ مصر تک چلا گیا تھا۔ مصر میں عبیدیوں کی حکومت تھی جو ظاہری طور پر اسماعیلی کہلاتے تھے لیکن وہ در پردہ باطنی تھے۔ وہاں بات چیت کر کے واپس رے آ گیا۔ کچھ دنوں بعد عبیدیوں کا ایک وفد اس کے پاس رے گیا۔ وفد چلا گیا تو ابو مسلم رازی کو اطلاع ملی اور اسے حسن بن صباح کے عزائم معلوم ہوئے۔ ابو مسلم نے حسن بن صباح کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ حسن بن صباح کو قبل از وقت پتہ چل گیا اور وہ بھاگ گیا۔

وہ اس وقت زمین دوز روپوشی سے ابھرا جب وہ نظام الملک کی مروت اور کوششوں سے سلطان ملک شاہ کے معتمدِ خاص کا منصب حاصل کر چکا تھا اور رے اپنا سامان اور اپنے بیوی بچے لینے آیا تھا۔ ابو مسلم خاموش ہو گیا۔

اُس وقت اس کا باپ بسترِ مرگ پر پڑا تھا۔ حسن بن صباح نے آ کر اسے خوشخبری سنائی کہ اسے یہ رتبہ مل گیا ہے۔

"اب میں سکون سے مر سکوں گا" ۔۔۔ باپ نے کہا ۔۔۔ "میں تمہیں اسی منصب پر دیکھنا چاہتا تھا۔۔۔ جانتے ہو اب تم نے کیا کرنا ہے؟"

"جانتا ہوں" ۔۔۔ حسن بن صباح نے کہا ۔۔۔ "سب سے پہلے نظام الملک کو اس کرسی سے اٹھانا، محل سے نکلوانا اور خود وزیراعظم بننا ہے"۔

"شاباش!" ۔۔۔ باپ نے کہا ۔۔۔ "تم دروازے میں داخل ہو گئے ہو۔ اہم کمروں پر قبضہ کرنا تمہارا کام ہے۔۔۔ یاد رکھو بیٹے! بدی میں بڑی طاقت ہے۔ اس سے زیادہ طاقت عورت اور نشے میں ہے۔ ان دو چیزوں کے ذریعے تم دنیا کے سب سے زیادہ طاقتور بادشاہ کو اپنے قدموں میں بٹھا سکتے ہو"۔

باپ کو ہچکی آئی اور اس کے ناپاک جسم سے روح نکل گئی لیکن وہ اپنی ابلیسیت اپنے بیٹے میں منتقل کر گیا۔

یہاں سے عورت اور نشے کی، عیاری اور بدی کی ایسی داستانوں نے جنم لیا جن سے زمین و آسمان کانپ اٹھے۔ آج بھی سنو تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

○

Scanned by iqbalmt

داستان کو اس داستان کو یہاں تک لے گیا ہے جہاں حسن بن صباح خواجہ طوسی نظام الملک کی سفارش سے سلجوقی سلطان ملک شاہ کا معتمد خاص بن جاتا ہے۔ حسن اور خواجہ طوسی امام مؤافق کے مدرسے سے فارغ التحصیل ہو کر نکلے تو ان کی ملاقات بیس اکیس سال بعد سلطان ملک شاہ کے محل میں ہوئی تھی۔ اگر اس بیس اکیس سال کے عرصے کی روئیداد نہ سنائی جائے تو تاریخ کی یہ ہولناک اور شرمناک داستان ادھوری رہ جائے گی۔ یہی وہ عرصہ ہے جس میں حسن بن صباح حسن بن ابلیس بنا تھا۔ اسی عرصے میں اس نے علمِ نجوم اور علمِ سحر میں دسترس حاصل کی تھی۔

کیا یہ اچھا نہ ہو گا کہ داستان کو آپ کو بیس اکیس سال پیچھے لے جائے جب حسن کے باپ علی بن احمد نے اسے امام مؤافق کے مدرسے میں داخل کرانے سے بہت پہلے ایک اسماعیلی عالم عبدالملک بن عطاش کی شاگردی میں بٹھایا تھا؟

کوئی انسان اپنے آپ ہی گنہگار نہیں بن سکتا اور کوئی انسان اپنے آپ ہی زاہد اور متقی نہیں بن سکتا۔ کچھ حالات اور چند انسان مل کر ایک انسان کو بگاڑتے یا بناتے ہیں۔

حسن بن صباح کا کردار اُسی روز ایک خاص سانچے میں ڈھلنا شروع ہو گیا تھا جس روز باپ اسے عبدالملک بن عطاش کے پاس لے گیا تھا۔ عبدالملک حسن کے باپ کو اچھی طرح جانتا تھا جس طرح ایک جسم کے دو ہاتھ ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے ہیں۔ عبدالملک علی ابن احمد کی عیاریوں سے بھی واقف تھا اور وہ علمِ جوتش و نجوم کی بھی سوجھ بوجھ رکھتا تھا۔

"لے ابنِ عطاش!" — حسن کے باپ نے اسے عبدالملک بن عطاش کے سامنے بٹھا کر کہا — "یہ میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے مرنے کے بعد یہ گمنام ہو جائے۔ یہ اس سے زیادہ شہرت حاصل کرے، جو میں نے حاصل کی تھی"۔

"ایک پہلو اپنی زندگی کا یہ بھی سامنے رکھ علی!" — ابنِ عطاش نے کہا — "تو نے شہرت تو اتنی حاصل کی ہے کہ اس حکومت کے حاکم کے ساتھ بھی تیرا اٹھنا بیٹھنا ہے لیکن یہ کوئی اچھی شہرت نہیں"۔

"شہرت تو ہے ابنِ عطاش!" — علی بن احمد نے کہا — "میں کہتا ہوں یہ نام پیدا کرے اچھا یا برا!"

"اس بچے کو اندر لے آ!"

علی بن احمد اپنے بیٹے حسن بن صباح کو اندر لے گیا اور عبدالملک ابنِ عطاش کے سامنے بٹھا دیا۔ عبدالملک نے حسن کے سر سے دستار اتار دی اور اس کے سر پر اس طرح ہاتھ رکھا کہ اس کی انگلیاں حسن کی پیشانی پر تھیں۔ عبدالملک نے انگلیاں اس کی پیشانی پر آہستہ آہستہ پھیریں پھر اُس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر ذرا اوپر کیا اور حسن کی آنکھوں میں بڑی غور سے دیکھا، پھر اس کے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں پھیلا کر دیکھیں۔ ہتھیلیوں کو غور سے دیکھتے دیکھتے عبدالملک نے اپنا چہرہ یوں تیزی سے پیچھے کر لیا جیسے اس بچے کی ہتھیلیوں سے اچانک سانپ نکل آیا ہو۔

عبدالملک بن عطاش نے کاغذ قلم لے کر کاغذ پر قلم سے خانے بنائے اور ہر خانے میں کچھ لکھا، وقفے وقفے سے حسن کے چہرے کو دیکھتا تھا۔

"جا بچے!" — ابنِ عطاش نے حسن سے کہا — "تو باہر جا بیٹھ!"

حسن بن صباح باہر نکل گیا تو ابنِ عطاش نے اُس کے باپ کی طرف دیکھا اور دیکھتا ہی رہا۔

"جو کہنا ہے کہہ دے ابنِ عطاش!" — علی نے کہا — "میں جانتا ہوں کہ جو تو کہے گا وہ تجھے تیرے علم اور ستاروں نے بتایا ہے"۔

"تیری بیوی کی کوکھ سے ایک نبی پیدا ہوا ہے" — ابنِ عطاش نے کہا۔

"نبی؟" — علی بن احمد نے حیران سا ہو کے پوچھا — "نبوت کا سلسلہ تو ختم ہو چکا ہے"۔

"نبوت کا سلسلہ اللہ کی طرف سے ختم ہوا ہے" — ابنِ عطاش نے کہا — "اللہ کے بندوں کی طرف سے یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا نہ کبھی ختم ہو گا۔ اب تک کتنے ہی آدمی نبوت کا دعویٰ کر چکے ہیں۔ کیا تو نے صاف ابنِ صیاد مدنی کی نبوت کا قصہ نہیں سنا؟ وہ یہودی تھا۔ اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا اور آپؐ سے اس کی ملاقاتیں بھی ہوئی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار اُس سے پوچھا، کیا تجھ پر وحی نازل ہوتی ہے؟ صاف ابنِ صیاد نے جواب دیا، میرے پاس ایک صادق اور ایک کاذب آتا ہے"۔

"صادق اور کاذب کا کیا مطلب؟" — علی بن احمد نے پوچھا۔

Scanned by iqbalmt

"مطلب سمجھنے کی کوشش کرو علی!" — ابنِ عطاش نے جواب دیا — "مطلب یہ کہ میرے پاس ایک فرشتہ آتا ہے اور ایک ابلیس — وہ کہنا یہ چاہتا تھا کہ فرشتہ بھی اور ابلیس بھی اس کے دماغ میں اپنے اپنے اشارے اور اپنے اپنے امورِ غیب ڈال جاتے ہیں — دراصل بات یہ تھی کہ ساف ابنِ صیاد علمِ سحر میں مہارت رکھتا تھا۔ ساحر ہم میں بھی ہیں۔ اس علم کے اسرار و رموز میرے پاس بھی ہیں لیکن یہ علم یہودیوں کو اتنا مرغوب ہے کہ انہوں نے اسے بہت ہی طاقتور بنا دیا ہے اور اس میں ابلیسیت بھر دی ہے۔ ان کے ساحر بالکل صحیح پیش گوئی کر سکتے ہیں۔ ساف ابنِ صیاد بھی پیش گوئی کر سکتا تھا۔ اسے اس نے یوں بیان کیا کہ ایک فرشتہ اس کے پاس آتا ہے جو اسے خدا کا پیغام دیتا ہے اور ابلیس بھی آتا ہے جو اسے آنے والے حالات بتا جاتا ہے"۔

"تم میرے بیٹے کی بات کر رہے تھے" — حسن بن صباح کے باپ نے کہا — "یہ کس قسم کا نبی بنے گا؟"

"جیسے کئی اور بنے ہیں" — ابنِ عطاش نے کہا — "تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانو نہ مانو، میں اس حدیث کا منکر نہیں ہو سکتا... جھوٹے نبی آتے رہیں گے اور تمہارے سلسلے ایسی ایسی باتیں کریں گے جو تم نے سنی ہی نہیں، تمہارے باپ داداؤں نے بھی نہ سنی ہوں گی۔ ان سے خبردار رہنا اور اپنے ایمان کو ان سے محفوظ رکھنا۔ یہ تم میں گمراہی اور فتنہ پھیلائیں گے'... طلیحہ اسدی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ تم نے مسیلمہ کذاب کا نام سنا ہو گا۔ پھر ایک عورت سجاح بنتِ حارث نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا... پھر ہوا کیا؟... ساف ابنِ صیاد نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ طلیحہ مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے نبی بن کر اتنی شہرت حاصل نہیں کی تھی جتنی مسلمان ہو کر میدانِ جنگ میں اسے ملی"۔

"اگر تو آنے والے وقت کے پردے اٹھا سکتا ہے تو بتا" — علی بن احمد نے کہا — "میرے بیٹے کا مستقبل کیا ہو گا؟ یہ کس انجام کو پہنچے گا؟"

"انسان کو اپنی فطرت انجام کو پہنچایا کرتی ہے" — ابنِ عطاش نے کہا — "انجام اچھا بھی ہو سکتا ہے برا بھی۔ اس کا انحصار انسان کے اپنے اعمال پر ہے۔ اگر میں تیرے بیٹے کی آنکھوں میں عکس غلط نہیں دیکھ رہا تو یہ اتنی زیادہ طاقت کا مالک ہو گا کہ یہ جس کی آنکھوں میں آنکھیں

ڈال کر دیکھے گا وہ اس کے آگے سجدہ ریز ہو جائے گا اور یہ جس عورت پر نگاہ ڈالے گا وہ عورت اپنے آپ کو اس کی ملکیت میں دے دے گی لیکن یہ طاقت نبیوں والی نہیں ہو گی بلکہ یہ ابلیسی طاقت ہو گی"۔

"کیا یہ طاقت میرے بیٹے کے حق میں اچھی ہو گی؟" — علی بن احمد نے پوچھا۔

"کیا تیری فطرت تیرے حق میں اچھی نہیں؟" — ابنِ عطاش نے کہا — "حاکمِ وقت تک تیری رسائی ہے۔ تیرے جاننے والوں میں کون ایسا ہے جس کا دل تجھے پسند کرتا ہے؟ لیکن کون ہے جو تیرے آگے تعظیم سے جھک نہیں جاتا؟ کون ہے جو سانپ سے پیار کرتا ہے لیکن ہر کوئی سانپ سے ڈرتا ہے"۔

"کیا تو اس کا راستہ بدل سکتا ہے؟" — علی بن احمد نے پوچھا — "کیا تو اس کے دل میں خوفِ خدا پیدا کر سکتا ہے؟"

"دنیا کا بادشاہ خدا ہے" — ابنِ عطاش نے کہا — "سب جانتے ہیں کہ یہ دنیا خدا نے بنائی ہے اور ایک روز خدا اسے تباہ کر دے گا اور یہ قیامت ہو گی لیکن خدا کے بندوں کے دلوں پر ابلیس کی حکمرانی ہے۔ اسے کہتے ہیں ابلیسی قوت!"

"میں کہتا ہوں میرا بیٹا نام پیدا کرے" — علی بن احمد نے کہا۔

"نام پیدا کرے گا" — ابنِ عطاش نے کہا — "نام بھی ایسا پیدا کرے گا کہ رہتی صدیوں تک دنیا اسے یاد کرے گی لیکن اس کی تاریخ خون سے لکھی جائے گی۔ اس پر گناہوں کی سیاہی کے حاشیے ہوں گے"۔

"پارسائی میں کیا رکھا ہے ابنِ عطاش!" — علی بن احمد نے ایسی مسکراہٹ سے کہا جو مسرت سے خالی تھی — "میں بچہ تیری شاگردی میں بٹھا رہا ہوں۔ اسے ایسے راستے پر ڈال دے کہ تجھ جیسا عالم بن جائے"۔

علی بن احمد اپنے بیٹے حسن کو عبدالملک بن عطاش کے حوالے کر کے چلا گیا۔

○

تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ عبدالملک علی بن احمد کے گھر گیا۔ ان دونوں کی ملاقاتیں تو ہوتی ہی رہتی تھیں لیکن اس رات عبدالملک ابنِ عطاش کسی خاص مقصد سے وہاں گیا تھا۔

Scanned by iqbalmt

"معین احمد!" ــــ ابنِ عطاش نے کہا ــــ "میں نے تیرے بیٹے کو دینی اور معاشرتی علوم میں رواں کرنے کا قصد کیا تھا لیکن لڑکے کو ذہن کسی اور طرف لے جا رہا ہے۔ میں تیرے ساتھ یہ بات کرنے آیا ہوں کہ تیرا بیٹا اپنے فرقے کے لئے مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ اگر تو اجازت دے دے تو میں اسے اسی راستے پر ڈال دوں اور اُن علوم اور عملیات کا اسے ماہر بنا دوں جو اس کے لئے ضروری ہیں"۔

تاریخ بتاتی ہے کہ حسن بن صباح کا باپ جیسا خود تھا ویسا ہی اپنے بیٹے کو بنانا چاہتا تھا۔ عبدالملک ابن عطاش اپنے فرقے کا صرف مذہبی پیشوا ہی نہ تھا بلکہ وہ اپنے عقیدے کی تبلیغ اور فرقے کی سربلندی کے لئے زمین دوز کارروائیوں میں بھی لگا رہتا تھا۔ اُس کا اپنا ایک بیٹا احمد جوان ہو رہا تھا۔ اس بیٹے کا نام احمد بن عبدالملک ہونا چاہئے تھا لیکن اس نے اپنے آپ کو احمد بن عطاش کہلانا زیادہ پسند کیا۔ عبدالملک نے اسے اپنے فرقے کی تبلیغ اور دیگر کارروائیوں کے لئے بھیج دیا تھا۔ اُس نے حسن بن صباح کو جو تربیت دینی شروع کی تو اس کے پیشِ نظر اپنا یہی مشن تھا۔ اس نے اس کمسن لڑکے میں بڑے کام کے جوہر دیکھ لئے تھے۔

عبدالملک نے حسن کو علمِ نجوم اور سحر کے سبق دینے شروع کر دیئے تھے۔ اس نے دیکھا کہ یہ لڑکا بڑی تیزی اور پورے انہماک سے یہ علوم سیکھ رہا تھا۔ یہ اس کی اضافی تعلیم تھی۔ اصل تعلیم تو دینی اور معاشرتی علوم کی تھی۔

داستان گو پہلے سنا چکا ہے کہ اس شہر رے کے حاکم ابو مسلم رازی کو پتہ چل گیا کہ علی بن احمد کا بیٹا عبدالملک ابنِ عطاش کی شاگردی میں بیٹھا ہے۔ رازی جانتا تھا کہ عبدالملک اسماعیلی ہے۔ علی بن احمد نے رازی کو حلفیہ طور پر یقین دلا رکھا تھا وہ اہلِ سنت ہے۔ ایک روز ابو مسلم رازی نے اس سے پوچھا کہ وہ اہلِ سنت ہے تو اس نے اپنے بیٹے کو اسماعیلی اتالیق کی شاگردی میں کیوں بٹھایا ہے؟

علی بن احمد نے جواب دیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو نیشاپور امام موافق کی شاگردی میں بٹھانا چاہتا تھا لیکن اس کے پاس اتنے پیسے نہیں۔ ابو مسلم رازی نے اسے سرکاری خزانے سے اتنی رقم دلا دی کہ اس نے اپنے بیٹے کو نیشاپور امام موافق کے پاس بھیج دیا۔

حسن بن صباح فارغ التحصیل ہو کر رے اپنے گھر چلا گیا۔

پھر وہ بیس اکیس برس بعد اپنے ہم جماعت اور دوست خواجہ حسن طوسی کے پاس مَرو گیا تھا۔ اُس وقت خواجہ طوسی سلجوقی سلطنت کا وزیرِاعظم بن کر سلجوقی سلطان سے نظام الملک کا خطاب بھی حاصل کر چکا تھا۔ حسن نے نظام الملک سے کہا تھا کہ اس نے اپنی عمر کا یہ اتنا لمبا اور اتنا قیمتی عرصہ روزگار کی تلاش میں دربدر ٹھوکریں کھاتے گزارا ہے اور اب اسے پتہ چلا ہے کہ خواجہ طوسی وزیرِاعظم ہے۔

حسن بن صباح نے جھوٹ بولا تھا۔ یہی وہ عرصہ تھا جس عرصے میں وہ ایک طاقت اور ایک انتہائی خطرناک انسان بن گیا تھا۔ وہ آگ میں سے گزر کر کندن بن گیا تھا۔ اُس نے ہزارہا پیروکار ہی نہیں بنا لئے تھے بلکہ ان پر اپنی عقیدت کا پاگل پن طاری کر دیا تھا اور اُس کے یہ جنونی پیروکار کسی ایک شہر یا قصبے میں نہیں بلکہ بڑے وسیع علاقوں میں جنگلوں میں پھیل گئے تھے۔

اُس نے یہ مقبولیت اور یہ طاقت کس طرح حاصل کی تھی؟

○

نیشاپور سے رے پہنچتے ہی وہ اپنے پہلے اتالیق کے ہاں گیا۔ اتالیق عبدالملک ابنِ عطاش اُسے ایسے تپاک سے ملا کہ اُسے گلے سے لگایا اور کچھ دیر گلے سے ہی لگائے رکھا۔

"مجھے پوری امید تھی کہ تم ایسے ہی خوبصورت جوان نکلو گے" ــــ ابنِ عطاش نے اسے اپنے سامنے بٹھا کر کہا اور اس کے بازوؤں پھر کندھوں کو ہاتھوں سے دباتے ہوئے بولا ــــ "پٹھوں میں جوانی کی طاقت آ گئی ہے" ــــ پھر اُس کے سر کے دائیں اور بائیں ہاتھ رکھ کر کہنے لگا ــــ "میں کیسے جان سکتا ہوں کہ تیرے دماغ میں بھی کچھ گیا ہے یا نہیں"۔

"محترم اتالیق!" ــــ حسن نے کہا ــــ "دماغ میں تو بہت کچھ بھر لایا ہوں۔ یہ علم ہے.... یوں کہہ لیں کہ علم کے الفاظ ہیں جو دماغ میں ٹھونس لایا ہوں لیکن ایک تشنگی ہے جو بےقراری بن کر دماغ کو ایک سوچ پر قائم نہیں رہنے دیتی"۔

"کیا تو علم کی تشنگی محسوس کرتا ہے؟"

"عمل کی!" ــــ حسن نے کہا ــــ "میں کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ پیٹ بھرنے کے لئے نہیں.... میں کیا چاہتا ہوں؟.... میں اپنے آپ کو اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا.... آپ کی شاگردی میں بیٹھا تو آپ نے بتایا کہ مذہب کیا اور فرائض کیا ہیں، پھر آپ نے مجھے ستاروں سے

روشناس کرلیا اور مجھ پر سحر کے بھید کھولے" — وہ بولتے بولتے چپ ہو گیا اور اس حسن ...
بائیں دیکھنے لگا جیسے بے چینی اور اضطراب پر اس کا قابو نہ رہا ہو۔ کچھ دیر بعد بولا — "آپ
بتائیں محترم اتالیق! میں کیا چاہتا ہوں؟ — میری منزل کیا ہے؟ کہاں ہے میری منزل؟"

"تیری منزل تیرے اپنے دماغ میں ہے" — ابنِ عطاش نے کہا — "دماغ کو کھنگال"

"یہ کلام آپ کریں" — حسن نے کہا — "ہاں... وہ تین بار خیال آیا ہے جیسے میں
فرعون بننا چاہتا ہوں"۔

عبدالملک ابنِ عطاش نے زوردار قہقہہ لگایا۔ حسن حیرت سے اس کے منہ کو دیکھنے لگا۔

"تو نے اپنی منزل کا سراغ پا لیا ہے" — ابنِ عطاش نے کہا — "اب تیری بےقراری کو
ختم کرنا میرا کام ہے۔ کچھ وقت لگے گا حسن! محنت، مشق اور ریاض کی ضرورت ہے۔ وہ میں
کرلوں گا۔ تیرے اندر ایک ایسی طاقت ہے جو ہر کسی میں نہیں ہوتی۔ یہی طاقت ہے جو تجھے
بےقرار اور بےچین رکھتی ہے۔ تو اس کا تابع ہے لیکن تو اس سے ناآشنا ہے۔ اگر تو نے اسے نہ
ابھارا تو ایک دن تو اپنے ہاتھوں اپنا گلا گھونٹ لے گا یا تو اپنے ماں باپ کو قتل کر دے گا اور تیری
گردن جلاد کے ہاتھوں کٹے گی"۔

"ہاں اتالیق!" — حسن بن صباح نے کہا — "آپ کے اس انکشاف نے میرے دل میں
شمع روشن کر دی ہے۔ میں کچھ ایسا ہی محسوس کیا کرتا ہوں کہ میں قتل کروں گا یا قتل ہو جاؤں گا۔
کیا آپ میری راہنمائی کر سکتے ہیں؟"

"صرف میں ہوں" — ابنِ عطاش نے کہا — "میرے سوا اور کوئی نہیں جو تیری
راہنمائی کر سکے۔ لیکن حسن! تجھے اپنے باپ سے اجازت لینی پڑے گی"۔

"مجھے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں میرے بزرگ اتالیق!" — حسن نے دو ٹوک لہجے
میں کہا — "میں یہ جانتا ہوں کہ میں وہ سیلابی دریا ہوں کہ میرے سامنے جو رکاوٹ آئی وہ تنکوں
کی طرح بہہ جائے گی۔ یہ بھی سوچئے کہ میرا باپ کہاں کا زاہد اور پارسا ہے۔ اس نے عیاری
اور مکاری میں شہرت پائی ہے۔ میری فطرت اسی کے سانچے میں ڈھلی ہے۔ مجھے بھروسہ ہے تو
صرف آپ کی ذات پر ہے"۔

○

مؤرخ لکھتے ہیں کہ عبدالملک ابنِ عطاش کو حسن بن صباح کے مستقبل کے ساتھ کوئی ایسی دلچسپی نہیں تھی کہ اپنی توجہ اور کاوشیں اسی پر مرکوز کر لیتا۔ اُس کی دلچسپی اپنے فرقے کی تبلیغ اور فروغ کے ساتھ تھی۔ اسلام نے اوّلیں مسلمانوں کے حسنِ اخلاق سے مقبولیت حاصل کی تھی۔ وہ دَور دُور پیچھے رہ گیا تھا۔ پانچویں صدی گذر رہی تھی۔

فرقہ بندی نے اسلام کی بنیادیں ہلا ڈالی تھیں۔

اسلام اگر کھانے پینے والی کوئی چیز تھا تو اس میں زہریلی ملاوٹیں گھول دی گئی تھیں۔

اسلام اگر پیرہن تھا تو اس کا گریبان بھی اس کا دامن بھی تار تار ہوا جا رہا تھا۔ اس کی صرف آستینیں محفوظ تھیں اور ان آستینوں میں سانپ پرورش پا رہے تھے۔

عبدالملک ابنِ عطاش انہی سانپوں میں سے تھا۔ حسن بن صباح کے باپ کی بات تو داستان گو سنا چکا ہے کہ حاکمِ شہر ابو مسلم رازی کی دوستی قائم رکھنے کی خاطر قسمیں کھا کر کہتا تھا کہ وہ اہلِ سنت و جماعت ہے لیکن وہ اسماعیلی تھا' بلکہ وہ اسماعیلی فرقے کے لئے بھی سراپا توہین تھا۔ اس کا اگر کوئی مذہب تھا تو وہ فریب کاری تھی۔ اُس کا عقیدہ اگر تھا تو وہ عیاری تھی۔

تاریخ ایک دلچسپ بات بتاتی ہے۔ حسن بن صباح علی بن احمد کا بیٹا تھا اس لئے اس کا نام حسن بن علی ہونا چاہئے تھا لیکن حسن نے حسن بن صباح کہلانا زیادہ پسند کیا۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ اُس کے پردادے کا نام صباح تھا۔ اُس کے کردار کے متعلق جو روایات سینہ بہ سینہ حسن تک پہنچی تھیں' وہ عیاری اور فریب کاری کی وارداتیں تھیں۔ اُس وقت کی سوسائٹی میں اُس کا کوئی مقام اور کوئی رُتبہ نہیں تھا لیکن بادشاہ اور بڑے بڑے حاکموں تک اُس کی رسائی تھی اور لوگ اُس کی فطرت سے آگاہ ہوتے ہوئے اُسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

حسن بن صباح کو اپنے پردادا کی یہ فطرت اور اُس کی یہ شہرت اتنی اچھی لگی کہ اس نے اپنا نام حسن بن علی کی بجائے حسن بن صباح رکھ لیا۔ تاریخوں میں اس کا نام حسن بن صباح حمیری لکھا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حسن بن صباح کس فطرت کا انسان تھا۔

اُس نے ایک بار پھر عبدالملک ابنِ عطاش کی شاگردی کر لی لیکن اب یہ شاگردی در پردہ تھی کیونکہ ابنِ عطاش اسے بڑے ہی پُراسرار راستے پر ڈال رہا تھا۔ ابنِ عطاش اسے کہا کرتا تھا کہ اس کا کام شہروں اور قصبوں میں نہیں ہو گا بلکہ اس کی زیادہ تر زندگی جنگلوں' بیابانوں اور غاروں

Scanned by iqbalmt

میں گزرے گی۔

اگر حسن بن صباح کے ماں باپ دیکھ لیتے کہ عبدالملک ابنِ عطاش ان کے نوجوان بیٹے کو کس قسم کی تربیت دے رہا ہے تو وہ اسے اس استاد کی شاگردی سے فوراً اٹھا لیتے۔ ابنِ عطاش اُسے کئی کئی گھنٹے مسلسل ایک ٹانگ پر کھڑا رکھتا تھا۔ وہ گرنے لگتا تو اُسے ایک دو کوڑے لگا دیتا تھا۔

دو دو تین تین دن اُسے بھوکا رکھتا اور اس کے بعد اسے کھانے کو جَو کے کچھ دانے دیتا تھا۔

اپنے آپ کو پوری طرح قابو میں رکھنے کے لئے ابنِ عطاش نے اُسے اس امتحان میں بھی ڈالا کہ ایک کمرے میں ایک انتہائی خوبصورت اور نوخیز لڑکی کو برہنہ کر کے اس کے سامنے بٹھا دیا۔ اُس کے سامنے دیوار پر ایک چھوٹا سا سیاہ دائرہ بنا کر کہا کہ وہ اپنی نظریں اس دائرے پر مرکوز رکھے اور ایک لمحے کے لئے بھی لڑکی کی طرف نہ دیکھے۔

علمِ سحر کے عامل لکھتے ہیں کہ تربیت کے اس مرحلے سے کامیاب نکلنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے، خصوصاً نوجوانی کی عمر میں یہ مرحلہ اور زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ حسن بن صباح جیسے کردار کا نوجوان اس مرحلے کو برداشت ہی نہیں کر سکتا۔ استاد اس مشق کو اس طرح اور زیادہ مشکل بنا دیا کرتا تھا کہ حسن دیوار کے دائرے پر نظریں مرکوز رکھتا تو لڑکی کبھی اُس کا ایک ہاتھ پکڑ لیتی، کبھی اُس کے قریب ہو جاتی اور کبھی اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگتی۔ کمرہ بند ہوتا تھا اور کمرے میں ایک حسن ہوتا اور یہ حسین لڑکی۔

اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کی یہ مشق حسن سے بارہا کروائی گئی اور حسن سُوئی کے اس ناکے میں سے بھی گزر گیا۔ حسن کو معلوم نہیں تھا کہ اس کمرے کے دروازے کے ایک کواڑ میں چھوٹا سا ایک سوراخ تھا جس میں سے اُس کا استاد اسے دیکھتا رہتا تھا۔

"تُو ساری دنیا کو فتح کرنے کی طاقت اور صلاحیت رکھتا ہے" ـــــ ایک روز عبدالملک ابنِ عطاش نے اُسے خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا ـــــ "عورت میں اتنی طاقت ہے کہ وہ جابر بادشاہ کو تخت سے اٹھا کر اپنے قدموں میں بٹھا سکتی ہے۔ معلوم نہیں امام موافق نے تجھے ایسی کوئی کہانی سنائی ہے یا نہیں۔ جولیس سیزر روم کا بڑا ہی زبردست، طاقتور اور جنگجو بادشاہ تھا۔ اُس زمانے میں روم ہی ایک جنگی طاقت تھی جس کے خوف سے دنیا لرزتی تھی۔ جولیس سیزر نے

مصر پر فوج کشی کی۔ اُس وقت قلوپطرہ مصر کی ملکہ تھی۔ اُسے اطلاع ملی کہ روم کی فوج شہر کے باہر پہنچ گئی ہے۔ قلوپطرہ نے جولیس سیزر کی طرف اپنا ایلچی اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ وہ اُس سے ملنا چاہتی ہے۔

"جولیس سیزر نے سن رکھا تھا کہ قلوپطرہ کے ہاتھ میں کوئی ایسا جادو ہے جو ہر حملہ آور بادشاہ کو اس کا غلام بنا دیتا ہے۔ جولیس سیزر کو یہ بھی بتایا گیا تھا کہ قلوپطرہ کے ہاتھ میں کوئی جادو ہے یا نہیں، وہ اپنی پُرشباب نسوانیت کا ایسا جادو چلاتی ہے کہ حملہ آور بادشاہ کتنا ہی پتھر دل کیوں نہ ہو، اس کے آگے موم ہو جاتا ہے۔ ان حکایات و روایات کے پیشِ نظر جولیس سیزر نے قلوپطرہ سے ملنے سے انکار کر دیا۔ اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ ملکۂ مصر کو اُس وقت دیکھے گا جب رومی فوج شہر میں داخل ہو کر مصری فوج سے ہتھیار ڈلوا چکی ہوگی۔۔۔

"جولیس سیزر نے شہر کو محاصرے میں لینے کا حکم دے دیا۔ وہ بادشاہ تھا۔ اُس کا خیمہ ایک سفری محل تھا۔ محاصرہ مکمل ہونے کے ایک دو روز بعد ایک ادھیڑ عمر آدمی جو مصری تھا اپنے کندھے پر ایک قالین اٹھائے جولیس سیزر کے خیمے کے سامنے آن رکا۔ قالین گولائی میں رول کیا ہُوا تھا جو اس مصری نے کندھے پر اٹھا رکھا تھا۔ اُس نے جولیس سیزر کے محافظوں سے کہا وہ قالین باف ہے اور یہ قالین جو بہت ہی قیمتی اور بہت ہی خوبصورت ہے، بادشاہ کو دکھانا چاہتا ہے۔ ہو سکتا ہے بادشاہ کو قالین پسند آ جائے اور وہ اسے خرید لے، اس سے غریب آدمی کا بھلا ہو جائے گا۔۔۔

"رومی محافظ اُسے دھکے دے کر پیچھے ہٹانے لگے کہ وہ بادشاہ کے آرام میں مخل نہ ہو۔ مصری قالین باف نے بڑی اونچی آواز میں بولنا شروع کر دیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ میں یہ قالین تمہارے بادشاہ کو دے کر ہی جاؤں گا۔ یہ شور شرابہ خیمے میں جولیس سیزر کے کانوں میں پڑا تو اُس نے وہیں سے حکم دیا کہ یہ جو کوئی بھی ہے، اسے اندر بھیج دو۔ محافظوں نے اُسے خیمے میں بھیج دیا۔۔۔

"خیمے میں جا کر مصری نے جولیس سیزر سے کہا کہ وہ ایک بار قالین دیکھ لے، یہ قالین روم کے بادشاہ کے لئے ہی موزوں ہے۔ جولیس سیزر نے کہا کہ قالین کھول کر دکھاؤ۔ اُس آدمی نے کندھے سے قالین زمین پر رکھا۔ یہ چوڑائی میں رول کیا ہُوا تھا۔ جب اسے کھولا تو اس میں سے

Scanned by iqbalmt

قلوپطرہ نکلی۔ جولیس سیزر کا چہرہ عتابِ شاہی سے سرخ ہو گیا لیکن قلوپطرہ نے جب اپنی پُرکشش نسوانیت کا جادو چلایا تو کچھ ہی دیر بعد روم کا اتنا زبردست اور طاقتور بادشاہ جیسے بھول ہی گیا ہو کہ وہ بحیرۂ روم کی لہروں کو چیرتا مصر میں کیوں آیا تھا...

"پھر جانتے ہو حسن کیا ہُوا؟... جولیس سیزر جو حملہ آور تھا' ایک شاہی مہمان کی حیثیت سے قلوپطرہ کے ساتھ شہر میں داخل ہُوا۔ بہت دنوں بعد جولیس سیزر اپنی فوج کو ساتھ لے کر واپس چلا گیا۔ اُس کے جرنیلوں نے روم میں اپنے ساتھی جرنیلوں کو بتایا کہ مصر میں ان کے بادشاہ نے کیا کیا تھا۔ ایک روز جولیس سیزر محل میں بیٹھا تھا کہ اُسے اطلاع دی گئی کہ فلاں جگہ فوراً" پہنچے۔ وہ اٹھ کر چل دیا۔ محل کے قریب ہی ایک اور عمارت تھی جس میں اُسے جانا تھا۔ وہ جونہی اس عمارت میں داخل ہُوا' دس بارہ آدمیوں نے اسے گھیر لیا اور خنجروں سے اسے بڑی ہی بیدردی سے قتل کر دیا"۔

"ہاں محترم اتالیق!" ــــ حسن بن صباح نے کہا ــــ "میں آپ کی بات سمجھ گیا ہوں۔ اس سبق کو نہیں بھولوں گا"۔

"لیکن حسن!" ــــ ابنِ عطاش نے کہا ــــ "اس کا یہ مطلب نہیں کہ تجھے عورت سے دُور رہنا پڑے گا' عورت انتہائی حسین اور نوجوان لڑکیوں کی صورت میں تیرے ساتھ رہے گی۔ یہ تیرا ایک ہتھیار ہو گا لیکن ابھی نہیں۔ ابھی تو میں نے تجھے کہیں اور بھیجنا ہے۔ اگر تُو اس مرحلے سے بھی زندہ و سلامت نکل آیا تو پھر تجھ میں ایسی طاقت آجائے گی کہ آسمان کی طرف دیکھ کر تُو جس ستارے کی طرف اشارہ کرے گا وہ تیری جھولی میں آگرے گا"۔

○

ابنِ عطاش نے حسن بن صباح کو تربیت کے اگلے مرحلے میں ڈال دیا جس میں اُسے قبروں میں مدفون انسانوں کی مختلف ہڈیوں کا استعمال سکھایا جاتا تھا۔ ابنِ عطاش نے اسے پہلی بار آدھی رات کے وقت کہا کہ وہ قبرستان میں جائے اور کوئی ایسی قبر تلاش کرے جو بہت ہی پرانی ہو۔

"پرانی قبر کی نشانی کیا ہو گی؟" ــــ حسن بن صباح نے پوچھا۔

"کوئی ایسی قبر دیکھ جو نیچے کو دھنس گئی ہو" ــــ ابنِ عطاش نے کہا ــــ "تجھے کچھ قبریں ایسی بھی نظر آجائیں گی جو پوری طرح نیچے کو دھنسی ہوئی ہوں گی اور ان میں مُردوں کی ہڈیاں نظر

آتی ہوں گی۔ ایسی کسی قبر میں سے ایک کھوپڑی اور کندھے سے کہنی تک دائیں اور بائیں بازو کی دو ہڈیاں بھی لانی ہیں"۔

حسن بن صباح قبرستان میں چلا گیا۔ وہ جنگ و جدل کا زمانہ تھا۔ لڑائیاں ہوتی ہی رہتی تھیں اس لئے قبرستان بہت ہی وسیع و عریض تھے۔ آدھی رات کے وقت چاند پورا تھا۔ حسن بن صباح قبرستان میں دھنسی ہوئی قبر تلاش کرنے لگا۔ استاد نے اسے تلوار ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی تھی۔

قبرستان کو شہرِ خموشاں کہا جاتا ہے لیکن وہاں عالم یہ تھا کہ زندہ انسانوں کا شہر خاموش تھا اور مرے ہوئے انسانوں کی اس بستی میں کئی ایک آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ علاقہ سرسبز تھا۔ پیڑ پودے بہت زیادہ تھے۔ دو تین اُلو باری باری بولتے تھے۔ جھینگروں اور مینڈکوں کی آوازیں بھی مسلسل آرہی تھیں۔ اُسے بھاگتے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ اُس نے ڈر کے اُدھر دیکھا۔ ایک بِلّی بہت تیز بھاگتی آرہی تھی۔ دو بھیڑیئے اُس کے تعاقب میں تھے۔ وہ اس کے قریب سے گذر گئے اور آگے جا کر غائب ہو گئے۔

وہ اپنا دل مضبوط کر کے چل پڑا۔ وہ ہر قبر کو دیکھ رہا تھا۔ اُسے دھنسی ہوئی کوئی قبر نظر نہیں آرہی تھی۔ کچھ دور جا کر اُسے ایک گڑھا نظر آیا جو قبر کی طرح لمبوترا تھا۔ یہ قبر ہی ہو سکتی تھی۔ اس کے ہر طرف قبریں تھیں۔ یہ قبر اُس کے مطلب کی تھی۔ قبر کے کنارے پہنچ کر اُس نے نیچے دیکھا تو پہلے اُس نے ایسی آوازیں سنیں جیسے کُتے غرایا کرتے ہیں۔ پھر یکلخت قبر میں سے دو کُتے اچھل کر اوپر آئے۔ تب اُس نے دیکھا کہ یہ بھیڑیئے ہیں۔

اُس نے فوراً" تلوار نکالی اور زور زور سے گھمانے لگا۔ بھیڑیئے سمتیں بدل بدل کر اُس پر جھپٹنے کی کوشش کرتے تھے لیکن اُس کی گھومتی ہوئی تلوار بھیڑیوں کو قریب نہیں آنے دے رہی تھی۔ ایک بار وہ اس دھنسی ہوئی قبر کے کنارے پر اس طرح چلا گیا کہ اُس کی پیٹھ قبر کی طرف تھی۔ بھیڑیوں سے بچنے کے لئے وہ ذرا سا پیچھے ہٹا تو قبر میں جا پڑا۔ اُس کی ایک ٹانگ گھٹنے تک مٹی میں دھنس گئی۔ اُسے مری ہوئی ایک بِلّی نظر آگئی جو قبر میں پڑی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ وہی بِلّی ہے جس کے پیچھے بھیڑیئے دوڑ رہے تھے۔ بِلّی شاید اس قبر میں گر پڑی یا چھُپنے کے لئے اس میں اُتر گئی تھی۔ بھیڑیوں نے اُسے وہیں دبوچ لیا۔ بھیڑیئے اُس وقت بِلّی کو کھا رہے تھے

Scanned by iqbalmt

جب حسن وہاں پہنچا۔

بھیڑیے یہ سمجھے کہ یہ شخص ان سے ان کا شکار چھیننے آیا ہے۔ حسن نے فوراً چیری پھاڑی ہوئی بلی کو ٹانگ سے پکڑا اور اٹھا کر باہر پھینک دیا۔ اگر وہ ایک لمحہ اور بھیڑیوں کا شکار باہر نہ پھینکتا تو وہ اوپر سے اس پر حملہ کر کے اسے چیر پھاڑ دیتے۔ بھیڑیے اپنا شکار اٹھا کر چلے گئے لیکن حسن بن صباح پر ایسا خوف طاری ہو گیا کہ وہ اپنے جسم میں لرزہ محسوس کر رہا تھا۔ اُس نے تو یہ بھی سوچ لیا تھا کہ وہاں سے بھاگ آئے لیکن استاد کے ڈر سے اُس نے بھاگنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

اُس نے کچھ اس قسم کی کہانیاں سن رکھی تھیں کہ بعض لوگ اللہ کو اتنے عزیز ہوتے ہیں کہ وہ مر جائیں اور کوئی ان کی قبروں کی توہین کرے تو اللہ اُس پر اُسی وقت عذاب نازل کرتا ہے۔ اس خیال نے اُس کے خوف میں اضافہ کر دیا لیکن ابنِ عطاش نے اُسے کہا تھا کہ مطلوبہ ہڈیاں ہر حالت میں لانی ہیں اور خوف پر قابو پانا ہے۔ حسن نے اپنی دھنسی ہوئی ٹانگ باہر کھینچی۔ یہ لحد تھی جس میں ہڈیاں ہونی چاہئیں تھیں۔

اُس نے دیکھا کہ وہاں سے ایک سِل نیچے کو گری ہوئی تھی۔ اُس نے ہاتھوں سے مٹی باہر پھینکی پھر سِل اٹھا کر الگ رکھ دی۔ چاندنی میں مُردے کی ہڈیاں صاف نظر آ رہی تھیں۔ یہ مُردے کا اوپر والا حصہ تھا۔ اُس نے کھوپڑی اٹھائی اور دونوں بازوؤں کی ہڈیاں بھی اٹھا لیں۔ عین اُس وقت اُس نے دیکھا کہ چاندنی بجھ گئی ہے اور ایک سایہ اُس کے اوپر سے گزر رہا ہے۔ اُس نے گھبرا کر اوپر دیکھا کالی گھٹا آگے کو بڑھ رہی تھی اور رات تاریک ہوتی چلی جا رہی تھی۔ حسن کھوپڑی اور ہڈیاں اٹھا کر تیزی سے قبر سے نکلا۔ اچانک بجلی بڑی زور سے چمکی۔ دو تین سیکنڈ بعد بجلی کی کڑک سنائی دی جو اتنی خوفناک تھی کہ حسن بن صباح جیسا دلیر نوجوان بھی سُن ہو کے رہ گیا اور اُسے اپنے دل کی دھڑکن صاف سنائی دینے لگی۔

اس علاقے میں بارش کا اچانک آ جانا کوئی عجیب چیز نہیں تھی لیکن حسن کے دل پر یہ خوف سوار ہو گیا کہ یہ کسی برگزیدہ بزرگ کی قبر ہے جس کی توہین پر آسمان اپنی بجلیاں گرانے پر اُتر آیا ہے۔ حسن کو پھر وہی خیال آیا کہ یہ کھوپڑی اور دونوں ہڈیاں لحد میں واپس رکھ دے لیکن اُسے اپنے استاد کی یہ بات بھی یاد آ گئی کہ اگر تو ڈر گیا یا ویسے ہی ناکام لوٹا تو پھر یہ علم سیکھنے کے لئے نہ جانے کتنے سال درکار ہوں گے۔ اُس نے بڑی مشکل سے اپنا حوصلہ مضبوط کیا اور وہاں سے چل پڑا۔

اچانک مُوسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ بارش کے قطرے کنکریوں کی طرح جسم کو لگتے تھے۔ وہ دوڑ پڑا۔ ایک جگہ اُس نے سامنے دیکھا تو اُسے تین چار قدم دور ایک آدمی کھڑا نظر آیا جس کے خدوخال صاف نظر نہیں آتے تھے۔ وہ دھندلا سا سایہ تھا جو سیدھا کھڑا تھا۔ اُس کا قد اتنا لمبا تھا کہ عام انسان سے زیادہ تھا۔ اُس نے دونوں بازو کندھوں کی سیدھ میں دائیں بائیں پھیلا رکھے تھے جیسے حسن کو آگے بڑھنے سے روک رہا ہو۔ اُس کا سر گول نہیں بلکہ لمبوترا تھا۔ وہ بالکل خاموش تھا۔

حسن رک گیا۔ دل پر خوف کی گرفت ایسی جیسے ایک مضبوط ہاتھ اُس کے دل سے خون کا آخری قطرہ بھی نچوڑنے کے لئے شکنجے کی طرح دبا تا جا رہا ہو۔ اُس نے فیصلہ کر لیا کہ کھوپڑی اس خوفناک آدمی کے قدموں میں رکھ دے گا۔ بجلی بار بار چمکتی اور کڑکتی تھی۔ اس چمک سے حسن کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔ بارش بڑی ہی تیز تھی۔ یوں پتہ چلتا تھا جیسے یہ غیر معمولی طور پر لمبا تڑنگا انسان اوپر نیچے اور دائیں بائیں حرکت کر رہا ہو، پھر ایک بار اُسے یوں لگا جیسے یہ آدمی آگے بڑھ رہا ہو۔

اچانک حسن کی مردانگی بیدار ہو گئی۔ یہ شاید موت سے بچنے کی آخری کوشش تھی۔ اُس نے تلوار نکالی اور بڑی ہی تیزی سے آگے بڑھ کر تلوار اس آدمی کے پیٹ میں گھونپی۔ اُسے امید تھی کہ جس طاقت سے اُس نے یہ وار کیا ہے، تلوار اس پُراسرار آدمی کے پیٹ میں سے گذر کر پیٹھ کی طرف سے نکل جائے گی لیکن تلوار کی نوک بھی پیٹ میں نہ گئی۔ حسن نے بجلی کی سی تیزی سے تلوار پیچھے کھینچی اور اس طرح تلوار پہلو کی طرف چلائی جس طرح تلوار کا وار کیا جاتا ہے لیکن اُس کے اپنے ہاتھ کو بڑی زور سے جھٹکا لگا اور تلوار پیچھے کو آ گئی۔ اس آدمی کے بازو پھیلے رہے۔ حسن اس سے ایک دو قدم ہی دور تھا۔ اب جو بجلی چمکی تو حسن نے آگے بڑھ کر اس کو ہاتھ لگایا تب اُسے پتہ چلا کہ یہ ایک ٹُنڈ مُنڈ درخت ہے جو خشک ہو چکا ہے اور اس کے ٹوٹے ہوئے دو ٹُن دائیں اور بائیں پھیلے ہوئے ہیں۔

حسن کھوپڑی اور بازوؤں کی ہڈیوں کو مضبوطی سے پکڑے دوڑ پڑا۔ قبرستان سے نکلتے نکلتے وہ دو تین بار پھسل کر گرا اور جب قبرستان سے نکل آیا تو ذرا آرام سے چلنے لگا۔ عبدالملک ابنِ

Scanned by iqbalmt

عطاش نے اُسے کہا تھا کہ وہ گھر میں اُس کا منتظر ہو گا خواہ ساری رات گذر جائے۔

حسن اُس کے گھر پہنچا تو وہ جاگ رہا تھا۔ حسن کے کپڑوں سے پانی بہہ رہا تھا۔ گھٹنوں تک کیچڑ تھا۔ کچھ تو وہ بارش کی وجہ سے کانپ رہا تھا اور کچھ خوف سے۔ اُس نے کھوپڑی اور ہڈیاں ابنِ عطاش کے آگے رکھ دیں۔ ابنِ عطاش نے اُسے شاباش دی پھر اُس کے کپڑے تبدیل کرائے اور پوچھا کہ وہ ڈرا تو نہیں؟

"میں بتا نہیں سکتا کہ میں کتنا زیادہ ڈر گیا تھا" ___ حسن بن صباح نے جواب دیا۔ چند لمحے سوچ کر کہنے لگا ___ "محترم اتالیق! کیا یہ بھی میری تربیت کے لئے ضروری ہے؟"

"اتنا ہی ضروری جتنا جسم کے لئے پانی اور ہوا کی ضرورت ہے" ___ ابنِ عطاش نے کہا ___ "اب بتا یہ ہڈیاں قبر سے تو کیسے نکال لایا؟"

حسن نے تفصیل سے سنایا کہ اُس پر کیا گذری ہے۔

"محترم اتالیق!" ___ حسن نے کہا ___ "میں نے آج رات سچ مان لیا ہے کہ کسی برگزیدہ شخصیت کی قبر اور اس کی ہڈیوں کے ساتھ یہ سلوک کرو جو میں نے کیا ہے تو اُسی وقت عذاب نازل ہوتا ہے" ___ اُس نے ڈری ہوئی سی آواز میں پوچھا ___ "کیا مجھ پر مزید عتاب نازل ہو گا؟"

○

"نہیں!" ___ ابنِ عطاش نے جواب دیا ___ "جو ہونا تھا ہو چکا ہے۔ راز کی ایک بات ہے۔ اسے دل اور دماغ میں محفوظ کر لے۔ تو مُردے کی قبر میں اترا تجھ پر بھیڑیئے ٹوٹ پڑے۔ ہڈیوں کو ہاتھ لگایا تو بجلیاں کڑکنے لگیں۔ کیا اس سے تو یہ نہیں سمجھا کہ مرے ہوئے انسان میں بھی طاقت ہوتی ہے؟ کیا تو نے کبھی روح یا بدروح نہیں سنی؟ میں نے تجھے کس علم میں ڈال دیا ہے' یہ علم تجھے روحوں اور بدروحوں سے ملاقات کرائے گا اور یہ علم تجھے یہ بھی سکھائے گا کہ مرے ہوئے انسانوں میں جو طاقت ہوتی ہے وہ تیرے قابو میں آجائے اور اسے تو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرے لیکن ابھی نہیں۔ یہ طاقت تجھے کہیں سے حاصل ہو گی اور اپنی ہڈیاں تڑوا کر تو یہ طاقت حاصل کرے گا۔ جہنم کی آگ میں سے گذر کر تو جنت میں داخل ہو گا"۔

عبدالملک ابنِ عطاش نے اسے کھوپڑی اور ہڈیوں کے متعلق ایک سبق دیا اور اسے گھر بھیج دیا۔

○

اگلے دن حسن بن صباح شہر کے قریب سے گذرنے والی ندی کے کنارے ٹہل رہا تھا۔ اُس کے دماغ میں اپنے استاد کے سبق گھوم رہے تھے۔ گذشتہ رات کی طوفانی بارش سے ندی کی کیفیت تھی اور ہر طرف کیچڑ تھا۔ حسن نے تنہائی میں' شہر کے ہنگامے سے دور کسی جگہ بیٹھ کر نجوم اور سحر کے سبق دہرانے تھے۔ کیچڑ میں وہ بیٹھنے کے لئے کوئی خشک جگہ ڈھونڈ رہا تھا۔

کچھ دُور جا کر اُسے اتنا بڑا پتھر پڑا نظر آگیا جس پر وہ آسانی سے بیٹھ سکتا تھا۔ وہ اُفق سے ابھرتے ہوئے سورج کی طرف منہ کر کے بیٹھ گیا' آنکھیں بند کر لیں اور لمبے لمبے سانس لینے لگا۔

زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ اُس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔ اس کے سامنے سورج ہونا چاہئے تھا لیکن سورج نہیں تھا۔ اس کی بجائے ایک رنگ دار کپڑا تھا جو اُس کے اور سورج کے درمیان آگیا۔ حسن سُن سا ہو گیا۔ اُس نے ڈرتے ڈرتے اور بہت ہی آہستہ آہستہ نظریں اوپر اٹھائیں۔ اُسے ایک بڑا ہی حسین نسوانی چہرہ نظر آیا... یہ ایک نوخیز لڑکی کا چہرہ تھا۔ ہونٹوں پر ادھ کھلی کلی جیسی مسکراہٹ تھی۔ لڑکی اُس سے صرف ایک قدم دور کھڑی تھی۔

حسن ذہن پر زور دے کر یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا کہ یہ چہرہ پہلے بھی کہیں دیکھا ہے' کہاں دیکھا ہے؟

اُسے یہ خیال بھی آیا کہ یہ سحر کا کرشمہ ہو گا۔

"پہچاننے کی کوشش کر رہے ہو؟" ___ لڑکی کی آواز میں ترنم تھا۔

حسن بن صباح نے سر کو ہلایا کہ ہاں' وہ پہچاننے کی کوشش کر رہا ہے۔

"اتنی دیر تمہارے سامنے برہنہ بیٹھی رہی تھی" ___ لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ!" ___ حسن کو یاد آگیا ___ "تم وہ ہو.... ایک بات بتاؤ.... کیا تم حقیقت ہو یا میرے استاد کا تخلیق کیا ہوا تصور ہو جو اُس نے حقیقی روپ میں میرے ذہن میں ڈال دیا ہے؟"

"تو دیکھ لو" ___ لڑکی نے اپنے دونوں ہاتھ حسن کے آگے کر کے کہا ___ "میرے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر محسوس کرو کہ میں تصور ہوں یا جیتی جاگتی ایک لڑکی ہوں؟"

حسن نے اُس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں پر لے کر دبائے' ان کی حرارت محسوس کی' ان کا انداز

Scanned by iqbalmt

محسوس کیا۔

"تم کون ہو؟" ـــ حسن نے جھنجلا کر پوچھا ـــ "کیا ہو تم؟ اگر تم حقیقت میں لڑکی ہی ہو تو کس کی بیٹی ہو؟ ـــ تم آبرو باختہ لڑکی ہو جو برہنہ ایک نوجوان مرد کے سامنے بند کمرے میں بیٹھی رہی ہو"۔

"میری آبرو محفوظ ہے" ـــ لڑکی نے کہا ـــ "اگر میں ایسی ہوتی جیسی تم کہہ رہے ہو تو عبدالملک ابنِ عطاش جیسا درویش مجھ سے منہ نہ لگاتا۔ میں کنواری ہوں حسن! میری طرف بہت سے ہاتھ بڑھے ہیں' مجھ پر دو جاگیرداروں کے بھی ہاتھ لپکے ہیں۔ میں کسی کے ہاتھ نہیں آئی"۔

"تم کس باپ کی بیٹی ہو؟" ـــ حسن نے پوچھا۔

"میرا باپ گڈریا ہے" ـــ اُس نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا ـــ "وہ دیکھو میری بکریاں!"

حسن نے گردن گھما کر بکریاں دیکھ تو لیں لیکن اس کی دلچسپی لڑکی کے ساتھ تھی۔

"تم میرے سامنے برہنہ کس طرح بیٹھ گئی تھیں؟" ـــ حسن بن صباح نے پوچھا۔

"اس برگزیدہ آدمی نے حکم دیا تھا جسے ہم پیرو مرشد مانتے ہیں" ـــ لڑکی نے جواب دیا ـــ "میں ان کے حکم کو ٹال نہیں سکتی تھی۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ یہ آدمی تجھ پر ہاتھ ڈالے تو مجھے آواز دینا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ کواڑ کے چھوٹے سے سوراخ سے دیکھتے رہیں گے"۔

"کیا اب بھی تم میرا امتحان لینے آئی ہو؟" ـــ حسن نے پوچھا۔

"نہیں!" ـــ لڑکی نے جواب دیا ـــ "اب اپنے دل کے کہنے پر آئی ہوں۔ تمہارے لئے آئی ہوں... اور میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ میں تمہارے ساتھ جسموں کا لین دین کرنے نہیں آئی۔ اگر تم قبول کر لو تو اپنے دل میں جگہ دے دو' پھر ہم ساری عمر کا ساتھ نبھائیں گے... تم تو بولتے ہی نہیں۔ کچھ کہو نا!"

لڑکی کا حسن ایسا تھا کہ حسن بن صباح جیسے کردار کا نوجوان کہہ ہی نہیں کہ وہ اسے دل میں جگہ نہیں دے گا لیکن اُس کے دل پر اُس کے استاد عبدالملک ابن عطاش کا قبضہ تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اُس کا دل اپنے اختیار میں نہیں۔ اس کے ساتھ ہی اُسے یہ ڈر تھا کہ یہ بھی امتحان ہے۔ اُس نے اس امتحان میں پورا اترنے کا تہیہ کر لیا۔

وہ پتھر پر بیٹھا تھا۔ لڑکی زمین پر بیٹھ گئی اور ہاتھ اُس کے زانو پر رکھ دیئے پھر اُس نے اپنی ٹھوڑی بھی اُس کے ایک زانو پر رکھ دی۔ لڑکی کے سر پر سیاہ چادر تھی۔ اس میں اُس کا گورا چہرہ اور ایک گال پر لہراتے دو تین بال جو ریشم کے تاروں جیسے تھے' حسن جیسے نوجوان کو اس لڑکی کے قدموں میں بٹھا سکتے تھے۔

"تمہارا نام؟" ـــ حسن نے پوچھا۔

"فرح!" ـــ لڑکی نے جواب دیا ـــ "نام تو فرحت ہے' گھر والے فرح کہتے ہیں' سہیلیاں فرحی کہتی ہیں۔ تم بھی فرحی کہو تو مجھے اچھا لگے گا"۔

"ایک بات بتاؤ" ـــ حسن نے پوچھا ـــ "تمہیں مجھ میں کیا خوبی نظر آئی ہے کہ جاگیرداروں کو ٹھکرا کر تم میرے پاس چلی آئی ہو؟"

"یہ میرے دل کا معاملہ ہے" ـــ لڑکی نے کہا ـــ "جاگیرداروں نے تو میرے باپ کو دولت پیش کی تھی۔ میرا باپ ہے تو گڈریا لیکن عزت اور غیرت والا آدمی ہے۔ ایک بات اور بھی ہے۔ میرے باپ نے امام سے بات کی تھی"۔

"امام کون؟"

"وہ جو تمہارے استاد ہیں" ـــ لڑکی نے جواب دیا ـــ "عبدالملک ابن عطاش... انہوں نے کہا تھا کہ اس لڑکی کو ضائع نہ کرنا اور دولت کی چمک سے اندھے ہو کر اس کا ہاتھ کسی امیر کبیر کے ہاتھ میں نہ دے دینا۔ اس لڑکی کی زندگی کا راستہ کوئی اور ہے... میں امام کے گھر جاتی رہتی ہوں۔ انہوں نے مجھے کہا ہے اپنی عصمت کو پاک رکھنا اور اپنا جسم صرف اپنے خاوند کو پیش کرنا... میں تمہیں اپنا خاوند بنانا چاہتی ہوں"۔

"میں نے پوچھا تھا کہ تم نے مجھ میں کیا خوبی دیکھی ہے؟"

"میں نے کہا تھا کہ یہ میرے دل کا معاملہ ہے" ـــ لڑکی نے جواب دیا ـــ "تم میں وہ مردانگی ہے جو مجھے اچھی لگی ہے۔ میں اتنی دیر تمہارے سامنے برہنہ بیٹھی رہی اور تم نے میری طرف دیکھا تک نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم بڑے مضبوط مرد ہو اور دلوں کی محبت کا مطلب سمجھتے ہو"۔

Scanned by iqbalmt

فرحی معصوم سی لڑکی تھی اور ایک گڈریے کی بیٹی تھی۔ وہ عالم اور فلسفی نہیں تھی کہ تجزیہ کر کے بتا سکتی کہ وہ حسن کی محبت میں کیوں گرفتار ہوئی ہے۔ اُس نے ایسے انداز سے حسن کو اپنی محبت اور وفا کا یقین دلایا کہ حسن نے اُس کی محبت کو قبول کر لیا۔

"فرحی!" — حسن نے کہا — "تم میرے دل پر غالب آگئی ہو لیکن میں اپنے بزرگ استاد سے اجازت لے کر تمہیں جواب دوں گا۔"

"کل یہاں آؤ گے؟" — فرحی نے پوچھا۔

"آجاؤں گا" — حسن نے جواب دیا۔

فرحی چلی گئی۔

○

ابو مُسلم رازی رے کا حاکم تھا۔ رے ایران کا بہت بڑا شہر تھا۔ تجارتی مرکز تھا اور اتنا زیادہ پھیل گیا تھا کہ اس کی وسعت صوبے جیسی ہو گئی تھی۔ اتنے وسیع و عریض شہر کے لئے بڑے ہی دانشمند اور قابل حاکم کی ضرورت تھی۔ ابو مسلم رازی میں یہ تمام صلاحیتیں موجود تھیں۔ بعض تاریخوں میں اسے رے کا سلطان لکھا گیا ہے۔ یہ صحیح نہیں' البتہ یہ صحیح ہے کہ اسے تقریباً "سلطان کے اختیارات حاصل تھے' یعنی وہ سلطان سے اجازت لئے بغیر انتہائی اہم فیصلے کر سکتا تھا۔ کٹر اہلِ سنت والجماعت تھا۔

داستان گو یہ بتانا ضروری سمجھتا ہے کہ حسن بن صباح کی زندگی بڑی ہی پُراسرار تھی۔ جنت بنانے تک اُس کی زیادہ تر سرگرمیاں زمیں دوز رہی ہیں۔ وہ کس طرح ایسی شخصیت بنا کہ اُس کے پیروکاروں کا حلقہ پھیلتا ہی چلا گیا؟ یہ ایسا سوال ہے جس کا جواب قلمبند کرنا آسان نہیں۔ یہ اُس کی پس پردہ جدوجہد تھی جس میں مورخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثلاً "کسی واقعہ میں بعض نے لکھا کہ اُس وقت حسن کی عمر اتنی تھی لیکن بعض نے کچھ اور ہی عمر لکھی۔ بعض شخصیات اور کرداروں کے ناموں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔

ہماری تاریخ کا یہ پہلو بھی قابلِ غور ہے کہ اسلام میں فرقہ بندی جڑ پکڑ چکی ہے۔ تاریخ ہر فرقے کے تاریخ نویسوں نے لکھی جس سے تاریخ کے ساتھ یہ زیادتی ہوئی کہ لکھنے والوں نے اپنے اپنے فرقے کے نظریات' مفادات اور تعصبات کو سامنے رکھا اور واقعات کو مسخ کر ڈالا۔

جب ایک ہی واقعہ مختلف تاریخوں میں مختلف شکلوں میں نظر آتا ہے تو ہمیں تمام تر پس منظر کو غور سے دیکھ کر فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ اصل واقعہ کیا تھا۔ یہ امر کتنا افسوسناک ہے کہ مسلمانوں نے فرقوں میں تقسیم ہو کر اپنی تاریخ کو بھی فرقوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

رات کا پہلا پہر تھا۔ حسن بن صباح اپنے استاد عبدالملک ابنِ عطاش کے ہاں بیٹھا تھا اور اُسے سنا رہا تھا کہ فرحی اُسے ملی تھی اور اُس نے کیا کہا تھا۔

"ایسی ہی ایک لڑکی نے تیری زندگی میں داخل ہونا تھا" — ابن عطاش نے کہا — "لیکن ابھی تیری شادی نہیں ہو گی۔ اُس نے کہہ دیا ہے کہ وہ تجھے چاہتی ہے تو وہ تجھے ہی چاہتی رہے گی۔ کوئی اُس کے آگے دولت کے ڈھیر لگا دے گا تو وہ قبول نہیں کرے گی۔ وہ ہمیشہ تمہاری رہے گی۔"

"لیکن محترم اتالیق!" — حسن نے کہا — "کوئی شاہی جاگیردار اُسے اغوا نہ کرا لے۔"

"نہیں!" — ابنِ عطاش نے کہا — "اُسے کوئی ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ میں نے اس کے گرد حصار کھینچ دیا ہے۔ کوئی شخص کتنا ہی جابر اور کتنا ہی بڑا حاکم کیوں نہ ہو' فرحی کو بُری نیت سے پھانسنے کی کوشش کرے گا تو منہ کی کھائے گا۔"

"میں تو سمجھا تھا کہ آپ نے میرا امتحان لینے کے لئے اُسے میرے پاس بھیجا ہے" — حسن نے کہا۔

"نہیں!" — ابنِ عطاش نے کہا — "یہ کوئی امتحان نہ تھا لیکن یہ بات دماغ میں رکھ لے حسن! خوبصورت عورت مرد کے لئے بہت بڑا امتحان ہوتی ہے۔ میں تجھے یہ سبق دے چکا ہوں۔ فرحی جیسی حسین لڑکی تجھ پر اپنا نشہ طاری کر کے تیری کھال بھی اتار سکتی ہے۔ آگے چل کر میں تجھے بتاؤں گا کہ دوسروں کو پھانسنے کے لئے عورت کو جال میں ڈالنے کے طور پر کس طرح استعمال کیا جاتا ہے۔"

"تو کیا میں فرحی سے مل سکتا ہوں؟"

"ہاں!" — ابنِ عطاش نے جواب دیا — "تو اُسے مل سکتا ہے۔ تو اُس کے ساتھ پیار محبت کی باتیں کر سکتا ہے' اور تیرا امتحان ہو گا کہ تو گناہ سے دامن بچا کر رکھنے کے قابل ہو جائے۔"

Scanned by iqbalmt

"کیا آپ مجھے پارسا بنائیں گے؟"

"نہیں!" ــــ ابنِ عطاش نے کہا ــــ "ابھی ایسے سوال مت پوچھ۔ میں ابھی تجھے اندر اور باہر سے مضبوط کر رہا ہوں.... اب اپنے گھر چلا جا۔ میں تجھے پھر کہتا ہوں کہ کسی کو نہیں بتانا کہ میں تجھے کیسی تعلیم اور کیسی تربیت دے رہا ہوں۔ میں آج تجھے کوئی اور سبق نہیں دوں گا' کچھ لوگ آرہے ہیں"۔

حسن بن صباح اپنے استاد کے گھر سے نکل رہا تھا کہ چار آدمی حویلی میں داخل ہوئے۔

○

عبدالملک ابنِ عطاش انہی آدمیوں کے انتظار میں تھا۔

"کیا یہی وہ لڑکا ہے جسے آپ تیار کر رہے ہیں؟" ــــ ایک آدمی نے پوچھا ــــ "ہم نے اسے باہر نکلتے دیکھا ہے"۔

"ہاں!" ــــ ابنِ عطاش نے جواب دیا ــــ "یہی ہے"۔

"کیا یہ ہمارے محاذ اور مقصد کے لئے تیار ہو جائے گا؟" ــــ اسی آدمی نے پوچھا۔

"مجھے پوری امید ہے" ــــ ابنِ عطاش نے جواب دیا ــــ "میں نے تمہیں پہلے بتایا ہے کہ اس نوجوان میں جس کا نام حسن بن صباح ہے' میں نے ایسے جوہر دیکھے ہیں جو شاذ و نادر ہی کسی آدمی میں پائے جاتے ہیں۔ ایسی صلاحیتوں اور ایسے اوصاف والا انسان اللہ کا برگزیدہ اور لوگوں کا مُرشد بنتا ہے یا مجسم ابلیس بن جاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں وہ لوگوں میں مقبولیت حاصل کرتا ہے۔ مقبولیت بھی ایسی کہ اُس کے مرید اور معتقد اُس کے اشاروں پر ناچتے بلکہ اُس کے اشارے پر جان تک قربان کر دیتے ہیں"۔

"یہ لڑکا کس طرف جاتا نظر آتا ہے؟"

"میں ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا" ــــ ابنِ عطاش نے جواب دیا ــــ "مجھے شک ہے کہ اس میں ابلیسی اوصاف کچھ زیادہ ہیں۔ اگر یہ اس راستے پر چل نکلا تو بھی ہمارے لئے سودمند ہوگا۔ رہے گا میرے قبضے میں ہی۔ میں اس کو روحانی تقویت دے رہا ہوں"۔

"کیا ہمیں تبلیغ کا کام تیز نہیں کر دینا چاہئے؟"

"تبلیغ تو ہو رہی ہے" ــــ ابنِ عطاش نے جواب دیا ــــ "لیکن ہم یہ کام آزادی سے

نہیں کر سکتے کیونکہ حکومت اہلِ سُنّت کی ہے اور آبادی کی اکثریت بھی سُنّی ہے۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں ہماری تبلیغ دیہات میں زیادہ ہونی چاہئے۔ وہاں پکڑے جانے کا خطرہ کم ہے"۔

"ہم نے دیہاتی علاقوں میں اپنے عقیدے کی تبلیغ کے لئے مبلّغ بھیجنے شروع کر دیئے ہیں" ــــ ایک آدمی نے کہا۔

"صرف تبلیغ کافی نہیں" ــــ ابنِ عطاش نے کہا ــــ "حکومت اپنے ہاتھ میں آنی چاہئے۔ حکومت ہاتھ آجائے تو ہم سُنّی مسلک کو آسانی سے ختم کر کے لوگوں کو بتا سکتے ہیں کہ اصل اسلام ہمارے پاس ہے.... لیکن حکومت آسانی سے ہاتھ نہیں آئے گی۔ ہمیں مصر کے عبیدیوں کی مدد حاصل کرنی پڑے گی"۔

"میں ایک شک میں پڑ گیا ہوں" ــــ ایک اور بولا ــــ "مصر کے حکمران تو عبیدی ہی ہیں لیکن سنا ہے وہ باطنی ہیں"۔

"نہیں!" ــــ ابنِ عطاش نے کہا ــــ "وہ پکے اسماعیلی ہیں اور وہ ہماری مدد کو ضرور آئیں گے۔ میں انہیں سلجوقی سلطنت پر حملے کے لئے اکساؤں گا لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ اِدھر ہمارے لوگ تیار ہوں لیکن یہ تیاری پوشیدہ رہے۔ مصری حملہ آور آئیں اور ہمارے لوگ ہتھیار بند ہو کر ان سے جا ملیں۔ اتنی تیاری کے لئے بہت وقت چاہئے"۔

اسی شہر رے کے حاکم ابو مسلم رازی کے پاس دو سپہ سالار بیٹھے تھے۔ دو آدمی اور بھی تھے جو فوجی نہیں لگتے تھے۔ یہ دونوں جاسوسی اور مخبری کے محکمے کے حاکم تھے۔

"....اپنے مخبروں کو اور تیز کرو" ــــ ابو مسلم رازی نے کہا ــــ "میں تمہیں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ یہ شہر سعدؓ بن ابی وقاص نے فتح کیا تھا اور آتش پرست ایرانیوں کو لڑنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ سلطنتِ کسریٰ کے تابوت میں آخری کیل یہیں ٹھونکی گئی تھی۔ ان اوّلین مجاہدین نے یہاں اسلام کا نُور پھیلایا تھا۔ ان کی قبروں کے کہیں نشان نہیں ملتے لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ان کی ہڈیاں یہیں دفن ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں جانیں قربان کی تھیں۔ ان کی روحیں یہیں ہیں۔ ہمیں دیکھ رہی ہیں اور یقیناً بے چین ہوں گی کہ اُمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا ہو گیا ہے کہ فرقوں میں بٹ گئی ہے۔

"میرے رفیقو! میں کوئی نئی بات نہیں کہہ رہا اور یہ بات معمولی سے دماغ کا آدمی بھی سمجھ

Scanned by iqbalmt

سکتا ہے کہ ملّت میں اتحاد تھا تو مجاہدین نے تھوڑی سی تعداد میں دنیا کی اُس وقت کی دو سب سے بڑی جنگی طاقتوں، قیصرِ روم اور کسریٰ فارس، کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا مگر آج وہی ملّت فرقوں میں بٹ کر خانہ جنگی کے خطرے میں آن پڑی ہے۔ اس کا فائدہ اسلام اور سلطنتِ اسلامیہ کے دشمنوں کو پہنچے گا"۔

"ہمیں مصر کی طرف سے چوکنا رہنے چاہئے" ——— جاسوسی نظام کے ایک حاکم نے کہا ——— "وہاں کے حکمران اسماعیلی کہلاتے ہیں لیکن ہماری اطلاع یہ ہے کہ وہ فرقہ باطنیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور اسماعیلیوں کو بدنام کر رہے ہیں۔ خطرہ یہ ہے کہ وہ اسماعیلیوں کو دھوکے میں اپنے ساتھ ملا کر ہم پر حملہ کر سکتے ہیں"۔

"ہاں!" ——— ابو مسلم رازی نے کہا ——— "آپ کے جاسوسوں کی تمام اطلاعات میرے سامنے ہیں۔ مصر میں اپنے جاسوسوں کا موجود رہنا بہت ضروری ہے اور یہاں اس شہر کے ہر گھر اور ہر فرد پر نظر رکھیں۔ اسلام کی وحدت کو پیشِ نظر رکھیں۔ قرآن کے اس فرمان کو اپنی حکومت کا بنیادی اصول بنائیں کہ اُمّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جماعت ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی تھے۔ آپؐ کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ یہ فرقے بعد میں پیدا ہوئے اور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ نبیوں نے نہیں عام قسم کے انسانوں نے بنائے ہیں اور یہ اس اسلام کے منافی ہیں جس کے ہم پیروکار ہیں۔ اصل اسلام وہ ہے جو اللہ کے آخری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ گئے تھے۔ یہاں کسی کے متعلق پتہ چلے کہ وہ فرقہ بندی کو ہوا دے رہا ہے تو مجھے اطلاع دو۔ میں اُسے ساری عمر کے لئے قید خانے میں ڈال دوں گا"۔

○

وقت گزرتا چلا گیا۔ عبدالملک ابنِ عطاش نے حسن بن صباح کی تربیت جاری رکھی۔ حسن بھی بڑا خوبصورت جوان نکلا۔ عیاری اور فریب کارانہ اداکاری میں تو اُس نے مہارت حاصل کر لی۔ فرحی کے ساتھ اُس کی ملاقاتیں جاری رہیں۔ فرحی غیر معمولی طور پر دلیر لڑکی نکلی جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اُسے ابنِ عطاش کی حوصلہ افزائی حاصل تھی۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ وہ اپنے پورے خاندان کے ساتھ ابنِ عطاش کی مرید تھی اور اُس کی ہر بات کو فرحی آسمان سے اُتری ہوئی بات سمجھتی تھی۔ ابنِ عطاش نے اُسے کہہ دیا تھا کہ اُس کی زندگی کا ساتھی حسن

بن صباح ہے۔

حسن بن صباح پر پہلے جو خوف سا طاری رہتا تھا، وہ اب ختم ہو چکا تھا۔ اُسے ابنِ عطاش نے کئی بار آدھی رات کے وقت قبرستان میں بھیجا تھا۔ ہر بار وہ حسن کو مُردے کی کوئی نہ کوئی ہڈی لانے کو کہتا تھا یا قبرستان میں بیٹھ کر کوئی عمل کرنا ہوتا تھا۔

ایک رات حسن قبرستان میں دو پرانی قبروں کے درمیان بیٹھا کوئی عمل کر رہا تھا۔ اُس رات بھی چاند پورا تھا۔ وہ اپنے عمل میں محو تھا کہ اُس کے قریب "سی سی" کی آوازیں اٹھیں۔ اُس نے ذہن کو ایک مقام پر کرنے اور دنیا سے لاتعلق ہو جانے کی اس قدر مہارت حاصل کر لی تھی کہ اُسے جیسے یہ آواز سنائی ہی نہ دی ہو۔ اُس نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔

اس نے اپنے عمل کے مطابق آنکھیں کھولیں تو وہ چونک پڑا۔ اُس سے صرف دو قدم کے فاصلے پر اُس کے سامنے سیاہ کالا ایک ناگ پھن پھیلائے ہوئے "سی سی" کر رہا تھا۔ استاد نے اُسے بتا رکھا تھا کہ قبرستان میں سانپ ہوتے ہیں۔ اگر کبھی سانپ سے آمنا سامنا ہو جائے تو وہ بے حس ہو جائے۔ کوئی حرکت نہ کرے۔ اس سے سانپ کو یہ تاثر ملے گا کہ یہ کوئی بے جان چیز ہے جس سے اُسے کوئی خطرہ نہیں۔ پھر سانپ چلا جائے گا۔

حسن بن صباح نے ناگ کو دیکھا تو پتھر مار کر اُسے بھگانے کی بجائے بیٹھا رہا اور انگلی تک نہ ہلائی۔ ناگ اُسے دیکھتا رہا اور اس کا پھن دائیں بائیں جھولتا رہا۔ حسن نے ننگی تلوار زمین میں گاڑ رکھی تھی۔ اُس نے تلوار کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا۔ اُس کے دل میں خوف آنے لگا لیکن اُس نے ہوش ٹھکانے رکھے۔

ناگ ذرا سا آگے آیا۔ حسن کے لئے اپنے آپ پر قابو پانا محال ہو گیا۔ اُس کے لئے دو ہی صورتیں تھیں۔ ایک یہ کہ اٹھ کر بھاگ جائے، دوسری یہ کہ تیزی سے زمین سے تلوار اکھاڑے اور ناگ کو مارے لیکن ناگ نے اپنا پھن لپیٹا اور پیچھے کو مڑ کر چلا گیا۔ حسن نے اپنا عمل مکمل کیا اور گھر چلا گیا۔

○

اگلی صبح عبدالملک ابن عطاش کے ہاں گیا۔ پہلے اُسے بتایا کہ اُس نے عمل مکمل کر لیا ہے پھر بتایا کہ ایک ناگ اُس کے سامنے آ گیا تھا۔ اُس نے تفصیل سے سنایا کہ ناگ کس طرح آیا

Scanned by iqbalmt

اور کس طرح گیا۔

"سانپ سانپ کو نہیں ڈسا کرتا" ــــ ابنِ عطاش نے کہا۔ "میری بات سمجھ۔۔۔! میں تجھے اسی مقام پر لانا چاہتا تھا۔ تُو اپنی منزل کے آدھے راستے تک پہنچ گیا ہے۔ اب منزل تک تجھے کوئی اور پہنچائے گا۔ میری استادی یہاں پر ختم ہو جاتی ہے"۔

"تو کیا مجھے کوئی اور استاد ڈھونڈنا پڑے گا؟" ــــ حسن نے پوچھا ــــ "یا آپ مجھے کسی کے پاس بھیجیں گے؟"

"اس سوال کا جواب تجھے خواب میں ملے گا" ــــ ابنِ عطاش نے جواب دیا ــــ "گذشتہ رات کا عمل جو تجھ سے کروایا ہے، وہ کوئی معمولی عمل نہیں۔ ناگ کا تمہارے پاس آنا اور تجھے ڈسے بغیر چلے جانا اس عمل کی کامیابی کا ثبوت ہے۔ اگر تُو بھاگ آتا یا ناگ تجھے ڈس لیتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ تُو نے عمل صحیح نہیں کیا یا عمل کسی اور وجہ سے ناکام ہو گیا ہے۔ پانچ سات دنوں کے اندر تُو خواب میں کچھ دیکھے گا۔ وہ ایک راستہ ہو گا جو بہت ہی دشوار گذار ہو سکتا ہے اور بالکل آسان بھی۔۔۔

"میری دعا ہے کہ تجھے راستہ دشوار نظر آئے۔ سکھ دکھوں میں سے گذر کر ہی ملتا ہے۔ دولت آسانی سے ہاتھ آجائے تو انسان کا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ خون پسینہ بہا کر اور محنت مشقت سے اپنی ہڈیاں تڑوا کر پیسہ پیسہ اکٹھا کیا جائے تو انسان اس پیسے کی قدر کرتا ہے۔ اگر گلاب کے پھول کے ساتھ کانٹے نہ ہوں تو اس پھول کی قدر و قیمت ختم ہو جائے۔۔۔

"گذشتہ رات کے عمل نے تیرے دل و دماغ پر ایسا اثر چھوڑ دیا ہے کہ تُو ایک خواب دیکھے گا۔ تُو کہیں جا رہا ہو گا۔ اس راستے کو ذہن میں محفوظ کر لینا۔ جونہی آنکھ کھلے کاغذ قلم لے کر یہ راستہ اور اس کے اشارے کاغذ پر اتار لینا۔ ہو سکتا ہے خواب میں تمہیں دو پہاڑوں کے درمیان ایک وادی نظر آئے۔ ایک غار بھی نظر آئے گا۔ اسے ذہن میں محفوظ کر لینا"۔

"محترم اتالیق!" ــــ حسن نے پوچھا ــــ "کیا یہ خدائی اشارہ ہو گا؟"

عبدالملک ابنِ عطاش نے سر جھکا لیا اور کچھ دیر کچھ بھی نہ بولا۔ معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنے شاگرد کے اس سوال کا جواب نہ دینا چاہتا ہو۔ اُس نے آخر سر اٹھایا اور نظریں اپنے شاگرد کے چہرے پر مرکوز کر دیں۔

"اگر یہ کوئی راز کی بات ہے تو نہ بتائیں محترم اتالیق!" ــــ حسن نے کہا۔

"ہاں حسن!" ــــ ابنِ عطاش نے کہا ــــ "بات راز کی ہی ہے لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ یہ راز بھی تجھے دے دوں۔ تُو اس قابل ہو گیا ہے کہ ہر راز کو اپنے سینے میں محفوظ رکھ سکتا ہے۔۔۔

"میں نے آج تک تجھے جو سبق دیئے ہیں اور جو عمل کروائے ہیں اور گذشتہ رات کا جو عمل تھا، یہ خدائی عمل نہیں۔ یہ ابلیسی علم ہے۔ اس سے تجھے پریشان نہیں ہونا چاہئے۔۔۔ کیا تُو اپنے آپ میں روحانی سکون محسوس نہیں کر رہا؟"

"ہاں محترم اتالیق!" ــــ حسن نے جواب دیا ــــ "میں آپ کو بتانا یہ چاہتا تھا کہ میں اپنے آپ میں ایسا سکون محسوس کرتا ہوں جیسے میں فضا میں اُڑ رہا ہوں، اور اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی محسوس کرتا ہوں کہ میرے وجود میں ایک طاقت آگئی ہے جو چٹانوں کے بھی جگر چاک کر سکتی ہے"۔

"میں تجھے بتاتا ہوں" ــــ ابنِ عطاش نے کہا ــــ "تیرے اندر ایسے اوصاف غالب تھے جو ایسے ہی عملیات سے تجھے سکون اور طاقت دے سکتے تھے۔ یہ سب ابلیسی عملیات ہیں جنہیں اسلام نے گناہ قرار دیا ہے۔ یہ علم فرعونوں کے زمانے میں بھی تھا اور پھر اس علم کو یہودیوں نے اپنا لیا اور اس میں شہرت حاصل کی۔۔۔۔ تُو نے ایک بار کہا تھا کہ تُو فرعون بننا چاہتا ہے۔ میں نے تیرے اندر اتنی طاقت پیدا کر دی ہے کہ تُو اس غار تک پہنچے گا جو تجھے خواب میں نظر آئے گا۔ وہاں تیرا یہ علم مکمل ہو جائے گا۔ اب یہ مت سوچ کہ یہ علم خدائی ہے یا ابلیسی"۔

یہ سحر کا علم تھا جسے آجکل کالا جادو کہا جاتا ہے۔ ابنِ عطاش اس علم میں جتنی دسترس رکھتا تھا وہ اُس نے حسن کے دماغ میں ڈال دیا تھا۔ اس دوران وہ حسن کو علمِ نجوم بھی پڑھاتا رہا تھا۔

تیسرے چوتھے دن حسن بن صباح ایک کاغذ اٹھائے اپنے استاد کے ہاں دوڑا گیا اور کاغذ اُس کے آگے رکھ کر کہا کہ میں نے خواب میں یہ راستہ دیکھا ہے۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ یہ راستہ اگر خواب جیسا ہی ہے تو بہت ہی خوفناک ہے۔ وہاں تک زندہ پہنچنا مشکوک نظر آتا ہے۔

"میں جانتا ہوں" ــــ ابنِ عطاش نے کہا ــــ "اگر تُو نے یہ سفر بخیر و خوبی کر لیا تو سمجھ لے کہ تُو نے ساری دنیا فتح کر لی۔ کل اُس وقت نکل جا جب تجھے فجر کی اذان سنائی دے"۔

Scanned by iqbalmt

اگلے روز جب سورج افق سے ابھرا تو شہر سے کوسوں دور دو گھوڑے جا رہے تھے۔ ایک پر حسن بن صباح سوار تھا اور دوسرے گھوڑے پر فرحی سوار تھی۔ گزشتہ روز جب وہ فرحی سے ملا تو اُس نے فرحی کو بتایا کہ وہ کس سفر پر روانہ ہو رہا ہے۔ فرحی نے کہا کہ وہ بھی ساتھ جائے گی۔ حسن نے اُسے روکنے کے لئے بہت کچھ کہا لیکن فرحی نہ مانی۔ وہ تو اُس کے پیچھے پاگل ہوئی جا رہی تھی۔

"میری زندگی تمہارے ساتھ ہے حسن!" ـــ فرحی نے کہا تھا ـــ "میں پیچھے رہ گئی تو کسی جاگیردار یا کسی امیر وزیر کے ہاتھ چڑھ جاؤں گی۔ امام عبدالملک کب تک میری حفاظت کریں گے۔ تم جس سفر پر جا رہے ہو، یہ بڑا خطرناک ہے۔ معلوم نہیں زندہ لوٹ سکو گے یا نہیں۔ میں تمہارے ساتھ جینا اور تمہارے ساتھ مرنا چاہتی ہوں۔ اگر تم ساتھ نہیں لے چلو گے تو میں تمہارے پیچھے پیچھے آجاؤں گی۔ اس شہر میں نہیں رہوں گی"۔

حسن بن صباح اتنا مجبور ہو گیا کہ وہ فرحی کو روک نہ سکا۔ حسن تو اپنے گھر والوں کو بتا کر گھر سے نکلا تھا۔ اُسے اُس کے باپ نے خود ہی عبدالملک ابنِ عطاش کی شاگردی میں بٹھلایا تھا لیکن فرحی گھر والوں کو بتائے بغیر نکلی تھی۔ وہ اُس وقت جاگ اٹھی تھی جب گھر والے گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ گھوڑا اُس کے ایک بھائی کا تھا۔ وہ اندھیرے میں ہی گھر سے نکل آئی تھی۔ وہ جس قدر خوبصورت تھی اس سے کہیں زیادہ مضبوط حوصلے والی تھی۔ حسن ابھی شہر سے تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ فرحی اس سے جا ملی۔

حسن کے ذہن میں خواب کی باریک سے باریک تفصیل بھی محفوظ تھی اور اس کے پاس کاغذ بھی تھا جس پر اُس نے اشارے لکھ لئے تھے۔ اگر یہ کوئی سیدھا راستہ ہوتا تو وہ بہت ہی دور نکل گئے ہوتے لیکن یہ کوئی باقاعدہ راستہ نہیں تھا۔ جنگل تھا کہیں بنجر علاقہ تھا اور پھر پتھریلا علاقہ شروع ہو گیا۔ پہلے ایک ندی آئی جو اتنی گہری نہیں تھی۔ ان کے گھوڑے اس میں سے گذر گئے لیکن آگے جو ندی آئی وہ خاصی گہری تھی اور پانی کا بہاؤ بھی خاصا تیز تھا۔ حسن نے راستے والا کاغذ ایک ہاتھ میں لے کر ہاتھ اونچا کر لیا تاکہ یہ بھیگ نہ جائے اور انہوں نے گھوڑے ندی میں ڈال دیئے۔ چونکہ بہاؤ تیز تھا اس لئے گھوڑے سیدھے جانے کی بجائے بہاؤ کے ساتھ بہتے

گئے اور خاصی دور جا کر کنارے پر چڑھے۔

حسن نے ذہن پر زور دیا اور دیکھنے لگا کہ وہ نشانیاں کہاں ہیں جو اسے خواب میں نظر آئی تھیں۔ اس نے کاغذ سے بھی مدد لی اور آگے بڑھنے لگے۔ آگے علاقہ چٹانی تھا۔ اونچی نیچی چٹانیں بے آب و گیاہ تھیں۔ ان میں بعض نوکیلی اور بعض اوپر سے چپٹی تھیں۔ بعض کا رنگ سلیٹی اور بعض کوئلے کی طرح سیاہ تھیں۔ حسن دو چٹانوں کے درمیان چلا گیا۔ تھوڑی ہی دور جا کر یہ راستہ ایک طرف کو جاتا تھا۔ وہ اُدھر مڑا تو اُسے بائیں کو مڑنا پڑا۔ اس طرح اسے چٹانوں نے کبھی دائیں کبھی بائیں اتنا زیادہ موڑا کہ وہ بھول ہی گیا کہ اُسے کس سمت کو جانا ہے اور وہ ان بھول بھلیوں میں کس طرف سے داخل ہوا تھا۔

اُس نے سورج سے سمت معلوم کر لی لیکن یہ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ آگے بڑھ رہا ہے یا ایک ہی جگہ پر گھوم رہا ہے یا پیچھے کو جا رہا ہے۔ سورج اپنے روز مرہ سفر پر چلا جا رہا تھا اور افق سے تھوڑی ہی دور رہ گیا تھا۔ حسن پریشان ہو گیا۔ اُسے شام گہری ہونے سے پہلے پہلے وہاں سے نکلنا تھا۔ اُس نے گھوڑے کی رفتار اور تیز کر لی۔

"معلوم ہوتا ہے تم خواب والا راستہ بھول گئے ہو" ـــ فرحی نے کہا۔

"میں خواب میں بھی اسی طرح ان بھول بھلیوں میں گھومتا رہا تھا" ـــ حسن نے کہا۔ "راستہ مل جائے گا"۔

ان چٹانی بھول بھلیوں میں گھومتے پھرتے اُسے ایک ایسی چٹان نظر آئی جو اوپر سے آگے کو جھکی ہوئی تھی۔ یہ قدرت کا ایک شاہکار تھا۔ یہ بغیر ستونوں کے برآمدے جیسی تھی۔ وہاں پہنچ کر حسن نے گھوڑا روک لیا اور فرحی سے کہا کہ کچھ دیر آرام کر لیا جائے۔

دونوں گھوڑوں سے اُتر آئے اور برآمدے کی چھت جیسی چٹان کے نیچے بیٹھ گئے۔ یہ کوئی غار تو نہیں تھا لیکن چٹان اندر سے ایک وسیع کھوہ جیسی ہو گئی تھی۔ اس کا فرش زمین کی سطح سے گز ڈیڑھ گز نیچے تھا۔ حسن تو بیٹھ گیا لیکن فرحی کھوہ میں دیکھنے لگی۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ رات گذارنی پڑی تو یہیں گذاریں گے۔ اس کے ساتھ ہی اُس کی ہلکی سی چیخ سنائی دی۔

حسن تیزی سے اٹھا اور فرحی تک پہنچا۔

"نیچے دیکھو حسن!" ـــ فرحی نے کہا۔

Scanned by iqbalmt

حسن نے نیچے دیکھا۔ انسانی ہڈیوں کے دو پنجر پڑے تھے۔ ان کے کپڑوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے۔ ہڈیاں بالکل خشک ہو چکی تھیں۔ ایک پنجر مرد کا تھا اور دوسرا عورت کا۔ عورت کی نشانی بڑی صاف تھی۔ اس کے لمبے لمبے بال کھوپڑی کے قریب ہی پڑے تھے۔ دونوں اس پوزیشن میں نہیں تھے جس طرح لاش کو قبر میں سیدھا رکھا جاتا ہے۔

حسن کُود کر نیچے چلا گیا۔ اُس نے مرد کی پسلیوں میں دیکھا وہاں ایک خنجر پڑا ہُوا تھا۔ جن دو پسلیوں کے درمیان یہ خنجر پھنسا ہُوا تھا' وہاں سے دونوں پسلیاں تھوڑی تھوڑی کٹی ہوئی تھیں۔ ایک تلوار دونوں ڈھانچوں کے قریب پڑی تھی۔

"معلوم نہیں یہ کون تھے" — فرحی نے کہا۔

"کوئی ہم جیسے ہی ہوں گے" — حسن نے کہا — "لیکن یہ کچھ اور معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ اس آدمی کو سینے میں خنجر مار کر مارا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے عورت کو اس تلوار سے مارا گیا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ہماری طرح ان بھول بھلیوں میں پھنس گئے ہوں اور یہاں رات گذارنے کے لئے رک گئے ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہ بھوک اور پیاس سے مرے تھے۔ ان کے پاس پانی نہیں تھا۔ ہوتا تو یہاں مشکیزہ پڑا ہوتا"۔

"حسن!" — فرحی نے کہا — "میں کبھی ڈری نہیں لیکن میں دل پر خوف کی گرفت محسوس کر رہی ہوں۔ ہم یہاں نہیں رکیں گے"۔

"پھر ہمیں یہاں سے جلدی چل پڑنا چاہئے" — حسن نے کہا۔

دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور دو چٹانوں کے درمیان چلنے لگے۔ یہ تنگ سا راستہ انہیں ایسی جگہ لے گیا جہاں چٹانیں پیچھے رہ گئی تھیں اور ذرا کھلا میدان تھا۔ تین اطراف چٹانیں تھیں۔ چوتھی طرف کی چٹان کے درمیان تھوڑا سا راستہ تھا۔ حسن اُس طرف ہو لیا۔

دونوں گھوڑے پہلو بہ پہلو چلے جا رہے تھے۔ جب دونوں اس تنگ سے راستے کے قریب گئے تو دونوں گھوڑے اپنے آپ ہی رک گئے۔ پہلے وہ کچھ بے چینی سے اِدھر اُدھر ہونے لگے پھر دونوں گھوڑے کانپنے لگے۔ انہوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی' باگیں جھٹکیں لیکن گھوڑے کانپتے رہے اور آگے بڑھنے کی بجائے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگے۔

"وہ دیکھو فرحی!" — حسن نے کہا — "گھوڑے آگے نہیں بڑھیں گے"۔

فرحی نے دیکھا ان سے دس بارہ قدم دور ویسا ہی ایک کالا ناگ پھن پھیلائے ہوئے تھا جیسا حسن نے قبرستان میں دیکھا تھا۔ یہ گھوڑے کی نفسیات ہے کہ اس کی پیٹھ پر سوار موجود ہو اور وہ اپنے راستے میں سانپ دیکھ لے تو رک کر خوف سے کانپنے لگتا ہے۔ اگر سوار نہ ہو تو گھوڑا سر پٹ بھاگ اٹھتا ہے۔

ناگ تیزی سے گھوڑوں کی طرف آیا۔ حسن نے دیکھا کہ اس کے پیچھے پیچھے ایسا ہی ایک ناگ اور ہے۔ گھوڑوں نے جب ناگوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو فوراً پیچھے بھاگ اٹھے۔

حسن اور فرحی نے گھوڑوں کو قابو میں رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن گھوڑے قابو میں نہیں آ رہے تھے۔ حسن کا گھوڑا آگے تھا اور اپنے آپ ہی دائیں بائیں مڑتا جا رہا تھا۔ حسن بار بار پیچھے دیکھتا تھا کہ فرحی کتنی دور ہے۔

گھوڑے دوڑتے' ان بھول بھلیوں میں دائیں بائیں مڑتے رہے اور حسن یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کا گھوڑا اُس جگہ جا نکلا جہاں سے وہ ان بھول بھلیوں میں داخل ہوئے تھے۔ وہ میدان تھا۔ چٹانیں پیچھے رہ گئی تھیں۔

حسن نے بڑی مشکل سے گھوڑے کو قابو میں کیا اور اسے روک لیا۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ فرحی کے گھوڑے کو ڈھونڈ رہا تھا۔ اُسے فرحی کا گھوڑا تو نظر آ گیا لیکن فرحی اُس کی پیٹھ پر نہیں تھی۔ حسن نے اس گھوڑے کی طرف اپنا گھوڑا دوڑا دیا اور اس کی لگام پکڑ لی۔ اُس نے فرحی کو آوازیں دیں' بہت پکارا لیکن فرحی کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ حسن آہستہ آہستہ ان چٹانی بھول بھلیوں کی طرف چل پڑا۔ وہ فرحی کو ڈھونڈنے جا رہا تھا۔

Scanned by iqbalmt

حسن بن صباح کے ہوش اُڑ گئے تھے۔ وہ دنیا کو' اپنے عزائم کو اور اپنی منزل کو بھول گیا تھا۔

وہ ایک بار پھر چٹانوں کی بھول بھلیوں میں داخل ہو گیا اور بڑی ہی بلند آواز سے فرحی کو پکار رہا تھا لیکن چٹانوں سے گذرتی ہوئی تیز ہوا کی سرسراہٹ کے سوا اسے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔

یہیں سے وہ باہر نکلا تھا مگر اب وہ وہیں سے اندر گیا تو اسے وہ جگہ ایسی اجنبی محسوس ہوئی جیسے پہلے کبھی دیکھی ہی نہ ہو۔ ایک چٹان اُس کے سامنے تھی۔ اس کے پہلوؤں سے دو راستے جاتے تھے اور ایک راستہ دائیں کو جاتا تھا۔ حسن بن صباح کو یاد ہی نہیں رہا تھا کہ وہ ان تینوں میں سے کون سے راستے سے باہر آیا تھا۔

سامنے والی چٹان کا یہ اوپر والا سرا تھا اور اس کی ڈھلان بڑی آسان تھی۔ حسن بن صباح نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور چٹان پر چڑھ گیا۔ اس نے فرحی کے گھوڑے کی باگ اپنے گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھ لی تھی۔ اوپر جا کر اس نے ہر طرف نظریں گھمائیں۔ دور دور تک اونچی نیچی چٹانوں کی چوٹیوں کے سوا کچھ اور نظر نہ آیا۔ کچھ چٹانیں اوپر سے چپٹی تھیں اور کچھ ایسی بھی تھیں جو چٹانیں لگتی ہی نہیں تھیں۔ وہ بہت ہی بڑے بڑے بتوں کی مانند تھیں۔ کوئی بت انسانوں جیسا اور کوئی کسی جانور جیسا تھا۔ ایک چٹان ایسی تھی جو مندر کے مینار کی طرح اوپر چلی گئی تھی۔ اس کی چوٹی پر ایک بہت بڑا گول پتھر یوں رکھا ہوا تھا جیسے کسی عورت نے سر پر گھڑا رکھا ہوا ہو۔

یہ سارا منظر اس دنیا کا خطہ لگتا ہی نہیں تھا۔ یہ تو خواب کا منظر تھا۔ یہ خطہ تین میل لمبا چوڑا ہو سکتا تھا اور چار میل بھی۔

"فرحی!" — حسن پھیپھڑوں کا سارا ہی زور لگا کر پکارنے لگا — "کہاں ہو فرحی... فرحی!"

کوئی جواب نہیں... خاموشی!

"وہ دوڑتے گھوڑے سے گر کر بیہوش پڑی ہو گی" — اس نے اس طرح اونچی آواز میں کہا جیسے اپنے پاس کھڑے کسی آدمی کو بتا رہا ہو۔

اس کے پاس دو گھوڑوں کے سوا کوئی بھی نہیں تھا۔ اسے فرحی تک جلدی پہنچنا تھا۔ ہو سکتا تھا وہ گر کر مر گئی ہو یا مر رہی ہو اور یہ بھی ناممکن نہ تھا کہ وہ گری تو اسے ناگ نے ڈس لیا ہو گا۔

حسن بن صباح کو اپنے استاد عبدالملک ابن عطاش کا ایک سبق یاد آ گیا کہ راستہ یاد نہ رہے

مسافر کہیں کھو جائے یا کوئی چیز گم ہو جائے تو کیا عمل کیا جائے۔

وہ گھوڑے سے اترا اور نیچے دیکھا۔ چٹان کی ایک سل سلیٹ کی طرح ہموار تھی۔ حسن اکڑوں بیٹھ گیا اور چھوٹا سا ایک پتھر اٹھا لیا۔ ابن عطاش نے اسے مراقبے میں جانے کی بہت مشق کرائی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کیں اور دو تین بار لمبے سانس لئے۔ پھر اس نے آنکھیں کھولیں اور انگلیوں میں پکڑے ہوئے کنکری جیسے پتھر سے سل پر اوٹ پٹانگ سے خانے بنانے لگا۔

ان خانوں کو اس نے غور سے دیکھا اور کسی خانے میں ایک حرف اور کسی میں ایک ہندسہ لکھا۔ ان پر کچھ دیر نظریں جمائے رکھیں اور اٹھ کھڑا ہوا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر وہ چٹان سے اترا یا اور اس چٹان کے ساتھ ساتھ آگے کو چل پڑا۔

○

سورج غروب ہونے میں کچھ دیر باقی تھی۔ یہ راستہ کچھ آگے جا کر ایک طرف مڑ گیا۔ تھوڑا آگے جا کر اس راستے کو ایک گول چٹان نے روک لیا تھا اور وہاں دو راہا بن گیا تھا۔ حسن رک گیا اور دونوں راستوں کو دیکھا۔ اس نے گھوڑا روک لیا تھا۔ آنکھیں بند کر کے اس نے کچھ سوچا۔ دائیں طرف اسے ہلکی سی کوئی آہٹ یا آواز سنائی دی۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں اور ادھر دیکھا۔ کچھ دور ایک نیولہ کھڑا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ حسن نیولے کو دیکھتا رہا۔ نیولہ ایک طرف دوڑ پڑا۔ حسن گھوڑا اس طرف لے گیا اور وہاں تک چلا گیا جہاں نیولہ کھڑا تھا۔ اس طرف دیکھا جس طرف نیولہ گیا تھا۔

یہ دو چٹانوں کے درمیان بہت ہی تنگ راستہ تھا جو کچھ دور تک چلا گیا تھا لیکن سیدھا نہیں بلکہ کئی ایک گول گول اور کچھ منحنی سی چٹانوں سے گھومتا مڑتا جاتا تھا۔

حسن بن صباح جو فرحی کے لئے پریشان ہو رہا تھا اور اسے پکارتا بھی رہا تھا' اب یوں اطمینان سے چلا جا رہا تھا جیسے اسے فرحی مل گئی ہو یا فرحی اس کے دل سے اتر گئی ہو۔ حقیقت یہ تھی کہ اس نے چٹان پر بیٹھ کر سحر (کالے جادو) کا ایک عمل کیا تھا جس میں اسے واضح اشارہ ملا تھا کہ وہ فرحی تک پہنچ جائے گا لیکن ایسا کوئی اشارہ نہیں ملا تھا کہ فرحی جس جگہ ہے وہاں تک راستہ کون سا جاتا ہے' البتہ یہ پتہ چل گیا تھا کہ اسے اشارے ملتے رہیں گے جنہیں سمجھنے کے لئے وہ اپنی

Scanned by iqbalmt

عقل استعمال کرے۔

تاریخ کی یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حسن بن صباح نے پُراسرار علوم سیکھ لیئے تھے۔ ابن خلدون "تاریخ ابن خلدون" حصہ پنجم میں لکھتا ہے — "علمِ نجوم و سحر میں حسن بن صباح کو ید طولیٰ حاصل تھا" — ابنِ تاثیر اور دیگر مؤرخوں نے بھی لکھا ہے کہ حسن بن صباح انتہا درجے کا عیار اور مکار تو تھا ہی، اس نے علم سحر میں بھی خصوصی مہارت حاصل کرلی تھی۔

اس نے ان پراسرار علوم میں اس سفر کے بعد مہارت حاصل کی تھی۔ اس سفر کے دوران اس کے پاس سحر کی اتنی ہی طاقت تھی جو اسے اپنے اتالیق ابن عطاش سے حاصل ہوئی تھی۔ وہ ان علوم کی تکمیل کے لئے ہی جا رہا تھا۔

وہ جا تو رہا تھا لیکن ایسے چٹانی خطے میں پھنس کے رہ گیا تھا جسے وہ کبھی کبھی خواب سمجھتا تھا۔ اس میں بھی شاید کوئی راز تھا کہ اسے بڑے دشوار گذار راستے پر ڈالا گیا تھا۔ اسے اس راستے کا اشارہ خواب میں ملا تھا۔

داستان گو سنا رہا تھا کہ حسن بن صباح ایک تنگ راستے پر عجیب و غریب سی شکلوں کی چٹانوں کی دنیا میں جا رہا تھا کہ پھر ایک مقام آگیا جو دو راہا تھا۔ حسن نے رک کر دونوں راستوں کو دیکھا۔ دونوں راستے تھوڑی تھوڑی دور جا کر مڑ جاتے تھے۔ حسن کبھی ادھر کبھی ادھر دیکھتا تھا۔ اسے پوری امید تھی کہ غیب سے اسے کوئی اشارہ ملے گا لیکن کچھ بھی نہ ہوا سوائے اس کے کہ وہ جس گھوڑے پر سوار تھا، وہ آہستہ سے ہنہنایا اور کھر مارنے لگا۔ دوسرے گھوڑے نے بھی یہی حرکت کی۔ اس انداز سے گھوڑے کا ہنہنانا اور گھوڑے کا کھر مارنا اس کی بے چینی کا اظہار ہوتا ہے۔

حسن نے قدرے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا کہ گھوڑوں نے پھر سانپ دیکھ لیا ہے لیکن اسے خیال آیا کہ گھوڑا ڈر کا اظہار کسی اور انداز سے کرتا ہے۔ وہ گھوڑوں کا زمانہ تھا۔ لوگ گھوڑوں کی نفسیات سمجھتے تھے۔ حسن سمجھ گیا کہ گھوڑے بھوکے ہیں۔ شاید پیاسے بھی ہوں۔

گھوڑا اپنے آپ ہی ایک راستے پر چل پڑا۔ حسن نے لگام کھینچ لی لیکن گھوڑا رکنے کی بجائے اور تیز ہو گیا۔ اس کی زین کے ساتھ بندھا ہوا گھوڑا اس سے آگے نکلنے کی کوشش کر رہا

تھا۔ حسن نے کچھ سوچ کر گھوڑے کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی۔ یہ اشاروں پر چلنے والا گھوڑا تھا اور حسن کو اس گھوڑے پر اعتماد تھا۔

گھوڑا سر نیچے کر کے دوڑ پڑا۔ وہ سر کی اور ہی طرح دائیں بائیں جھٹک رہا تھا۔

گھوڑا اگلا موڑ سوار کے اشارے کے بغیر ہی مڑ گیا۔ حسن دیکھ کر حیران رہ گیا کہ آگے چٹانوں میں گھری ہوئی کشادہ جگہ تھی جہاں ہری بھری گھاس تھی اور سرسبز درخت تھے۔ یہ جگہ صحرا میں نخلستان جیسی تھی۔

گھوڑا اور تیز دوڑا اور وہاں تک پہنچ گیا۔ وہاں سبزے میں گھرا ہوا ایک چشمہ تھا۔ پانچ سات گز لمبائی چوڑائی میں بارش سے ڈھلے ہوئے آسمان جیسا شفاف اور نیلا پانی جمع تھا۔ شفاف بھی اتنا کہ اس کی تہہ میں کنکریاں بھی صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ فالتو پانی کہاں غائب ہو رہا تھا۔

گھوڑا بے صبری سے پانی پینے لگا۔ حسن نے اتر کر دوسرے گھوڑے کی باگ اپنے گھوڑے کی زین سے کھول دی۔ اس نے بھی بے تابی سے چشمے سے منہ لگا لیا۔ تب حسن کو خیال آیا کہ گھوڑے پیاسے تھے۔

جانور، خصوصاً گھوڑے اور خچر، پانی کی مشک دور سے پا لیتے ہیں۔ گھوڑا بے لگام اور منہ زور ہو کر پانی تک پہنچ جاتا ہے۔

حسن بن صباح نے گھوڑوں کو پانی پیتے دیکھا تو اُسے بھی پیاس محسوس ہونے لگی۔ چشمے کے کنارے گھٹنے ٹیک کر وہ پانی پر جھکا اور چلّو بھر بھر کر پانی پینے لگا۔ اس کا سر جھکا ہوا اور نظریں پانی پر لگی ہوئی تھیں۔ اُس کے ہاتھ رک گئے اور اُس نے ذہن پر زور دیا۔

اُسے اپنا خواب یاد آگیا جس میں اُس نے اس سفر کا راستہ دیکھا تھا۔ اُسے یاد آیا کہ خواب میں اُس نے چشمہ دیکھا تھا۔ اُسے یہ بھی یاد آیا کہ اس چشمے سے روشنی سی پھوٹی تھی... ذہن پر زور دیئے گئے باوجود اُسے اس سے آگے یاد نہ آیا لیکن اُسے اطمینان ہو گیا کہ وہ غلط راستے پر نہیں جا رہا۔

وہ ایک بار پھر چلّو بھرنے کے لئے پانی میں ہاتھ ڈالنے لگا تو اس کے ہاتھ ایک بار پھر رک گئے

Scanned by iqbalmt

اور نظریں پانی پر جم گئیں۔ پانی کے سامنے والے کنارے کے نیچے پانی میں ایک آدمی کا عکس جھلملا رہا تھا۔ پانی ساکن نہیں تھا۔ چھوٹی چھوٹی لہریں اس کنارے سے اُس کنارے تک جا رہی تھیں۔ اس آدمی کا عکس ان لہروں پر تیر رہا تھا۔

حسن سُن ہو کے رہ گیا۔ وہ بزدل نوجوان نہیں تھا۔ اُس کے پاس تلوار تھی اور ایک خنجر بھی تھا لیکن اسے اپنی ذات سے یہ اشارہ مل رہا تھا کہ یہ آدمی کوئی مسافر نہیں جو پیاس بجھانے سر راہ چشمے پر آگیا ہو۔

حسن نے آہستہ آہستہ سر اٹھایا۔ اُس سے بیس بائیس قدم دور ایک ٹیکری پر ایک لمبا تڑنگا آدمی کھڑا تھا۔ لباس سے وہ اسی خطے کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اُس کے سر پر اس خطے کی مخصوص پگڑی تھی اور پگڑی پر اتنا بڑا سیاہ رومال پڑا ہُوا تھا جس نے اُس کے کندھوں اور پیٹھ کے کچھ حصے کو بھی ڈھانپ رکھا تھا۔ سلیقے سے تراشی ہوئی اُس کی چھوٹی چھوٹی داڑھی تھی۔

حسن نظریں اُس پر جمائے ہوئے آہستہ آہستہ اٹھا۔ اُس آدمی نے اسی طرح اُس پر نظریں جما رکھی تھیں۔ اُس کے جسم میں ذرا سی بھی حرکت نہیں تھی۔ یہ شک غلط معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ بُت ہے۔

○

آخر اُس آدمی میں حرکت ہوئی۔ وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا۔ اُس کے عقب میں منظر یہ تھا کہ ایک چٹان دائیں سے بائیں گئی ہوئی تھی۔ قدرت نے درمیان سے اس طرح کاٹ دیا تھا کہ ایک گلی بن گئی تھی جس میں ایک گھوڑا آسانی سے گذر سکتا تھا۔ گلی کی طرف چٹان کے دونو حصے دیواروں کی طرح عمودی تھے۔

وہ آدمی اُلٹے قدم چلتا اس گلی میں داخل ہو گیا۔ حسن بن صباح نے فرحی کے گھوڑے کی باگ اپنے گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھی‘ اپنے گھوڑے پر سوار ہُوا اور گلی میں داخل ہو گیا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اُس پر کچھ اثر ہو گیا ہے اور وہ اب اسی اثر کے قبضے میں ہے۔

وہ آدمی اس قدرتی گلی کے اگلے سرے پر کھڑا تھا۔ اُس کے پیچھے ایک اور چٹان تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہاں یہ گلی بند ہو گئی ہو۔ اُس آدمی نے اپنا بایاں بازو بائیں طرف لمبا کیا اور اُس طرف غائب ہو گیا۔

حسن وہاں تک جا کر اُسی طرف مُڑ گیا جس طرف اُس آدمی نے اشارہ کیا تھا۔ وہ آدمی آگے جا کر ایک اور موڑ مُڑ رہا تھا۔ حسن اس طرح اُس کے پیچھے جاتا رہا جیسے اُس کا پالتو جانور ہو یا جیسے اُس شخص نے اسے ہپناٹائز کر لیا ہو۔

وہ جگہ کشادہ تھی۔ بے آب و گیاہ چٹانوں کی بجائے وہاں ہری بھری ٹیکریاں تھیں۔ یہ ہریالی اُس چشمے کی بدولت تھی جو قریب ہی تھا۔

حسن آگے جا کر ایک سرسبز ٹیکری سے مُڑا تو سامنے کا منظر دیکھ کر وہ ٹھٹھک گیا۔ یہ منظر اُس کے لئے غیر متوقع تھا۔ اُس کے سامنے ایک اونچی ٹیکری تھی جو دائیں بائیں گئی ہوئی تھی۔ یہ سرسبز گھاس اور پھولدار جنگلی پودوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ انسانی ہاتھوں سے بنائی گئی ہو لیکن اُس کی چھت اور دیواریں بتا رہی تھیں کہ یہ قدرت کی تعمیر ہے۔ اس کے اوپر سے خودرو بیلیں لٹک رہی تھیں۔

وہ آدمی جس کی راہنمائی میں حسن وہاں پہنچا تھا‘ اس گُف کے باہر کھڑا تھا۔ حسن وہاں گیا تو اُسے اندر کا منظر نظر آیا۔ کھجور کے پتوں کی بنی ہوئی خاصی لمبی چوڑی چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ سامنے ایک آدمی گاؤ تکیے سے لگا بیٹھا تھا۔ اُس کی داڑھی لمبی اور خشخشی تھی۔ اُس کے سر پر خرگوش کی کھال کی ٹوپی تھی اور ٹوپی پر کالے رنگ کا رومال تھا جو اس کے کندھوں سے بھی نیچے آیا ہوا تھا۔ اُس نے سبز رنگ کا چغہ پہن رکھا تھا۔ اس کی وجاہت سے پتہ چلتا تھا کہ وہ مذہبی پیشوا ہے۔ یہ بتانا مشکل تھا کہ وہ کس فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔

تین آدمی اُس کے ایک طرف اور تین دوسری طرف آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سب کے سروں پر ایک مخصوص انداز کی پگڑیاں تھیں اور ان پر سیاہ رنگ کے رومال تھے جو ان کے کندھوں سے نیچے تک آئے ہوئے تھے۔

اس بزرگ نے جس کے چہرے پر جلال تھا‘ اس آدمی کو ہاتھ سے اشارہ کیا جس کی راہنمائی میں حسن وہاں پہنچا تھا۔ وہ آدمی اندر چلا گیا۔ اس کشادہ گُف میں ایک چوڑا ٹیلہ سا تھا۔ وہ آدمی اُس کے پیچھے چلا گیا۔ وہاں سے باہر آیا تو اس کے ساتھ فرحی تھی جو ذرا لنگڑا کر چل رہی تھی۔

فرحی کو دیکھ کر حسن بن صباح کو یقیناً اطمینان ہُوا ہو گا کہ وہ زندہ ہے لیکن یہ سوال اُسے پریشان کر رہا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں اور فرحی ان کے پاس کیسے آگئی ہے؟

Scanned by iqbalmt

یہ لوگ ڈاکو اور رہزن تو نہیں لگتے تھے لیکن ڈاکوؤں اور رہزنوں کے سروں پر سینگ تو نہیں ہوتے۔ بزرگ کے اشارے پر فرحی کو اُس کے سامنے بٹھا دیا گیا۔ سورج اپنا اُس روز کا سفر پورا کر کے اُفق کے پیچھے جا سویا تھا۔ شام تاریک ہو گئی تھی۔ گُپھ میں مشعلیں رکھ دی گئی تھیں۔ عجیب عجیب سے سائے گُپھ کی دیواروں پر ناچ رہے تھے

○

داستان گو اس بزرگ کو درویش کہے تو زیادہ موزوں ہو گا۔

"اے نوجوان!" — درویش نے حسن بن صباح سے کہا — "کیا گھوڑے سے اتر کر ہمارے درمیان بیٹھنا تجھے گوارا نہیں؟ ہم سب تیرے انتظار میں بیٹھے ہیں"۔

"میں ابھی چہرے پڑھنے کے قابل نہیں ہُوا!" — حسن نے کہا — "میں دل کی نیت کو آنکھوں کے آئینے میں نہیں دیکھ سکتا۔ اگر آپ کے دل میں بھی وہی جلال ہے جو آپ کے چہرے پر دیکھ رہا ہوں تو آپ میرے اس سوال کا جواب ضرور دیں گے کہ میری یہ ہمسفر آپ تک کس طرح پہنچی؟"

"گھوڑے سے اُتر اے نوجوان!" — درویش نے کہا — "تجھے ہر سوال کا جواب ملے گا اور تُو ہمارے سوالوں کے بھی جواب دے گا۔ یہ لڑکی تیری ہمسفر ہے ہماری نہیں۔ آ اس کے ساتھ بیٹھ اور اس کے ساتھ روانہ ہو"۔

حسن گھوڑے سے اُترا اور جوتے اتار کر چٹائی پر گیا۔ درویش نے اپنا دایاں ہاتھ حسن کی طرف بڑھایا تو حسن نے دونوں ہاتھوں سے اس کے ساتھ مصافحہ کیا۔ درویش کے اشارے پر وہ فرحی کے پاس بیٹھ گیا۔

فرحی نے اُس کی طرف اور اُس نے فرحی کی طرف دیکھا۔ فرحی کے چہرے پر خوف کی ذرا سی بھی جھلک نہیں ملتی تھی۔ وہ گھبرائی ہوئی بھی نہیں لگتی تھی۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ حسن کے چہرے پر تذبذب کا جو تاثر تھا وہ اُڑ گیا اور اُس کے چہرے پر رونق آ گئی۔

"تمہارا نام؟" — درویش نے پوچھا۔

"حسن بن صباح"

"تیرے اس کٹھن سفر کی منزل کیا ہے؟" — درویش نے پوچھا — "کہاں ہے منزل

تیری؟"

"خوابوں کے سفر کی منزل بیان نہیں کی جا سکتی"۔ — حسن نے کہا

"خوابوں کے سفر کی منزل ہوتی ہی نہیں اے نوجوان!" — درویش نے کہا — "کیا تُو نیند میں خواب دیکھا کرتا ہے یا بیداری میں؟"

"نیند میں خواب جو دیکھا کرتا ہوں انہیں بیداری میں حقیقت بنانے کی کوشش کیا کرتا ہوں" — حسن بن صباح نے کہا۔

"تُو شاید نہیں جانتا اے نوجوان!" — درویش نے کہا — "نیند کے خواب خواہشوں اور آرزوؤں کے چلتے پھرتے عکس ہوتے ہیں۔ آنکھ کھلتے ہی بلبلوں کی طرح پھٹ جاتے ہیں... اور بیداری کے خواب فرار کا ایک سفر ہے جس کی کوئی منزل نہیں ہوتی"۔

"اے درویش!" — حسن نے کہا — "میں خواہشوں اور آرزوؤں کا پجاری نہیں نہ میں نے کبھی اپنی روح کو خواہشوں اور آرزوؤں کی غذا دی ہے"۔

"پھر تُو روح کو کیا غذا دیا کرتا ہے؟"

"عزم!" — حسن نے جواب دیا — "میں اپنی ہر آرزو کو عزم کے سانچے میں ڈھال لیا کرتا ہوں"۔

"اپنے سفر کی بھی کچھ بات کر اے نوجوان!" — درویش نے کہا۔

"یہ بھی ایک خواب ہے" — حسن نے کہا — "خواب میں جو دیکھا تھا وہ میرے سامنے آتا جا رہا ہے"۔

"ہمیں بھی دیکھا تھا کیا؟" — درویش نے پوچھا — "ہم بھی تو تیرے سامنے آئے ہیں!"

"دیکھا تھا اے درویش!" — حسن نے جواب دیا — "شفاف پانی کا ایک چشمہ دیکھا تھا۔ اس میں سے ایک عکس نکلا جس نے انسان کا روپ دھار لیا۔ اُس نے خاموشی کی زبان میں میری راہنمائی کی۔ میں نے سات غزال دیکھے جو ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے"۔

"کہاں ہیں وہ غزال؟"

"چھ میرے سامنے بیٹھے ہیں" — حسن نے جواب دیا — "ساتواں کھڑا ہے"۔

"اس سے تُو کیا سمجھا؟"

Scanned by iqbalmt

"یہ کہ میں سیدھے راستے پر جا رہا ہوں" ـــ حسن نے جواب دیا۔

حسن بن صباح نے دیکھا کہ صرف یہ درویش بولتا ہے اور باقی سب بالکل چپ بیٹھے ہیں۔ درویش کے ہونٹوں پر تبسم ہے اور باقی سب کے چہرے بے تاثر ہیں۔ درویش بولتا ہے تو سب اس کی طرف دیکھتے ہیں اور حسن بولتا ہے تو سب اُس کی طرف دیکھنے لگتے ہیں۔

"قابلِ احترام درویش!" ـــ حسن نے پوچھا ـــ "کیا میں اس لڑکی کو اپنے ساتھ لے جا سکتا ہوں؟"

"تمہارا اس لڑکی پر کوئی حق نہیں اے نوجوان!" ـــ درویش نے کہا ـــ "اس لڑکی کا ہم پر کچھ حق تھا' جو ہم نے ادا کر دیا ہے"۔

حسن کے چہرے پر حیرت کا تاثر آ گیا۔ وہ کبھی درویش کو اور کبھی فرحی کو دیکھتا تھا۔

"ہم نے یہ پھول ان پتھروں سے اٹھایا ہے" ـــ درویش نے کہا ـــ "یہ تیری ہمسفر ہے۔ اسے تیرے ساتھ ہی جانا ہے' لیکن ہم یہ ضرور دیکھنا چاہیں گے کہ تو اُس لڑکی کے قابل ہے یا نہیں.... حیران مت ہو لڑکے! غصے کو بھی اپنے قابو میں رکھ۔ ہم تجھے راز کی یہ بات بتاتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں تُو کہاں جا رہا ہے۔ اتنے طویل اور کٹھن سفر میں اتنا حسین ہمسفر مل جائے تو مسافت آسان ہو جاتی ہے اور فاصلے سمٹ آتے ہیں لیکن راہِ حیات کے جو مسافر عورت کو صرف اتنا ہی سمجھتے ہیں کہ یہ ایک خوبصورت جسم ہے' ان کی آسان مسافتیں بھی کٹھن ہو جایا کرتی ہیں... ہم یہ دیکھنا چاہیں گے کہ تُو عورت کو کیا سمجھتا ہے"۔

"اس لڑکی کا آپ پر کیا حق تھا؟" ـــ حسن بن صباح نے پوچھا۔

"تُو ہی اسے بتا دے اے لڑکی!" ـــ درویش نے فرحی سے کہا۔

"تمہارے گھوڑے ناگوں سے ڈر کر بھاگ اٹھے تھے نا!" ـــ فرحی نے حسن سے کہا ـــ "میرا گھوڑا بے قابو ہو کر ایک اور ہی طرف نکل گیا۔ میں سنبھل نہ سکی اور گر پڑی۔ گرنے تک یاد ہے۔ ہوش میں آئی تو یہاں پڑی تھی۔ انہوں نے میری دیکھ بھال ایسی کی کہ خوف سے نجات مل گئی۔ صرف تمہارا غم تھا۔ انہوں نے کہا تم آ جاؤ گے اور تم آ گئے"۔

"کیا تم نے انہیں بتایا ہے ہم کہاں جا رہے ہیں؟" ـــ حسن نے فرحی سے پوچھا۔

"نہیں!" ـــ فرحی نے جواب دیا ـــ "یہ پوچھتے رہے میں کہتی رہی کہ میرا ہمسفر بتانا چاہے گا تو بتا دے' میں نہیں بتاؤں گی۔ پھر انہوں نے کہا کہ یہ کہہ دو مجھے معلوم نہیں۔ میں نے کہا مجھے معلوم ہے۔ بتاؤں گی نہیں۔ انہوں نے کہا ہم تمہیں بے آبرو کر کے مار ڈالیں گے۔ میں نے کہا تب بھی نہیں بتاؤں گی۔ انہوں نے کہا ہم تمہاری آبرو کے محافظ ہیں' تمہیں گھر چھوڑ آئیں گے۔ میں نے کہا پھر بھی نہیں بتاؤں گی... اس بزرگ نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا' آفرین! ہم تمہاری پُوجا کریں گے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ تیرے ہمسفر کو یہاں لانے کے لئے آدمی چلا گیا ہے"۔

"سن لیا اے نوجوان؟" ـــ درویش نے حسن سے پوچھا ـــ "اب ہم نے دیکھنا ہے کہ تو اس لڑکی کے جسم کو چاہتا ہے یا روح کو؟"

درویش نے اُس آدمی کو جو حسن کو یہاں لایا تھا' اشارہ کیا۔ وہ آدمی گُفا کے اندر ہی کہیں غائب ہو گیا۔

○

وہ مشعلوں کی روشنی میں سامنے آیا تو اُس کے ہاتھوں میں تین گڑیا تھیں۔ یہ مٹی کے بنے ہوئے تین عورتوں کے بُت تھے۔ خوبصورتی سے بنائے گئے تھے۔ ہر بُت تقریباً" ڈیڑھ فٹ اونچا اور ہر بُت برہنہ تھا۔

"تینوں بُت اور گولی اس کے آگے رکھ دو" ـــ درویش نے کہا۔

اُس کے حکم کی تعمیل ہوئی۔

"کوئی ایک گڑیا اٹھا" ـــ درویش نے حسن سے کہا ـــ "اور اس کے دائیں کان میں گولی ڈال"۔

حسن نے ایک بُت اٹھا کر اس کے کان میں گولی ڈالی۔

یہ گولی بُت کے منہ سے نکل کر زمین پر گر پڑی۔

"اب دوسری گڑیا اٹھا لے" ـــ درویش نے کہا ـــ "اور گولی اس کے کان میں ڈال"۔

حسن بن صباح نے یہ بُت اٹھایا اور گولی بھی اٹھائی۔ یہ گولی ایک گول کنکری تھی۔ یہ کانچ کی ان گولیوں جتنی تھی جن سے آج کل بچے کھیلا کرتے ہیں۔ حسن نے پتھر کی یہ گولی بُت کے کان میں ڈال دی۔ کان میں ایک سوراخ تھا۔ گولی اس کان میں گئی اور دوسرے کان سے باہر آ

Scanned by iqbalmt

گئی۔

"اب ایک اور گڑیا اٹھا" ــــ درویش نے کہا ــــ "اور یہ گولی اس کے دائیں کان میں ڈال"۔

حسن نے دوسرا بُت الگ رکھ کر تیسرا بُت اٹھایا۔ گولی اٹھا کر اس بُت کے کان میں ڈالی۔ یہ گولی اندر ہی کہیں غائب ہو گئی۔

"زور زور سے ہلا اسے" ــــ درویش نے کہا ــــ "گولی کو باہر آنا چاہیے"۔

حسن نے بُت کو بہت ہلایا، جھنجھوڑا، الٹا کیا، دائیں اور بائیں پہلو پر کر کے ہلایا مگر گولی باہر نہ آئی۔

"یہ گڑیا بیکار ہے" ــــ درویش نے کہا ــــ "اسے الگ رکھ دے۔ اس بدبخت نے ہماری گولی ہضم کر لی ہے"۔

حسن نے یہ بُت رکھ دیا۔

"کیا یہ بُت خوبصورت نہیں؟" ــــ درویش نے پوچھا ــــ "کیا یہ تجھے اچھے نہیں لگتے؟"

"خوبصورت ہیں" ــــ حسن نے جواب دیا ــــ "دل کو اچھے لگتے ہیں۔ بنانے والے نے عورت کی رعنائیاں اِن بُتوں میں سمو دی ہیں۔ ان میں صرف جان ڈالنی باقی رہ گئی ہے"۔

"ہم تجھے انعام دینا چاہتے ہیں" ــــ درویش نے کہا ــــ "کوئی ایک گڑیا اٹھا لے.... تینوں ایک جیسی ہیں"۔

حسن بن صباح نے سب سے آخر والا بُت اٹھا لیا جس کے کان میں گولی ڈالی تو کسی طرف سے گولی باہر نہیں آئی تھی۔ درویش نے اسے بیکار کہہ کر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔

"تُو نے عقل سے کام نہیں لیا اے نوجوان!" ــــ درویش نے کہا ــــ "یا تُو نے سنا نہیں کہ میں نے اس گڑیا کے متعلق کہا تھا کہ اس نے ہماری گولی ہضم کر لی ہے، اسے الگ پھینک دو"۔

"محترم درویش!" ــــ حسن نے کہا ــــ "میں عقل اور توجہ سے کام نہ لیتا تو آپ کی اس گڑیا کو ہاتھ بھی نہ لگاتا۔ دوسری دونوں میں سے کوئی ایک اٹھا لیتا لیکن میری عقل نے مجھے بتایا کہ یہ گڑیا اٹھا لے"۔

"تیری عقل نے اس میں کیا خوبی دیکھی ہے؟" ــــ درویش نے پوچھا۔

"ایک کے کان میں گولی ڈالی تو وہ اس کے دوسرے کان سے نکل گئی" ــــ حسن نے کہا ــــ "اے درویش عالی مقام! آپ یقیناً ایسی بیٹی کو پسند نہیں کریں گے جو اپنے باپ کی پند و نصیحت ایک کان سے سنے اور دوسرے کان سے نکال دے.... ایسی بہن بھی بُری، ایسی بیوی بھی بُری....

"دوسری کے کان میں گولی ڈالی تو اس نے منہ کے رستے نکال دی۔ ایسی عورت تو اور زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ وہ گھر کا کوئی راز اپنے دل میں رکھ نہیں سکتی۔ بات سنی اور ہر کسی کے آگے اُگلنا شروع کر دی۔ ایسی عورت اپنے گھر کا اور اپنے ملک کا بھی بیڑہ غرق کرا دیا کرتی ہے....

"اور جسے آپ نے بیکار کہا ہے، یہ بڑی قیمتی عورت ہے جو راز کی بات اپنے دل میں دفن کر دیا کرتی ہے۔ میں نے اس بُت کو یا گڑیا کو بہت ہلایا، الٹا کیا، ہر پہلو پر کر کے زور زور سے جھنجھوڑا لیکن اس نے گولی نہیں اُگلی۔ اسے آپ توڑ پھوڑ کر اس کا وجود ختم کر دیں تو ہی آپ اس کے اندر سے گولی نکال سکتے ہیں....

"یہ وہ خوبی ہے جو آپ نے فرحی میں دیکھی ہے۔ آپ آٹھ ہیں اور یہ اکیلی۔ کیا آٹھ آدمیوں سے ڈر کر اس نے آپ کو بتا دیا تھا کہ ہم کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟ میں اسے اپنی عمر کی ہمسفر بناؤں گا"۔

"آفرین اے نوجوان!" ــــ درویش نے کہا ــــ "خدا نے تجھے وہ دانش اسی عمر میں دے دی ہے جو اوروں کو عمر بھر کا تجربہ حاصل کر کے بڑھاپے میں بھی نہیں ملتی.... تُو پیدائشی دانشمند ہے" ــــ درویش نے اپنے آدمی سے کہا ــــ "تینوں گڑیوں کو اُٹھا کر سنبھال لو۔ ان کے امتحان میں شاید ہی کبھی کوئی کامیاب ہُوا ہو"۔

ایک آدمی نے تینوں بُت اٹھائے اور مشعلوں کی روشنی سے نکل گیا۔

"کھانا گرم کرو" ــــ درویش نے حکم کے لہجے میں کہا ــــ "دسترخوان لگ جائے.... فوراً".... یہ دونوں بھوکے ہیں"۔

○

اس ویرانے میں اتنا پُر تکلف کھانا حسن بن صباح کے لئے حیران کُن تھا۔ حسن اور فرحی اس قدر بھوکے تھے کہ بے صبری سے کھانا نگلتے چلے گئے۔

Scanned by iqbalmt

کھانے کے بعد درویش نے حسن بن صباح کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ باقی سب وہاں سے چلے گئے۔ حسن اور فرحی کے سونے کا الگ انتظام کر دیا گیا۔ فرحی جا کر سو گئی تھی۔

"حسن!" ــــ درویش نے کہا ــــ "تیرا نام حسن بن علی ہونا چاہئے تھا لیکن تُو نے حسن بن صباح کہلانا زیادہ پسند کیا"۔

"میرے آباواجداد میں صباح حمیری ایک شخص ہو گذرا ہے" ــــ حسن نے کہا ــــ "میرا باپ کچھ کم استاد نہیں لیکن صباح کے متعلق سنا ہے کہ اُس نے بہت ہی شہرت اور عزت پائی تھی' اور اُس کا کمال یہ تھا کہ کسی کو شک تک نہ ہونے دیا کہ وہ عیاروں کا عیار اور فریب کاروں کا اُستاد ہے۔ بس یہ وجہ ہوئی کہ میں نے بن علی کی بجائے بن صباح حمیری کہلانا زیادہ پسند کیا.... لیکن آپ کو میرا نام کس نے بتایا ہے؟"۔

"صرف نام ہی نہیں حسن!" ــــ درویش نے جواب دیا ــــ "تمہارے متعلق مجھے بہت کچھ بتایا گیا ہے۔ تم جس جگہ سے آ رہے ہو اور جس جگہ جا رہے ہو' میں ان کے درمیان ایک رابطہ ہوں' ایک رشتہ ہوں' پُل سمجھ لو اور...."

"رک جائیں" ــــ حسن اچانک بول پڑا ــــ "مجھے یاد آ گیا.... میرے استاد عبدالملک ابنِ عطاش نے مجھے بتایا تھا کہ خواب میں مجھے ایک غار نظر آئے گا اور اس غار میں میرا علم مکمل ہو جائے گا.... میں آپ کی ذات میں ایسا گم ہو گیا تھا کہ یاد ہی نہ رہا کہ میں نے خواب میں ایک غار دیکھا تھا۔ اس غار پر دھند چھائی ہوئی تھی۔ اتنا ہی پتہ چلا تھا کہ اس دھند میں کچھ ہے۔ میں نے پہلے جن غزالوں کا ذکر کیا ہے کہ خواب میں دیکھے تھے' وہ اسی دھند میں غائب ہو گئے تھے.... محترم درویش! یہ میرے خواب والا غار تو نہیں؟"

"ہاں حسن!" ــــ درویش نے کہا ــــ "غار وہی ہے لیکن تیرا علم یہاں مکمل نہیں ہو گا یہاں سے تجھے روشنی ملے گی جس میں تجھے اپنی منزل' اپنا مستقبل اور اپنی شخصیت بہت ہی بڑی نظر آئے گی۔۔۔ اب تُو یہ پوچھے گا کہ میں کون ہوں اور میں یہاں کیا کر رہا ہوں"۔

"یہ تو میں نے پوچھنا ہی ہے" ــــ حسن نے کہا۔

"اس سے پہلے کچھ ضروری باتیں سن لے حسن!" ــــ درویش نے کہا ــــ "مجھے معلوم تھا تو آئے گا۔ یہ ہمارا ایک زمین دوز نظام ہے۔ اس نظام کو ہم زمین کے اوپر لانے کی کوشش کر

رہے ہیں۔ یہاں سے وہ علاقہ شروع ہوتا ہے جس پر ہم نے قبضہ کرنا ہے۔ آگے بہت سے قلعے ہیں جن میں کچھ چھوٹے اور بعض بہت ہی چھوٹے ہیں اور چند ایک ذرا بڑے ہیں۔ ان میں کئی ایک ایسے ہیں جو چند ایک امراء کی ذاتی ملکیت بنے ہوئے ہیں۔ ہم نے ان پر قبضہ کرنا ہے"۔

"قلعے فتح کرنے کے لئے تو فوج کی ضرورت ہوتی ہے" ــــ حسن نے کہا ــــ "ہم فوج کہاں سے لائیں گے؟"

"لوگوں کی فوج بنائیں گے" ــــ درویش نے کہا۔

"لیکن کس طرح؟" ــــ حسن نے پوچھا۔

درویش نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

○

"یہ ہے وہ سبق جو میں نے تجھے دینا ہے" ــــ درویش نے کہا ــــ "تُو نے عبدالملک ابنِ عطاش کی شاگردی کر لی ہے۔ اب تُو ایک اور شخص کی شاگردی کرے گا وہ ہے احمد بن عطاش۔ آگے ایک قلعہ ہے جس کا نام قلعہ اصفہان ہے۔ احمد بن عطاش اس قلعے کا والی ہے۔ وہ تجھے علمِ سحر کا ماہر بنا دے گا....

"اب میں جو بات کہنے لگا ہوں اس کا ایک ایک لفظ غور سے سننا اور ہر لفظ کو سینے میں محفوظ رکھتے جانا۔ بنی نوع انسان دو طاقتوں کے غلبے میں ہے۔ یوں کہہ لو کہ دنیا پر دو طاقتوں کی حکومت ہے۔ ایک ہے خدا اور دوسرا ہے ابلیس۔ انسان خدا کو کئی روپ دے کر اس کی عبادت کرتا ہے۔ انسان نے سورج کو خدا بنایا' آگ کو' سانپ کو اور آسمانی بجلی کو بھی انسان نے خدا بنایا۔ آخر اسلام نے آ کر انسان کو بتایا کہ خدا کیا ہے۔ یہ بھی بتایا کہ یہ سورج' چاند' آسمانی بجلیاں' آگ' سانپ وغیرہ خدا نہیں بلکہ یہ خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اس خدا کی وحدانیت کو لوگوں نے مان لیا....

"ہم بھی خدا کو ماننے والے مسلمان ہیں لیکن ہم نے اپنا الگ فرقہ بنا لیا ہے اور ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ صحیح اسلام ہمارے پاس ہے لیکن اہلِ سنت نے لوگوں کے دلوں پر اپنے عقائد ایسے طریقے سے نقش کر دیئے ہیں کہ اب ہم ان کے عقائد کو نہیں بدل سکتے۔ ہمیں کوئی اور طریقہ

Scanned by iqbalmt

اختیار کرنا پڑے گا"۔

"کیا آپ نے کوئی طریقہ سوچا ہے؟" — حسن نے پوچھا۔

"ہاں!" — درویش نے کہا — "یہی بتانے لگا ہوں لیکن یہ طریقہ ایسا نہیں کہ پتھر اٹھاؤ اور کسی کے سر پر مارو۔ یہاں معاملہ نظریات کا ہے اور اس معاملے کو صرف تم سمجھ سکتے ہو"۔

"صرف میں کیوں؟" — حسن نے کہا — "میرا علم ابھی خام ہے اور تجربہ کچھ نہیں"۔

"تمہارے پاس سب کچھ ہے" — درویش نے کہا — "پہلے وہ سن لو جو ہم نے سوچا ہے' پھر تم خود محسوس کرو گے کہ یہ تو پہلے ہی تمہارے دل میں تھا... بات یہ ہے حسن! اہلِ سنّت نے لوگوں کا رشتہ خدا کے ساتھ براہِ راست قائم کر دیا ہے۔ عیسائیت نے بھی خدا کو ہی اوّل اور آخر قرار دیا ہے اور وہ عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ یہودی ہیں' آتش پرست ہیں' یہ بھی خدا کو مانتے ہیں۔ ہمارے لئے سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ حکومت اہلِ سنّت کی ہے"۔

"شاید آپ کو معلوم ہو گا" — حسن نے کہا — "کہ ہمارا امیر ابو مسلم رازی اس قدر کٹر سُنّی ہے کہ اُس نے میرے باپ سے کہا تھا کہ تم اپنے آپ کو اہل سنت ظاہر کرتے ہو تو اپنے بیٹے کو ایک اسماعیلی پیشوا عبدالملک ابن عطاش کی شاگردی میں کیوں بٹھا رکھا ہے؟... میرے باپ نے ابو مُسلم رازی کے عتاب سے بچنے کے لئے مجھے امام موافق کے مدرسے میں بھیج دیا تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہُوا ہے کہ ابو مسلم نے اپنے جاسوس پھیلا رکھے ہیں جو گھر گھر کی خبر رکھتے ہیں کہ کہیں سُنّی عقیدہ کے خلاف کوئی بات تو نہیں ہو رہی"۔

"ہاں حسن!" — درویش نے کہا — "ابو مُسلم رازی نے اپنے جاسوس پھیلا رکھے ہیں۔ اُسے معلوم نہیں کہ ہم نے اُس کے جاسوسوں کے پیچھے جاسوس چھوڑے ہوئے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ سلجوقی سلاطین کی حکومت ہماری دشمن ہے لیکن ہم ان کی جڑیں کھوکھلی کر دیں گے۔ ہمیں مصریوں پر بھروسہ ہے۔ وہ عبیدی ہیں اور ہمارے ہم عقیدہ بھی ہیں"۔

"محترم درویش!" — حسن نے کہا — "معلوم نہیں کیوں مجھے خیال آتا ہے کہ میں مصر جاؤں اور وہاں سے سلجوقیوں کے خلاف طاقت حاصل کروں"۔

درویش عجیب سی طرح ہنسا اور کچھ دیر حسن بن صباح کے منہ کو دیکھتا رہا۔

"کیوں محترم درویش!" — حسن نے ذرا کھسیانا سا ہو کر پوچھا — "کیا میں نے غلط بات

کہہ دی ہے؟"

"نہیں حسن!" — درویش نے کہا — "میں تمہاری اس بات سے خوش اور مطمئن ہُوا ہوں کہ تمہیں مصر کا خیال آیا ہے۔ میں خوش اس لئے ہوں کہ یہ خیال ویسے ہی نہیں آیا بلکہ تم میں ایک پُراسرار طاقت ہے جو تمہیں اشارے دیتی ہے۔ میں پورے وثوق کے ساتھ پیشین گوئی کرتا ہوں کہ تم میں نبوت کے نمایاں آثار پائے جاتے ہیں۔ تم نبی بنو یا نہ بنو' تمہیں اتنی ہی شہرت ملے گی جو صرف نبیوں کو ملا کرتی ہے۔ آنے والی نسلیں اور ان کی نسلیں ہمیشہ تمہارا نام لیتی رہیں گی... لیکن ضروری نہیں کہ تمہیں اچھے نام سے ہی یاد کیا جائے گا۔ لوگ تمہیں یاد ضرور رکھیں گے"۔

پہلے درویش کی ہنسی نکلی تھی اب حسن ہنس پڑا۔

"آپ کو میری بات سے خوشی حاصل ہوئی تھی" — حسن نے کہا — "اور مجھے آپ کی بات سے خوشی حاصل ہوئی ہے۔ معلوم نہیں کیوں مجھے بُرائی سے مسرت حاصل ہوتی ہے"۔

"میں تمہیں اسی بات پر لا رہا تھا" — درویش نے کہا — "میں خدا کا جو ذکر کر رہا تھا وہ یہ تھا کہ ایک قوت خدا کی ہے اور دوسری ابلیس کی۔ خدا کا نام لے کر لوگوں کو ان کے عقیدوں سے ہٹانا کوئی آسان کام نہیں۔ اس کام کو ہم اس طرح آسان کریں گے کہ ہم دوسری قوت کو استعمال کریں گے یعنی ابلیس کی قوت...

"بدی میں بڑی طاقت ہے حسن! بدی میں کشش ہے' بدی میں لذت ہے اور بدی میں نشہ ہے۔ یہ قوت تمہارے دل و دماغ میں موجود ہے۔ ہم لوگوں پر بدی کا نشہ طاری کریں گے۔ تمہارے ساتھ یہ جو لڑکی ہے' یہ تمہارا کام آسان کرے گی۔ اس کے ساتھ ہی ہم علمِ سحر کو کام میں لائیں گے۔ یہ علمِ سحر کا ہی کرشمہ ہے کہ تم مجھ تک پہنچے ہو۔ اب ہم نے تمہارے اس علم کی تکمیل کرنی ہے...

"انسان میں خدا نے یہ کمزوری شروع سے ہی رکھ دی تھی کہ وہ بدی کی طرف جلدی آجاتا ہے۔ وہ ابلیس ہی تھا جس نے انسان کو بہکا کر جنت سے نکالا تھا... ہم لوگوں کو دنیا میں ہی جنت دیں گے' اور یہ تم دو گے"۔

"محترم درویش!" — حسن نے کہا — "میرا خیال ہے کہ مزید باتوں کی ضرورت نہیں۔

Scanned by iqbalmt

آپ جو کچھ بھی کہے جا رہے ہیں یہ پہلے ہی میرے ذہن میں موجود ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ آپ مجھے میری اس منزل تک پہنچا دیں، جہاں سے میں اپنا محاذ کھول سکوں گا"۔

"کل صبح تم یہاں سے روانہ ہو جاؤ گے" — درویش نے کہا — "اس لڑکی کو بھی تعلیم و تربیت دی جائے گی"۔

○

حسن بن صباح کا اس درویش کے پاس اس انداز سے پہنچنا جس انداز سے اسے پہنچایا گیا' پُراسرار افسانہ لگتا ہے لیکن فرقہ باطنیہ اسی طرح زمین دوز اور پُراسرار طریقوں سے پھلا پھولا تھا۔ سلجوقی سلاطین اہلِ سنت والجماعت تھے اس لئے وہ کسی اور فرقے کا وجود برداشت نہیں کرتے تھے۔ تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے جاسوسوں اور مخبروں کے ذریعے اپنی سلطنت کے ہر گوشے میں نظر رکھی ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ فرقہ باطنیہ زمین دوز ہو گیا اور اس کے پیشواؤں نے اپنی کارروائیوں کو اتنا خفیہ کر دیا کہ جاسوسوں اور مخبروں کو بھی ان کی کارروائیوں کا علم نہیں ہوتا تھا۔

حسن بن صباح کا استاد عبدالملک ابن عطاش کوئی معمولی شخصیت نہیں تھا۔ وہ فرقہ باطنیہ کا صفِ اوّل کا پیشوا تھا۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ وہ ایک قلعے کا مالک بھی تھا۔

اگلی صبح سورج ابھی اُفق سے نہیں ابھرا تھا جب چار گھوڑے ان چٹانی بھول بھلیوں سے نکلے۔ ان کا رُخ خراسان کی طرف تھا۔ ایک گھوڑے پر حسن بن صباح سوار تھا۔ دوسرے پر فرحی' تیسرے پر درویش اور چوتھے پر درویش کا ایک آدمی سوار تھا۔

جب سورج اُفق سے اٹھ آیا اُس وقت یہ چاروں گھوڑے ایک سرسبز پہاڑی کی ڈھلان پر چڑھتے جا رہے تھے۔ یہ باقاعدہ راستہ تھا جس پر بیل گاڑیاں اور گھوڑا گاڑیاں بھی چلا کرتی تھیں۔ درویش نے گھوڑا روک لیا۔ باقی تین گھوڑے بھی رک گئے۔ درویش نے اپنے گھوڑے کا منہ اُس طرف پھیر دیا جس طرف سے وہ آئے تھے۔

"پیچھے دیکھو حسن!" — درویش نے کہا — "اور تم بھی فرحی!"

حسن اور فرحی نے پیچھے دیکھا۔ ان کے چہروں کے تاثر بدل گئے۔ اس بلندی سے انہیں دُور دُور تک پھیلا ہوا جو منظر نظر آ رہا تھا وہ کچھ عجیب سا تھا۔ جس پہاڑی کی بلندی پر وہ کھڑے تھے

بڑی خوبصورت گھاس' پھول اور پودوں اور خوشنما درختوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ پہاڑی کے دامن میں کچھ دور تک روح افزاء سبزہ زار تھا۔ دور ایک ندی ابھرتے سورج کی کرنوں میں چمک رہی تھی۔

اس سحرانگیز خطے میں میلوں رقبے میں پھیلا ہُوا ایک بے آب و گیاہ چٹانی سلسلہ تھا جو گولائی میں تھا۔ چٹانیں نوکیلی بھی تھیں۔ بعض کی چوٹیاں مخروطی تھیں۔ کچھ بہت بڑے بڑے انسانی بتوں جیسی تھیں اور زیادہ تر اس طرح گول تھیں جیسے قدرت کے ہاتھوں نے انہیں بڑی محنت سے بنایا ہو۔ ان کے وسط میں کچھ جگہ ہری بھری نظر آ رہی تھی جہاں چند ایک درخت بھی کھڑے تھے۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں درویش کا ڈیرہ تھا۔ ان چٹانوں کا رنگ سلیٹی بھی تھا اور سیاہ بھی' اور یہ خطہ ڈراؤنا سا لگتا تھا۔

"دیکھ رہے ہو حسن!" — درویش نے کہا — "تم بھی دیکھو فرحی! میں یہاں سے آگے نہیں جاؤں گا۔ یہاں تک تمہارے ساتھ اس لئے آیا ہوں کہ ایک آخری بات کہنی تھی جو یہاں آکر ہی کہی جا سکتی تھی.... زندگی ہری بھری گھاس اور پھولوں کی سیج ہی نہیں' اس میں ایسی ایسی دشواریاں بھی ہیں کہ انسان ہمت ہارنے کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ کامیاب وہی ہوتے ہیں جو ان دشواریوں میں سے گذر جاتے ہیں....

"تمہارا استاد عبدالملک ابنِ عطاش تمہیں سیدھے راستے پر بھی ڈال سکتا تھا لیکن اُس نے تمہیں اپنے علمِ سحر کے ذریعے ایسا خواب دکھایا جس میں تم کو یہ راستہ نظر آیا۔ تم ان چٹانوں کے اندر آ گئے۔ تمہیں راستہ نہیں مل رہا تھا۔ دو ناگوں نے تمہیں بھگا کر پھر وہیں پہنچا دیا جہاں سے تم اس سلسلۂ کوہ میں داخل ہوئے تھے۔ انسان کی زندگی میں ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ اُسے سمجھ نہیں آتی کہ نجات کا راستہ کون سا ہے۔ وہ حالات اور کئی طرح کی دشواریوں میں اس طرح بھٹک جاتا ہے جیسے بھُول بھلیوں میں آ گیا ہو....

"ان چٹانوں کے اندر زندگی کا ایک سبق ہے۔ دیکھو قدرت نے کیسی خوفناک جگہ کے اندر کتنا شفاف چشمہ بنا رکھا ہے اور اس کے ساتھ ہی کتنی اچھی پناہ گاہ ہے۔ ایسے چشموں تک وہی پہنچ سکتے ہیں جو ان چٹانوں سے ڈرتے نہیں' بھٹک بھٹک کر راستہ تلاش کر لیتے ہیں اور میٹھے چشمے تک پہنچ جاتے ہیں....

Scanned by iqbalmt

"ہم یہاں موجود تھے۔ ہمیں معلوم تھا کہ تم آرہے ہو۔ ہمارے آدمی تمہیں دیکھ رہے تھے۔ ہمیں پہلے بتادیا گیا تھا کہ تم آرہے ہو۔ یہ تو تم جان ہی چکے ہو کہ اس لڑکی کو ہمارے آدمی اٹھا کر لے آئے تھے۔ ہمارا کوئی آدمی ان بھول بھلیوں میں بھٹک نہیں سکتا..... میں اُس وقت تم سے بہت چھوٹا تھا جب میرا استاد مجھے یہاں لایا تھا۔ وہ باہر بیٹھ گیا تھا۔ اُس نے میری کلائی کے ساتھ ایک دھاگہ باندھ دیا تھا۔ یہ بڑا ہی لمبا دھاگہ تھا جو گولے کی شکل میں استاد نے اپنے ہاتھ میں رکھا تھا۔ اُس نے مجھے کہا تھا کہ میں باہر بیٹھوں گا‘ تم اندر چلے جاؤ‘ اندر ایک چشمہ ہے‘ ایک کوزہ اس چشمے کے پانی کا بھر لاؤ.....

"استاد نے مجھے بتایا کہ یہ دھاگہ راستے میں چھوڑتے جانا اور میں باہر بیٹھا گولے سے دھاگہ ڈھیلا کرتا جاؤں گا۔ اگر تم تھک ہار گئے اور چشمے کو نہ پا سکے تو اس دھاگے کو دیکھ دیکھ کر واپس آجانا۔ خیال رکھنا کہ دھاگہ ٹوٹ نہ جائے ورنہ اندر جا کر باہر نہیں نکل سکو گے..... میں اندر چلا گیا‘ استاد دھاگہ ڈھیلا چھوڑتا گیا..... یہ ذرا لمبی بات ہے کہ میں چشمے تک کس طرح پہنچا۔ میں اتنا زیادہ بھٹکا تھا کہ ٹانگیں اکڑ گئیں اور میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا تھا لیکن میں نے ہمت نہ ہاری اور چلتا گیا.....

"پھر میرے ہوش و حواس اندھیرے میں ہی گم ہوگئے۔ معلوم نہیں میں کتنی دیر بعد ہوش میں آیا۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ میں چشمے کے کنارے پڑا ہوا تھا۔ میں اچھل کر اٹھا۔ مٹی کا کوزہ جو میرے ہاتھ میں تھا وہ ٹوٹا پڑا تھا۔ میں بیہوش ہو کر گرا تو کوزہ پتھر پر گر کر ٹوٹ گیا تھا.....

"اپنے استاد کو یہ یقین دلانے کے لئے کہ میں چشمے تک پہنچ گیا تھا‘ میں کپڑوں سمیت چشمے میں اتر گیا اور باہر آکر چل پڑا۔ میری راہنمائی کے لئے دھاگہ موجود تھا جو میں راستے میں پھینکتا آیا تھا۔ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا کہ میں باہر اپنے استاد کے سامنے کھڑا تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ کوزہ ٹوٹ گیا ہے اور میں چشمے میں اُتر کر اپنے کپڑے بھگو لایا ہوں.....

"میں تمہیں وہ سبق دینا چاہتا ہوں جو استاد نے مجھے دیا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ زندگی کے چشمے خود چل کر کسی کے پاس نہیں آجایا کرتے‘ انسان کو چل کر ان کے پاس جانا پڑتا ہے‘ اور پھر زندگی کے چشمے ان کا استقبال کیا کرتے ہیں جو ان کی تلاش میں سنگلاخ وادیوں‘ سوکھی سڑی چٹانوں کی بھول بھلیوں میں اور پُرخار راستوں پر چلتے ہی جاتے ہیں اور پایۂ استقلال میں لغزش

نہیں آنے دیتے.....

"اور استاد نے کہا تھا کہ یہ دھاگہ جو میں نے تمہاری کلائی سے باندھا تھا‘ اسے صرف ایک دھاگہ ہی نہ سمجھنا۔ یہ دھاگہ انسانی رشتوں کی علامت ہے۔ انسانی رشتے ٹوٹنے نہیں چاہئیں۔ تم اکیلے کچھ بھی نہیں‘ تم تنہا رہ گئے تو سمجھو تمہاری ذات ہی ختم ہوگئی۔ ہمیشہ یاد رکھنا کہ رشتوں کا یہ دھاگہ نہ ٹوٹنے دینا۔ ذرا سوچو۔ اگر یہ دھاگہ ٹوٹ جاتا تو میرا اور تمہارا رشتہ ٹوٹ جاتا اور تم ان بھول بھلیوں سے نکل نہ سکتے.....

"تو یہ ہے وہ آخری سبق جو میں نے تم تک پہنچانا تھا حسن! ثابت قدم رہنا۔ تم نے فوج کے بغیر قلعے سر کرنے ہیں۔ انسانی فطرت کی کمزوریوں کو اپنے مقاصد اور مفادات کے لئے استعمال کرنا ہے۔ انسانوں پر نشہ طاری کر دو۔ نشہ دولت کا بھی ہوتا ہے‘ عورت بھی آدمی کے لئے نشہ بن جایا کرتی ہے۔ نشوں کی کمی نہیں حسن! ابلیسی اوصاف میں بڑی طاقت ہے۔ میں تمہیں راز کی ایک بات بتاتا ہوں۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو نماز اپنا فرض اور خدا کی عبادت سمجھ کر پڑھتے ہیں۔ عام لوگ نماز صرف اس لئے پڑھتے ہیں کہ اگلے جہان جنت میں جائیں گے جہاں حوریں اور شراب ملے گی اور سوائے عیش و عشرت کے کوئی کام نہیں ہوگا"۔

"میں ان لوگوں کو دنیا میں جنت دکھادوں گا"..... حسن نے پُرعزم لہجے میں کہا۔

"زندہ باد حسن بن صباح!"..... درویش نے کہا..... "اب جاؤ‘ میں یہاں سے واپس جا رہا ہوں..... الوداع!"

"الوداع!"

○

دس دنوں کی مسافت کے بعد حسن بن صباح فرحی اور اپنے رہبر کے ساتھ ایران کے جس قلعے میں داخل ہوا وہ قلعہ اصفہان تھا۔ عام طور پر اسے قلعہ شاہ در کہا جاتا تھا۔ یہ سلجوقی سلطان ملک شاہ نے تعمیر کروایا اور ذاکر نام کے ایک سرکردہ فرد کو امیرِ قلعہ یا والیِ قلعہ مقرر کیا تھا۔

ذاکر سلجوقیوں کی طرح پکا مسلمان اور اسلام کا شیدائی تھا۔ یہ کوئی بڑا قلعہ نہیں تھا کہ اس کے اندر شہر آباد ہوتا۔ اندر آبادی تو تھی لیکن چند ایک معزز اور اچھی حیثیت اور سرکاری رتبوں اور عہدوں والے لوگ‘ انتظامیہ کے اور ان لوگوں کے ذاتی ملازم رہتے تھے۔ آبادی قلعے سے باہر اور

Scanned by iqbalmt

ذرا دور دور تھی۔ اس آبادی میں فرقہ باطنیہ کے لوگ بھی رہتے تھے لیکن وہ اپنی اصلیت ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔

ذاکر کی عمر کم و بیش پچاس سال تھی اور اس کی دو بیویاں تھیں۔ دونوں کی عمریں چالیس سال سے اوپر ہو گئی تھیں۔ ذاکر کوئی عیاش آدمی تو نہ تھا پابند صوم و صلوٰۃ تھا لیکن انسانی فطرت کی کمزوریاں تو ہر انسان میں موجود ہوتی ہیں۔ ایک روز وہ ہرنوں کے شکار کو گیا۔ وہ ہرا بھرا سرسبز علاقہ تھا۔ پیڑ پودوں نے جنت کا منظر بنا رکھا تھا۔ شفاف پانی کی دو ندیوں نے کچھ اور ہی بہار بنا رکھی تھی۔

ذاکر گھوڑے پر سوار ایک ندی کے کنارے کنارے جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ چار محافظ اور دو مصاحب تھے۔ ذاکر ان کے آگے آگے جا رہا تھا۔ ندی کا موڑ تھا۔ درخت تو بہت تھے لیکن دو درخت اس کے قریب تھے۔ ایک خودرو بیل دونوں کے تنوں سے اس طرح لپٹی اور پھیلی ہوئی تھی کہ چھت سی بن گئی تھی اور اس کی شکل مٹی کے ٹیلے میں گُف جیسی بنی ہوئی تھی۔ بوتے کے پھولوں جیسے اس کے پھول تھے۔ نیچے خوشنما گھاس تھی۔

ذاکر نے وہاں جا کر گھوڑا روک لیا۔ پہلے تو اس کے چہرے پر حیرت کا تاثر آیا پھر ہونٹوں پر تبسم آیا۔

پھولدار بیل کی چھت کے نیچے ایک لڑکی بیٹھی ہوئی تھی جس کی عمر سترہ سال سے ذرا کم یا ذرا ہی زیادہ تھی۔ اس کی گود میں ہرن کا بچہ تھا۔ لڑکی کی آنکھیں ہرن کے بچے جیسی نشیلی، سیاہ اور موہنی تھیں اور اُس کا حسین چہرہ بیل کے پھولوں کی طرح کھلا ہوا تھا۔ اس کے ریشمی بالوں میں سے دو چار بال اس کے سرخی مائل سپید چہرے پر آئے ہوئے تھے۔

"یہ بچہ کہاں سے لائی ہو لڑکی؟" — ذاکر نے پوچھا۔

"جنگل میں اکیلا بھٹکتا پھر رہا تھا" — لڑکی نے جواب دیا — "بہت دن ہو گئے ہیں۔ ماں کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا...."

"کھڑی ہو کر بات کر لڑکی!" — ایک محافظ نے لڑکی کو ڈانٹ کر کہا — "امیرِ قلعہ کے احترام میں کھڑی ہو جا"۔

ذاکر نے اس محافظ کو خشمگیں نگاہوں سے دیکھا۔

"تم سب آگے چلو" — ذاکر نے محافظوں اور مصاحبوں کو حکم دیا — "پُل پر میرا انتظار کرو"۔

لڑکی کے چہرے پر خوف کا تاثر آ گیا اور وہ آہستہ آہستہ اٹھنے لگی۔ ذاکر گھوڑے سے اتر آیا اور لڑکی کے قریب جا کر ہرن کے بچے کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ لڑکی نے ہرن کا بچہ پیچھے کر لیا۔ اس کے ہونٹوں پر جو لطیف سا تبسم تھا وہ غائب ہو گیا اور خوف کی جھلک اس کی غزالی آنکھوں میں بھی ظاہر ہونے لگی۔ ذاکر نے اپنے ہاتھ پیچھے کر لئے۔

"ڈر کیوں گئی لڑکی؟" — ذاکر نے لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا — "اس بدبخت نے تمہیں ڈرا دیا ہے۔ میرے دل کو تم اور ہرن کا یہ بچہ ایسا اچھا لگا کہ میں رک گیا۔ میں امیرِ قلعہ ضرور ہوں لیکن تم پر میں کوئی حکم نہیں چلاؤں گا"۔

"میں ہرن کا یہ بچہ نہیں دوں گی"۔

"میں تم سے یہ بچہ لوں گا بھی نہیں" — ذاکر نے کہا اور اُس سے اُس کا نام پوچھا۔

"زریں!" — لڑکی نے جواب دیا۔

"کیا اس بچے کے ساتھ تمہیں بہت پیار ہے؟" — ذاکر نے پوچھا اور لڑکی کا جواب سنے بغیر بولا — "یہ بچہ اتنا پیارا ہے کہ ہر کسی کو اس پر پیار آتا ہے"۔

"نہیں امیر!" — لڑکی نے خوف سے نکل کر کہا — "یہ پیارا اور خوبصورت تو ہے لیکن میں اس سے کسی اور وجہ سے پیار کرتی ہوں۔ میں نے آپ کو بتایا ہے کہ یہ ماں کے بغیر جنگل میں بھٹکتا پھر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے اپنا بچپن یاد آ گیا جب میں بھی جنگل میں بھٹک گئی تھی اور میں اپنی ماں کو ڈھونڈتی پھرتی تھی"۔

ذاکر اس لڑکی میں اتنا محو ہو گیا کہ لڑکی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اُسے بٹھا دیا اور خود اُس کے پاس بیٹھ گیا۔ لڑکی نے اُس سے پرے ہٹنے کی کوشش نہ کی۔

"پھر تمہیں ماں کہاں ملی تھی؟" — ذاکر نے پوچھا۔

"ماں آج تک نہیں ملی" — زریں نے جواب دیا — "اُس وقت میری عمر تین چار سال تھی۔ چھوٹا سا ایک قافلہ تھا جس کے ساتھ ہم جا رہے تھے۔ میرے ماں باپ غریب لوگ تھے۔ ان کی عمر خانہ بدوشی میں گذر رہی تھی۔ میں نے ہوش سنبھالا تو اپنے آپ کو ان کے ساتھ

Scanned by iqbalmt

جنگلوں، پہاڑوں اور بیابانوں میں چلتے پھرتے اور نقل مکانی کرتے رہا"۔

"تم ان سے بچھڑ کس طرح گئی تھیں؟"

"بڑا ہی تیز و تند طوفان باد و باراں آ گیا تھا" ـــــ زریں نے جواب دیا ـــــ "قافلے والے نفسا نفسی کے عالم میں تتر بتر ہو گئے۔ چند ایک گھوڑے تھے اور دو تین اونٹ تھے۔ سب سامان سمیت اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ میرے چار اور بہن بھائی بھی تھے۔ کسی کو کسی کی خبر نہیں تھی۔ ہر کوئی جدھر منہ آیا اُدھر پناہ لینے کو اُٹھ دوڑا۔ میں اکیلی رہ گئی۔ طوفان کے تھپیڑے اس قدر تند تھے کہ میرے پاؤں اکھڑ گئے۔ میں چھوٹی سی تو تھی، طوفان نے مجھے اپنے ساتھ اُڑانا شروع کر دیا۔ اب میں باد و باراں کے رحم و کرم پر تھی...

"وہ شاید ندی نہیں تھی جس میں میں گر پڑی تھی، ویسے ہی پانی کا ریلا تھا جو مجھے اپنے ساتھ بہا لے گیا۔ میں نے چیخنا چلانا اور ماں کو پکارنا شروع کر دیا لیکن طوفان کی چیخیں اتنی بلند تھیں کہ میری چیخیں اس میں دب جاتی تھیں۔ پھر اس طرح یاد آتا ہے جیسے بڑا ڈراؤنا خواب دیکھا تھا۔ میں پوری طرح بیان نہیں کر سکتی۔ یہ بڑی اچھی طرح یاد ہے کہ میں ڈوب رہی تھی اور دو ہاتھوں نے مجھے پانی سے نکال لیا۔ میں اُس وقت کچھ ہوش میں اور کچھ بے ہوش تھی۔ اتنا یاد ہے کہ وہ ایک بزرگ صورت آدمی تھا جس نے مجھے اسی طرح اپنے سینے سے لگا لیا تھا جس طرح میں اس بچے کو گود میں اٹھائے رکھتی ہوں۔ بس یہ وجہ ہے کہ میں نے کچھ دن پہلے اس بچے کو جنگل میں بھٹکتے دیکھا تو اسے اٹھا لیا۔ میں اسے اپنے ہاتھ سے دودھ پلاتی ہوں"۔

"تو کیا اس شخص نے تمہیں پالا پوسا ہے؟" ـــــ ذاکر نے پوچھا ـــــ "یا تمہیں ماں باپ مل گئے تھے؟"

"نہیں امیر!" ـــــ زریں نے جواب دیا ـــــ "وہ کہاں گئے معلوم نہیں۔ بے چارے خود بھی زندہ ہیں یا نہیں۔ مجھے اس بزرگ ہستی نے اپنی بیٹی سمجھ کر پالا پوسا ہے۔ میں انہیں ہی اپنا باپ اور ان کی بیوی کو اپنی ماں سمجھتی ہوں۔ ان سے مجھے بہت پیار ملا ہے اور ایسی زندگی ملی ہے جیسے میں شہزادی ہوں"۔

"کون ہیں یہ لوگ؟"

"احمد بن غطاش!" ـــــ زریں نے جواب دیا ـــــ "قلعے کے باہر رہتے ہیں۔ مذہب کے

عالم ہیں اور پکے اہلِ سُنت ہیں"۔

زریں کا اندازِ بیاں ایسا معصوم اور بھولا بھالا تھا کہ ذاکر اس میں جذب ہو کے رہ گیا جیسے اس کی اپنی کوئی حیثیت ہی نہ رہی ہو۔ کچھ تو لڑکی بڑی پیاری تھی اور کچھ یہ وجہ بھی تھی کہ لڑکی نے اپنی زندگی کی ایسی کہانی سنائی تھی جس سے ذاکر کے دل میں اس کی ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے لڑکی کے ساتھ ایسے انداز سے اور اس قسم کی باتیں شروع کر دیں جیسے ہمجولی کیا کرتے ہیں۔ زریں میں اتنی معصومیت اور سادگی تھی کہ وہ بچوں کی طرح ذاکر میں گھل مل گئی۔

ذاکر نے ہاتھ بڑھا کر بیل سے ایک پھول توڑا۔

"زریں!" ـــــ ذاکر نے بڑے پیار سے کہا ـــــ "اس پھول میں میرا پیار ہے۔ یہ تم لے لو"۔

زریں نے پھول لے لیا اور چھوٹے سے بچے کی طرح ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی ایسی تھی جیسے جلترنگ سے نغمہ پھوٹا ہو۔

"ایک بات بتاؤ زریں!" ـــــ ذاکر نے کہا ـــــ "کیا تم نے میرا یہ پھول دل سے قبول کر لیا ہے؟"

"ہاں تو!" ـــــ زریں نے کہا ـــــ "پیار کو کون قبول نہیں کرتا!"

"تو کیا تم میرے گھر آنا پسند کرو گی؟" ـــــ ذاکر نے کچھ التجا کے لہجے میں پوچھا۔

"وہ کیوں؟"

"میں تمہیں ہمیشہ اپنے پاس رکھوں گا" ـــــ ذاکر نے کہا ـــــ "میں تمہیں اپنی زندگی کا ساتھی بنانا چاہتا ہوں"۔

"تو پھر میں کیوں آؤں؟" ـــــ زریں نے بڑے شگفتہ لہجے میں کہا ـــــ "آپ کیوں نہیں آتے؟"

"نہیں زریں!" ـــــ ذاکر نے کہا ـــــ "تم اتنی معصوم ہو کہ میری بات سمجھ نہیں سکیں۔ میں تمہیں اپنے گھر لانا چاہتا ہوں۔ تم مجھے اس پھول جیسی پیاری لگتی ہو"۔

"پھول کسی کے پاس چل کر نہیں جایا کرتے امیرِ محترم!" ـــــ زریں نے مسکراتے ہوئے کہا ـــــ "پھولوں کے شیدائی خود چل کر پھولوں کے پاس جایا کرتے ہیں اور وہ کانٹوں میں سے

بھی پھول توڑ لیا کرتے ہیں۔ آپ نے یہ پھول جو مجھے دیا ہے' ہاتھ لمبا کر کے توڑا ہے۔ آپ
سی پھول کو حکم دیں کہ وہ آپ کے پاس آ جائے۔ کیا پھول آپ کے حکم کی تعمیل کرے گا؟"
ذاکر نے قہقہہ لگایا اور اس کے ساتھ ہی لڑکی کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے کر اپنے
قریب کر لیا۔ زریں نے مزاحمت نہ کی۔

"تم جتنی حسین ہو اتنی ہی دانشمند ہو"۔۔۔ ذاکر نے کہا۔۔۔ "اب تو میں تمہیں ہر قیمت پر
حاصل کروں گا"۔

"اور میں اپنی جان کی قیمت دے کر بھی آپ سے بھاگوں گی"۔۔۔ زریں نے پہلے جیسی
شگفتگی سے کہا۔

"وہ کیوں؟"

"میں نے بادشاہوں کی بہت کہانیاں سنی ہیں"۔۔۔ زریں نے کہا۔۔۔ "آپ جیسے امیر بھی
بادشاہ ہوتے ہیں۔ مجھ جیسی لڑکی پر فریفتہ ہو کر اسے زر و جواہرات میں تول کر اپنے حرم میں ڈال
لیتے ہیں اور جب انہیں ایسی ہی ایک اور لڑکی مل جاتی ہے تو وہ پہلی لڑکی کو حرم کے کباڑ خانے
میں پھینک دیتے ہیں۔ میں فروخت نہیں ہونا چاہتی اے امیر قلعہ!... ہاں اگر آپ کے سپاہی
مجھے زبردستی اٹھا کر آپ کے محل میں پہنچا دیں تو میں کچھ نہیں کر سکوں گی۔ میرا بوڑھا باپ احمد
بن غطاش بھی سوائے آنسو بہانے کے کچھ نہیں کر سکے گا۔ وہ بوڑھا بھی ہے' عالم دین بھی ہے
اور وہ شاید تلوار بھی نہیں چلا سکتا"۔

"نہیں زریں!"۔۔۔ ذاکر نے کہا۔۔۔ "احمد بن غطاش کی طرح میں بھی سُنّی مسلمان ہوں۔
کیا تم نے کبھی مسلمانوں میں کوئی بادشاہ دیکھا ہے؟ پھر میں کسی ملک کا حکمران نہیں۔ میں سلجوقی
سلطان کا ملازم ہوں۔ حکومت سلطان ملک شاہ کی ہے۔ وہ بھی اپنے آپ کو بادشاہ نہیں سمجھتے
میرے پاس کوئی حرم نہیں۔ دو بیویاں ہیں جو جوانی سے آگے نکل گئی ہیں۔ وہ تمہاری خدمت کیا
کریں گی اور وہ تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوں گی"۔

اُس دور میں عربوں میں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کا رواج تھا۔ اُس وقت سوکن کا تصور
نہیں تھا۔ بیویاں ایک دوسری کے ساتھ خوش و خرم رہتی تھیں۔ یہاں تک بھی ہوتا تھا کہ
خاوند عیاش طبیعت ہو تو کبھی کبھی کوئی بیوی اپنی کسی سہیلی کو ایک آدھ رات کے لئے اپنے

خاوند کو تحفے کے طور پر پیش کرتی تھی۔ داستان گو جس دَور اور جس خطے کی کہانی سنا رہا ہے' وہاں
سلجوقی سلاطین کی حکومت تھی۔ سلجوقی ترک تھے۔ ان کے ہاں بھی یہی رواج تھا۔ اسلام قبول
کر کے انہوں نے بھی اپنے آپ کو پابند کر لیا تھا کہ ایک آدمی زیادہ سے زیادہ چار بیویاں رکھ سکتا
ہے۔ حرم کا تصوّر عربوں کی طرح ان کے ہاں بھی ناپید تھا۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ سلجوقی
بیویوں کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔

زریں نے جب ذاکر سے یہ سنا کہ اس کی دو بیویاں ہیں اور دونوں جوانی سے آگے نکل گئی
ہیں تو اُس پر ایسا کوئی اثر نہ ہُوا کہ اس کی دو سوکنیں ہوں گی۔

"میں تمہیں زبردستی نہیں اٹھواؤں گا زریں!"۔۔۔ ذاکر نے کہا۔۔۔ "نہ میں تمہیں زر و
جواہرات میں تولوں گا۔ میں اللہ اور رسولؐ کے احکام کے مطابق تم سے نکاح پڑھواؤں گا۔ فیصلہ
تم کرو گی"۔

"تو پھر اُس پودے کے پاس جائیں جس کا پھول توڑتا ہے"۔۔۔ زریں نے کہا۔

"ہاں زریں!"۔۔۔ ذاکر نے کہا۔۔۔ "میں تمہاری بات سمجھ گیا ہوں۔ میں احمد بن غطاش
کے ساتھ بات کروں گا.... میں تمہیں یہ بھی بتا دیتا ہوں زریں! پہلے تو مجھے تمہارا یہ معصوم حسن
اچھا لگا تھا لیکن میں نے دیکھا کہ تم میں عقل و دانش بھی ہے تو میں نے کہا تھا کہ میں تمہیں ہر
قیمت پر حاصل کروں گا۔ یہ اس لئے کہا تھا کہ میں اس قلعے کا حاکم ہوں۔ تم جیسی دانشمند بیوی
میرے لئے سودمند ثابت ہو گی۔ تم مجھے سوچ بچار میں مدد دو گی"۔

"میرے باپ سے فیصلہ لے لیں"۔۔۔ زریں نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔۔۔ "میں نے
آپ کو ٹھکرایا نہیں لیکن میں آپ کو یہ بتا دیتی ہوں کہ مجھے دولت نہیں محبت چاہئے"۔

ذاکر نے زریں کا ایک ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر ذرا ملا اور کچھ دیا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

"زریں!"۔۔۔ ذاکر نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا۔۔۔ "میری فطرت بادشاہوں جیسی ہوتی تو
میں زر و جواہرات کی ایک تھیلی تمہارے قدموں میں رکھ دیتا لیکن نہیں۔ میں محبت کو محبت سے
خریدوں گا"۔

ذاکر گھوڑے پر سوار ہُوا اور ایڑ لگا دی۔ اس کے محافظ اور مصاحب ندی کے پُل پر اس کے
منتظر تھے

Scanned by iqbalmt

"ایک بات غور سے سن لو" ——— ذاکر نے کہا ——— "اگر کوئی ہرن سامنے آئے تو مجھے دیکھ کر یہ ضرور بتا دیا کرو کہ یہ نر ہے یا مادہ۔ میں کبھی کسی ہرنی کو نہیں مارتا۔ ہو سکتا ہے وہ بچے والی ہو"۔

○

ذاکر شکار سے واپس آ رہا تھا۔ اُس نے ایک ہی ہرن مارا تھا لیکن اُس روز وہ بہت بڑا شکار کھیل آیا تھا۔ وہ زرّیں تھی جو ادھ کِھلے پھول کی طرح معصوم تھی۔

ذاکر کو ابھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ وہ شکار کر کے آیا ہے یا خود شکار ہو گیا ہے۔

زرّیں نے اُسے اپنی بستی بتا دی تھی جو قلعے سے تھوڑی ہی دور تھی۔ اس بستی کے قریب آ کر ذاکر نے گھوڑا روک لیا اور اپنے ایک مصاحب سے کہا کہ یہاں احمد بن غطاش نام کا ایک عالمِ دین رہتا ہے اُسے میرا اسلام پہنچایا جائے۔

ایک مصاحب نے گھوڑا دوڑا دیا اور وہ بستی کی گلیوں میں غائب ہو گیا۔ جب وہ واپس آیا تو اُس کے ساتھ ایک آدمی تھا جو سر سے پاؤں تک سفید چغے میں ملبوس تھا۔ اُس کے سر پر سلجوقی ٹوپی تھی اور ٹوپی پر سفید رومال تھا جو کندھوں تک لٹک رہا تھا۔ اس کی داڑھی لمبی تھی اور اس کے لباس کی طرح سفید۔ ذاکر نے اسے بستی سے نکلتے دیکھا تو گھوڑے سے کود کر اترا اور بہت ہی تیز چلتا اس شخص تک پہنچا۔ جھک کر سلام کیا پھر اُس کے گھٹنے چھو کر مصافحہ کیا۔

"احمد بن غطاش؟"

"ہاں امیرِ قلعہ!" ——— اس شخص نے کہا ——— "احمد بن غطاش میں ہی ہوں ... میرے لئے حکم؟"

"کوئی حکم نہیں اے عالمِ دین!" ——— ذاکر نے التجا کے لہجے میں کہا ——— "ایک درخواست ہے۔ کیا آپ آج کا کھانا میرے ہاں کھانا پسند فرمائیں گے؟"

"زہے نصیب!" ——— احمد بن غطاش نے کہا ——— "حاضر ہو جاؤں گا .... مغرب کی نماز کے بعد؟"

ذاکر نے ایک بار پھر جھک کر اُس سے مصافحہ کیا اور واپس آ گیا۔

مغرب کی نماز کے بعد احمد بن غطاش ذاکر کے محل نما مکان میں اُس کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھا تھا۔ کھانے کے دوران ہی ذاکر نے درخواست کے لہجے میں احمد بن غطاش سے کہا کہ وہ اس

کی بیٹی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ زرّیں اُسے کہاں ملی تھی اور یہ بھی کہ زرّیں نے اسے بتایا تھا کہ وہ احمد بن غطاش کی بیٹی کس طرح بنی تھی۔

"اللہ نے میری دعائیں قبول کر لی ہیں" ——— احمد بن غطاش نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا ——— "میں نے اس بچی کو طوفان میں سے نکالا تھا اور اسے بڑے پیار سے پالا ہے۔ میں دعائیں مانگا کرتا تھا کہ اس بچی کی زندگی خانہ بدوشوں جیسی نہ ہو اور اس کا مستقبل روشن ہو۔ اگر آپ نے اسے اپنی رفاقت کے قابل سمجھا ہے تو بچی کے لئے اور میرے لئے اور خوش نصیبی کیا ہو گی"۔

○

دو چار ہی دنوں بعد زرّیں دلہن کے لباس میں ذاکر کی زندگی میں داخل ہو گئی۔ ذاکر کی دونوں بیویوں نے بڑے پیار سے اس کا استقبال کیا۔ ذاکر نے دو خادمائیں زرّیں کے لئے وقف کر دیں۔

"مجھے کسی خادمہ کی ضرورت نہیں" ——— زرّیں نے ذاکر سے کہا ——— "میں آپ کی خدمت اپنے ہاتھوں کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے دیکھا ہے کہ رات کو آپ دودھ پیتے ہیں تو وہ خادمہ آپ کو دیتی ہے۔ آئندہ یہ دودھ میں خود آپ کے لئے تیار کیا کروں گی۔ میں جانتی ہوں آپ دودھ میں شہد ملا کر پیتے ہیں"۔

ذاکر کی عمر پچاس سال ہو چکی تھی۔ اسے غالباً توقع نہیں تھی کہ سترہ سال عمر کی اتنی حسین لڑکی اس پر فریفتہ ہو جائے گی۔ اُس نے زرّیں کو اجازت دے دی کہ رات کا دودھ وہ خود اسے پلایا کرے گی۔

کچھ دنوں بعد زرّیں نے ذاکر سے کہا کہ جس شخص نے اسے طوفان سے بچایا اور اتنے پیار سے پالا ہے، اس کے بغیر وہ اپنی زندگی بے مزہ سی محسوس کرتی ہے۔ ذاکر احمد بن غطاش کو اجازت دے دے کہ وہ ایک دو دنوں بعد کچھ وقت یہاں گزارا کرے۔

مختصر یہ کہ یہ نوخیز لڑکی ذاکر کے دل و دماغ پر چھا گئی۔ ذاکر نے احمد بن غطاش کو بلا کر بڑے احترام سے کہہ دیا تھا کہ وہ جب چاہے اس کے گھر آ جایا کرے اور جتنے دن چاہے رہا کرے۔

ذاکر کو ذرا سا بھی شک نہ ہوا کہ احمد بن غطاش چاہتا ہی یہی ہے کہ اسے ذاکر کے گھر میں داخلہ مل جائے اور احمد اپنی سازش کو اگلے مرحلے میں داخل کرے۔ وہ اجازت مل گئی اور احمد ذاکر

Scanned by iqbalmt

کے گھر جانے لگا۔

ذاکر کو یہ شک بھی نہ ہُوا کہ احمد بن غطاش کٹر باطنی ہے اور فرقہ باطنیہ کا پیشوا اور اس فرقے کی زمین دوز تنظیم کا بڑا ہی خطرناک لیڈر ہے۔ وہ جس بستی میں رہتا تھا وہاں باقاعدہ خطیب بنا ہُوا تھا اور ہر کوئی اسے اہلِ سُنت سمجھتا تھا۔

تاریخ نویس ابوالقاسم رفیق دلاوری مرحوم نے مختلف مؤرخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک طرف ایک نوخیز لڑکی امیرِ قلعہ کے اعصاب پر غالب آگئی اور دوسری طرف احمد بن غطاش نے مذہب کے پردے میں اپنی زبان کا جادو چلانا شروع کر دیا۔ ذاکر احمد بن غطاش سے اس قدر متاثر ہُوا کہ اُس نے بعض سرکاری امور میں بھی اُس سے مشورے لینے شروع کر دیئے۔ زرّیں کو خصوصی ٹریننگ دی گئی تھی جس کے مطابق وہ ذاکر کو ہپناٹائز کئے رکھتی تھی۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس لڑکی نے ذاکر کو یہ جو پیشکش کی تھی کہ اُسے وہ خود دودھ پلایا کرے گی' اس سازش کی ایک اہم کڑی تھی۔ وہ دودھ میں اُسے ہر روز کچھ گھول کر پلاتی تھی جس کے فوری طور پر اثرات ظاہر ہونے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ یہ اثرات اندر ہی اندر اپنا کام کر رہے تھے۔ اس دوائی میں نشے کا بھی کچھ اثر تھا جو کچھ اس طرح تھا کہ ذاکر کے مزاج میں بڑی خوشگوار تبدیلی آجاتی تھی اور وہ زرّیں کے ساتھ ہم عمر ہمجولیوں کی طرح کھیلنے لگتا تھا۔

صرف ایک بار ایسے ہُوا کہ ذاکر کی ایک بیوی نے زرّیں کو پُڑیا دودھ میں ڈالتے دیکھ لیا اور زرّیں سے پوچھا بھی کہ اس نے دودھ میں کیا ڈالا ہے۔ زرّیں نے بڑی خود اعتمادی سے کہا کہ اس نے کچھ بھی نہیں ڈالا۔ اس بیوی نے ذاکر کو بتایا اور کہا کہ اُسے شک ہے کہ زرّیں ذاکر کو دودھ میں کوئی نقصان دہ چیز پلا رہی ہے۔ ذاکر کا ردِ عمل یہ تھا کہ اُس نے اس بیوی کو طلاق تو نہ دی لیکن اسے یہ سزا دی کہ اسے الگ کر دیا اور اُس کے ساتھ کچھ عرصے کے لئے میاں بیوی کے تعلقات ختم کر دیئے۔

کم و بیش تین مہینوں بعد ذاکر صاحبِ فراش رہنے لگا لیکن وہ یہ بیان نہیں کر سکتا تھا کہ بیماری کیا ہے اور تکلیف کس نوعیت کی ہے۔ طبیبوں نے اس کے علاج میں اپنا پورا علم صرف کر ڈالا لیکن نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ اٹھ کر ایک قدم بھی چلنے کے قابل نہ رہا۔

اُس کے بستر کے قریب احمد بن غطاش اور زرّیں ہر وقت موجود رہتے تھے۔ اس کیفیت میں

مریض کو وہ انسان فرشتہ لگتا ہے جو اُس کی تیمارداری پوری ہمدردی سے کرے اسے یہ احساس دلاتا رہے کہ وہ جلدی ٹھیک ہو جائے گا۔

احمد بن غطاش نے اُس کے پاس بیٹھ کر بڑی ہی پُرسوز آواز میں تلاوتِ قرآن پاک شروع کر دی۔ ذاکر کو اس سے کچھ سکون ملتا تھا۔

پھر وہ وقت بھی آگیا کہ ذاکر نے کہا کہ وہ زندہ نہیں رہ سکے گا۔ اُس نے سلطان ملک شاہ کے نام ایک پیغام لکھوایا جس میں اُس نے احمد بن غطاش کی دانشمندی اور علم و فضل کا ذکر کیا اور لکھوایا کہ اُس کی آخری خواہش ہے کہ اس قلعے کا امیر احمد بن غطاش کو مقرر کیا جائے۔

ذاکر مرتے دم تک احمد بن غطاش کو سُنّی سمجھتا رہا۔ دو چار روز بعد وہ اللہ کو پیارا ہو گیا۔

اُس کی موت کی اطلاع سلطان ملک شاہ کو ملی تو اُس نے پہلا حکمنامہ یہ جاری کیا کہ آج سے قلعہ شاہ در کا امیر احمد بن غطاش ہے۔

اُس وقت تک بہت سے باطنیوں کو قید میں ڈالا جا چکا تھا۔ سلجوقی چونکہ اہلِ سُنّت و الجماعت تھے اس لئے انہیں جوں ہی پتہ چلتا تھا کہ فلاں شخص اسماعیلی یا باطنی ہے اُسے قید میں ڈال دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ زیادہ تر باطنی اپنے آپ کو سُنّی کہلاتے تھے لیکن خفیہ طریقوں سے وہ بڑی ہی خوفناک سازشیں تیار کر رہے تھے۔

احمد بن غطاش نے امیرِ قلعہ بنتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ اُن تمام باطنیوں کو جو قلعے کے قید خانے میں بند تھے' رہا کر دیا' پھر اُس نے دربدر باطنیوں کو قلعے کے اندر آباد کرنا شروع کر دیا اور باطنیوں پر جو پابندیاں عائد تھیں وہ منسوخ کر دیں۔

اس کے فوراً" بعد قافلے لُٹنے لگے اور رہزنی کی وارداتیں بڑھنے لگیں۔ ان وارداتوں کا مقصد پیسہ اکٹھا کرنا تھا۔

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ احمد بن غطاش علمِ نجوم اور علمِ سحر کا ماہر تھا۔ خطابت میں اس کی مہارت ایسی تھی کہ سننے والے پر طلسماتی سا تاثر طاری ہو جاتا تھا۔

یہ تھا وہ قلعہ شاہ در جس میں حسن بن صباح فرحی اور اپنے راہبر کے ساتھ داخل ہُوا تھا۔ راہبر اُسے سیدھا امیرِ قلعہ احمد بن غطاش کے گھر لے گیا۔ یہ گھر محل جیسا مکان تھا۔ احمد بن غطاش کو اطلاع ملی کہ رے سے حسن بن صباح آیا ہے تو اُس نے کہا کہ اسے فوراً" اندر بھیجا

Scanned by iqbalmt

جائے۔

"آؤ نوجوان!" ــــ احمد بن عطاش نے حسن بن صباح کو اپنے سامنے دیکھ کر کہا ــــ "میں نے تیری بہت تعریفیں سنی ہیں۔ آج آرام کرلو کل صبح سے تمہیں بتایا جائے گا کہ کیا کرنا ہے اور اب تک کیا ہو چکا ہے"۔

حسن بن صباح نے جھک کر سلام کیا اور باہر نکل آیا۔ اُس وقت سلطان ملک شاہ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اُس کی سلطنت میں ابلیس اُتر آیا ہے۔

حسن بن صباح اُس جگہ پہنچ گیا جہاں سے اُس نے اپنے تاریخی سفر کا آغاز کرنا تھا۔ ابلیس اُس کا ہمسفر اور ابلیس ہی اُس کا میرِ کارواں تھا۔

حسن بن صباح ایک انسان تھا..... تن تنہا..... اکیلا انسان..... سلاطین سلجوق کی سلطنتِ اسلامیہ کا ایک فرد جس کی حیثیت ایک عام اور گمنام آدمی سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں تھی۔ وہ کسی قبیلے کا سردار نہیں تھا۔ اُس کے پاس کوئی لشکر نہیں، کوئی فوج نہیں تھی۔ وہ چار آدمی بھی اس کے ساتھ نہیں تھے جو تیغ زن یا تیر انداز ہوتے۔ وہ خود بھی تو شمشیر زن اور شہسوار نہیں تھا۔ اُس کے پاس صرف ایک طاقت تھی، اور وہ تھی ابلیسیّت!

اس ایک آدمی نے اسلام کی عمارت کو بھونچال کے جھٹکوں کی طرح ہلا ڈالا اور ثابت کر دیا تھا کہ ابلیسی طاقتیں خدائی طاقت کو چیلنج کر سکتی ہیں۔ یہ بعد کی بات ہے کہ خدائی طاقت کو چیلنج کرنے والے کیسے کیسے بھیانک انجام کو پہنچے

اسلام آج تک ابلیسی طاقتوں کے لئے چیلنج بنا ہُوا ہے۔ ایک وقت تھا کہ مسلمانوں نے اُس دور کی دو سپر پاورز، روم اور فارس کو ریت کے گھروندوں کی مانند روند کر ان ملکوں میں اللہ کی حکومت قائم کر دی تھی۔ پھر مسلمان جدھر کا رخ کرتے اُدھر بغیر لڑے قلعے ان کے حوالے کر دیئے جاتے تھے۔ مسلمانوں نے ملک نہیں لوگوں کے دل فتح کئے تھے۔ انہوں نے اپنی دہشت طاری نہیں کی دستگیری کی تھی۔ مظلوم و مجبور رعایا کی دستگیری!

آج مسلمان ابلیسی طاقتوں کے محاصرے میں آئے ہوئے ہیں اور ان کا قتلِ عام ہو رہا ہے۔ یہ اسلام کو ختم کرنے کے جتن ہیں لیکن

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

قتل مسلمان ہو رہے ہیں، اسلام زندہ ہے اور زندہ رہے گا
پروانے جل رہے ہیں، چراغ روشن ہے اور روشن رہے گا۔

جس چراغ کو غارِ حرا کی تاریکی نے نور عطا کیا تھا، وہ اسلام کے جاں نثاروں کے لہو سے جل رہا ہے۔

دنیا میں مسلمانوں کا نام و نشان نہیں رہے گا۔ صرف ایک مسلمان حاملہ عورت زندہ رہے

Scanned by iqbalmt

گی۔ اُس کے بطن سے جو بچہ پیدا ہوگا' وہ اسلام کو زندہ رکھے گا۔

داستان گو حسن بن صباح کی داستان سنا رہا ہے لیکن وہ محسوس کرتا ہے کہ مختصر سا قصہ تکذیب کے اُن علمبرداروں کا بھی سنا دے جنہوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے ساتھ ہی نبوت کے دعوے کئے اور اپنے اپنے انجام کو پہنچے تھے۔

حسن بن صباح بھی اپنے ذہن اور دل میں نبوت کے عزم کی پرورش کر رہا تھا۔

تکذیب اور ارتداد کا مقصد اسلام کی بیخ کنی تھا۔ یہ سلسلہ بڑا ہی دراز ہے۔ داستان گو اس کی جھلک پیش کرے گا تاکہ یہ اندازہ ہو جائے کہ دین کے دشمن اُسی روز سے اسلام کے درپے ہیں جس روز پہلے آدمی نے اسلام قبول کیا اور اس شہادت کا اقرار کیا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اللہ واحدہٗ لاشریک ہے' محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

اسلام نے یہود و نصاریٰ اور تکذیب و ارتداد کے بڑے تیز و تند طوفان دیکھے ہیں لیکن اللہ کا سچا دین تاقیامت زندہ و پائندہ رہنے کے لئے آیا تھا۔

حسن بن صباح کی جنت اسی اسلام دشمن سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

○

آیئے' ذرا ابلیس کا رقص دیکھ لیجئے پھر حسن بن صباح کو سمجھنا آسان ہو جائے گا ورنہ بے خبر لوگ جو اُس کے صرف نام سے واقف ہیں' اُسے افسانوی کردار ہی سمجھتے رہیں گے۔

سجاح بنت حارث تمیمہ ہوازن کے قبیلہ بنو تمیم کی سرکردہ عورت تھی۔ عیسائیت کی پیرو کار تھی اور وہ دریائے دجلہ اور فرات کے اُس درمیانی علاقے کی رہنے والی تھی جو الجزیرہ کہلاتا ہے۔ وہ عالم شباب میں تھی اور حسین بھی تھی۔

اُس کے حُسن کے متعلق مؤرخ لکھتے ہیں کہ بنو تمیم میں اُس سے زیادہ حسین عورتیں بھی موجود تھیں لیکن سجاح کی شکل و شباہت اور جسم کی ساخت میں کوئی ایسا تاثر تھا جو دیکھنے والوں کو مسحور کر لیتا تھا۔ اس کا زیرِ لب تبسم اپنا ایک اثر پیدا کرتا تھا لیکن اُس کا اصل حُسن اُس کے اندازِ دلربائی میں تھا۔ وہ جب بات کرتی تھی تو اُس کے ہاتھوں کی حرکت' آنکھوں کے بدلتے ہوئے زاویے اور گردن کے خم دوسروں کے دل موہ لیتے تھے۔

اُس نے اپنے آپ میں یہ خوبی بھی پیدا کر رکھی تھی کہ اُس کے پاس کوئی عبادت گذار اور پارسا آ بیٹھتا تو وہ ایسے انداز سے بات کرتی تھی کہ پارسا اُسے اپنے سے زیادہ پارسا سمجھ لیتے اور اس کے عقیدت مند ہو جاتے تھے۔ کوئی عیاش دولت مند اُس کے پاس آتا تو وہ اس عورت کو اپنے جیسی سمجھ کر اُس پر دولت نچھاور کرنے لگتا مگر سجاح اُسے اپنے جسم سے دو ہاتھ دور ہی رکھتی تھی۔ وہ شخص اُس کا گرویدہ ہو جاتا اور اُس کے اشاروں پر ناچتا تھا۔

کوئی امیر ہوتا یا غریب' گناہ گار ہوتا یا نیکوکار' وہ سجاح کو اپنا مونس و غم خوار سمجھتا تھا۔

مؤرخوں نے متفقہ طور پر لکھا ہے کہ سجاح کاہنہ تھی۔ اُس زمانے میں وہ آدمی جو مذہبی پیشوا ہونے کے ساتھ ساتھ علمِ جوتش و نجوم کا بھی ماہر ہوتا اور آنے والے وقت کے متعلق پیش گوئی کی اہلیت رکھتا وہ کاہن کہلاتا تھا اور ایسی عورت کو کاہنہ کہتے تھے۔

وہ توہم پرستی اور پسماندگی کا دور تھا۔ لوگ جوتشیوں اور نجومیوں کے آگے سجدے کرتے اور قسمت کا حال پوچھتے تھے۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ کاہن بگڑی ہوئی قسمت کو سنوار سکتے ہیں۔

تاریخ نویس ابوالقاسم رفیق دلاوری' ابنِ اثیر' بلاذری اور ''دبستان مذاہب'' کے حوالوں سے لکھتے ہیں ___ ''سجاح بنت حارث فصیح اور بلیغ اور بلند حوصلہ عورت تھی۔ اسے تقریر و گویائی میں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ جدتِ فہم' جودتِ طبع اور اصابتِ رائے میں اپنی نظیر نہیں رکھتی تھی''۔

ایک تو عالمِ شباب تھا' دوسرے اندازِ دلربائی تھا اور تیسرے یہ کہ اُس نے شادی نہیں کی تھی۔ دولت والے' جاگیروں والے وہ تاجر جن کا مال سینکڑوں اونٹوں پر آتا اور جاتا تھا' اُس کی رفاقت کے امیدوار تھے۔ وہ اپنا دامن بچائے رکھتی اور کسی کو مایوس بھی نہیں کرتی تھی۔

انسانی فطرت کے عالم لکھتے ہیں کہ عربی عراق کی یہ عورت کاہنہ تھی یا نہیں البتہ اپنے ناز و انداز سے وہ جس طرح پتھروں کو بھی موم کر لیتی تھی' اس سے یہ یقینی تاثر ابھرتا تھا کہ وہ ساحرہ ہے۔ وہ اپنے مذہب عیسائیت کی پیشوا بنی ہوئی تھی یہ اُس کا ظاہری روپ تھا جو دراصل بہروپ تھا۔ اُس نے اندرونی طور پر اپنے کردار میں ابلیسی اوصاف پیدا کر لئے تھے اور وہ اُس مقام پر پہنچ گئی تھی جہاں انسان مکمل ابلیس بن جاتا ہے اور اس میں مسحور کر لینے والے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔

○

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے تو نبوت کے متعدد دعویدار پیدا ہو گئے۔ ان

Scanned by iqbalmt

میں جس نے سب سے زیادہ شہرت پائی وہ مسیلمہ تھا۔ اُس کا نام مسیلمہ بن کبیر تھا۔ رحمٰن یمامہ کے نام سے مشہور تھا۔ آخر وہ مسیلمہ کذاب اور کذّابِ یمامہ کے نام سے مشہور ہُوا کیونکہ جھوٹ بولنے میں وہ یکتا تھا۔ جھوٹ بھی وہ ایسے انداز سے بولتا تھا کہ جو لوگ جانتے تھے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے وہ بھی اُس کے جھوٹ کو سچ مان لیتے تھے۔

عجیب بات یہ ہے کہ مسیلمہ کی عمر سو سال کے لگ بھگ تھی جب اُس نے نبوّت کا دعویٰ کیا تھا۔ اُس کی جسمانی صحت کا یہ عالم تھا کہ جسمانی طاقت کے مظاہروں میں جوان بھی اُس کے مقابلے میں بعض اوقات پیچھے رہ جاتے تھے۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ خوراک اچھی ہونے کے علاوہ وہ فطری طور پر متحمل مزاج تھا۔ کوئی اُس کے منہ پر اس کے خلاف بُری بات کہہ دیتا تو اسے بھی وہ خندہ پیشانی سے برداشت کرتا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رہتی تھی۔ غصہ تو اسے آتا ہی نہیں تھا۔ اپنے دشمن سے بھی انتقام نہیں لیتا تھا بلکہ ایسی بُردباری اور نرمی سے بات کرتا تھا کہ دشمن بھی اُس کے قائل ہو جاتے تھے۔

ایسے کردار اور عادات کی بدولت ایک تو اُس کی صحت ضعیف العمری میں بھی جوانوں جیسی رہی اور دوسرے یہ اثرات دیکھنے میں آئے کہ اُس نے نبوّت کا دعویٰ کیا تو لوگ اُس کے گرویدہ ہو گئے۔

مسیلمہ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں ہی نبوّت کا دعویٰ کر دیا تھا لیکن اُس نے یہ نہیں کہا تھا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول نہیں بلکہ اُس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ رسالت میں برابر کا شریک ہے اور اُس پر بھی وحی نازل ہوتی ہے۔ اُس نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں خط لکھا تھا کہ وہ نبوّت میں آپؐ کا برابر کا شریک ہے اور عرب کی سرزمین نصف آنحضورؐ کی اور نصف اُس کی ہے۔

تاریخوں میں آیا ہے کہ جب یہ خط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپؐ نے قاصد سے کہا۔۔۔ "اگر قاصد کا قتل جائز ہوتا تو میں تجھے قتل کر دیتا"۔۔۔ یہاں یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ یہ پہلا قاصد تھا جسے آنحضورؐ نے یہ الفاظ کہے تھے۔ اس کے بعد آپؐ کے یہ الفاظ ایک قانون یا ضابطے کی صورت اختیار کر گئے۔ کسی کا قاصد یا ایلچی مسلمانوں کے ہاں آتا اور خلیفہ کے سامنے کیسی ہی بدتمیزی کیوں نہ کرتا اُسے معاف کر دیا جاتا تھا۔

مسیلمہ کے پیروکاروں میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچنے لگی۔ اُس نے اپنی آیات لکھنی اور انہیں پھیلانا شروع کر دیا تھا۔ اُس کا دعویٰ تھا کہ یہ آیات اُس پر بذریعہ وحی آئی ہیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے تو مسیلمہ کھل کر سامنے آ گیا۔ اُس نے معجزے دکھانے بھی شروع کر دیئے تھے۔

حیرت ہے کہ لوگ یہ دیکھتے تھے کہ مسیلمہ کوئی معجزہ دکھانے لگتا تو وہ بالکل اُلٹ ظاہر ہوتا، پھر بھی لوگ بیعت کرتے چلے جا رہے تھے۔

داستان گو نے حسن بن صباح کی داستان شروع کی تھی لیکن بات سے بات نکلی تو بہت دُور جا پہنچی۔ چونکہ مسیلمہ کے معجزات دلچسپی سے خالی نہیں اس لئے داستان گو چند ایک "معجزات" سناتا ہے۔

ایک روز مسیلمہ کے پاس ایک عورت آئی اور بولی کہ ان کے نخلستان میں ہریالی ختم ہو رہی ہے اور وہاں جو دو تین چشموں جیسے کنوئیں ہیں وہ خشک ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

"یا رسول!"۔۔۔ اُس عورت نے کہا۔۔۔ "ایک بار حزمان کا نخلستان خشک ہو گیا تھا کیونکہ اس کے چشمے نے پانی دینا چھوڑ دیا تھا۔ وہاں کے لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور عرض کی کہ ان کا نخلستان خشک ہو گیا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چُلّو بھر پانی اپنے منہ میں ڈالا اور چشمے میں اُگل دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے چشمہ اس طرح پھوٹ پڑا کہ وہاں جھیل بن گئی اور خرما کے درختوں کی جو شاخیں سوکھ کر لٹک آئی تھیں وہ ہری بھری ہو گئیں"۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مسیلمہ کذاب نے یہ سنا تو اُسی وقت اٹھا اور اونٹ پر سوار ہو کر اُس عورت کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ جب اُس نخلستان میں پہنچا تو دیکھا کہ کنوؤں میں بہت ہی تھوڑا پانی ہے، اُس نے حکم دیا کہ ایک کنوئیں سے تھوڑا سا پانی نکالا جائے۔ پانی نکالا گیا۔ مسیلمہ نے کچھ پانی اپنے منہ میں ڈالا اور کنوؤں میں تھوڑا تھوڑا اُگل دیا۔

تاریخ گواہ ہے کہ کنوؤں میں جو تھوڑا تھوڑا پانی رہ گیا تھا، وہ بھی خشک ہو گیا اور خرما کے درختوں کی جو چند ایک ٹہنیاں ابھی سبز تھیں، وہ بھی سوکھ کر لٹک گئیں۔ اس کے بعد یہ نخلستان مکمل طور پر ریگستان بن گیا۔

اُس کے ساتھیوں میں نہار نام کا ایک خاص ساتھی تھا۔ اُس نے ایک روز مسیلمہ سے کہا کہ

Scanned by iqbalmt

محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس کسی کے بچے کو دیکھتے اُس بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ یہ دیکھا گیا تھا کہ جس بچے کے سر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پھیرا اُس بچے میں ایسی ذہانت پیدا ہو گئی کہ لڑکپن میں پہنچنے تک وہ بچہ نامور مجاہد یا دانشور بنا۔

مسیلمہ نے یہ بات سنی تو اُس نے باہر نکل کر اپنے قبیلے بنو حنیفہ کے چند ایک بچوں کو بلایا اور اُن کے سروں پر اور اُن کی تھوڑیوں پر ہاتھ پھیرا۔ لوگوں کا ایک ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ اُن بچوں کے سروں کے بال گرنے لگے اور سورج غروب ہونے تک یہ تمام بچے گنجے ہو گئے۔ اُن کی تھوڑیوں پر ہاتھ پھیرنے کا یہ اثر ہوا کہ یہ تمام بچے زبان کی لکنت یعنی ہکلاہٹ میں مبتلا ہو گئے۔

مسیلمہ نے کسی سے سنا کہ کسی شخص کی آنکھیں خراب ہو جاتیں اور وہ آشوب چشم کا مریض ہو جاتا تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی آنکھوں پر اپنا لعابِ دہن لگاتے تو آنکھوں کا جو بھی مرض ہوتا وہ رفع ہو جاتا تھا۔ مسیلمہ نے بھی ایک بار آنکھوں کے ایک مریض کی آنکھوں پر اپنا لعابِ دہن لگا دیا اور وہ شخص بینائی سے ہی محروم ہو گیا۔

ایک عورت اُس کے پاس یہ شکایت لے کر آئی کہ اُس کی اچھی بھلی بکری نے دودھ دینا چھوڑ دیا ہے۔ مسیلمہ کے کہنے پر وہ عورت بکری کو لے آئی۔ مسیلمہ نے بکری کی پیٹھ پر اور پھر تھنوں پر ہاتھ پھیرا۔ نتیجہ یہ سامنے آیا کہ بکری جو چند قطرے دودھ دیتی تھی وہ بھی خشک ہو گئے۔

تاریخوں میں ایک واقعہ نے زیادہ شہرت پائی ہے۔ ایک بیوہ مسیلمہ کے پاس آئی اور کہا کہ وہ بیوہ ہے اور اس کا سہارا بیٹے تھے لیکن زیادہ تر بیٹے مر گئے ہیں' صرف دو زندہ ہیں۔ یا رسول' دعا کریں کہ یہ دونوں بیٹے زندہ رہیں۔

مسیلمہ نے اپنے اوپر مراقبہ طاری کر کے اُس بیوہ کو مژدہ سنایا کہ تمہارے یہ دونوں بیٹے بڑی لمبی عمر پائیں گے۔ بیوہ خوشی خوشی وہاں سے گھر کو چلی۔ گھر پہنچتے ہی اُسے اطلاع ملی کہ اُس کا ایک بیٹا کنوئیں میں گر کر مر گیا ہے۔ اُسی رات دوسرا اور آخری بیٹا تڑپنے لگا۔ کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ اُسے کیا ہُوا ہے۔ صبح طلوع ہونے تک وہ بھی مر گیا۔

یہ چند ایک واقعات ہیں۔ ایسے بہت سے واقعات تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ اُلٹے اثرات کو بھی لوگ معجزہ ہی کہتے تھے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ مسیلمہ ایسے انداز اور ایسے الفاظ میں ان کی تاویلیں پیش کرتا تھا کہ لوگ انہیں سچ مان لیتے تھے۔

پھر یہ کیا تھا؟ یہ غیرتِ خداوندی تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نبوت کے ایک جھوٹے دعویدار کو اپنے محبوب رسولؐ کی برابری میں کھڑا نہیں کر سکتا تھا۔ بعض اوقات ایک عام انسان بھی کوئی معجزہ کر گزرتا ہے لیکن اس آدمی کے کردار اور اس کی فطرت کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس شخص کی روحانی قوتیں بیدار ہیں' اس کے قابو میں ہیں اور قابو میں اس لئے ہیں کہ وہ شخص دین دار اور ایمان دار ہے۔ مسیلمہ تو تھا ہی کذاب یعنی جھوٹ بولنے والا۔ جھوٹ ایک ایسی لعنت ہے جو بنے بنائے کام بھی بگاڑ دیتا ہے اور وہ انسان اللہ کے حضور جو دعا کرتا ہے اُس کا اثر اُلٹا ہوتا ہے۔

مسیلمہ کی مقبولیت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد اتنی بڑھی کہ اُس نے ایک لشکر تیار کر لیا۔ خلیفہ اوّل حضرت ابو بکر صدیقؓ کو مسیلمہ کی اس جنگی طاقت کی اطلاع ملی تو انہوں نے اُس کے خلاف اعلانِ جہاد کیا۔ مسیلمہ کی لڑائیاں تین سالاروں سے ہوئی تھیں۔ ایک تھے عکرمہؓ دوسرے تھے شرجیل بن حسنہ اور تیسرے تھے خالد بن ولیدؓ۔ آخر شکست تو مسیلمہ کو ہوئی تھی لیکن اُس کی جنگی طاقت کا یہ عالم تھا کہ اُس نے تاریخِ اسلام کے ان تین نامور سپہ سالاروں کو حیران و پریشان کر دیا تھا۔ کئی ایسے مواقع آئے جب یوں پتہ چلتا تھا کہ فتح مسیلمہ کی ہو گی۔

یہ لڑائیاں ایک الگ اور بڑی ہی ولولہ انگیز داستان ہے لیکن داستان گو اپنی داستان کی طرف لوٹتا ہے۔

○

بات سجاح بنتِ حارث کی ہو رہی تھی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اس حسین ساحرہ کے دماغ میں آئی کہ مسیلمہ اس بڑھاپے میں نبوت کا دعویٰ کر کے ایک لشکرِ جرار بھی تیار کر سکتا ہے تو کیوں نہ وہ بھی نبوت کا دعویٰ کرے۔ اُسے اپنے ان اوصاف کا پوری طرح احساس تھا جو لوگوں کے دل موہ لیا کرتے تھے۔ اس وقت تک اس عورت میں ابلیسی اوصاف کُوٹ کُوٹ کر بھرے جا چکے تھے۔

ایک روز اُس نے اپنے قبیلے کو اکٹھا کیا اور اعلان کیا کہ گزشتہ رات خدا نے اُسے نبوت عطا

Scanned by iqbalmt

کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ایک وحی شادی۔ وہ عیسائی مذہب کی عورت تھی لیکن نبوت کے اس جھوٹے دعوے کے ساتھ ہی عیسائی مذہب ترک کر دیا۔ چونکہ وہ حسین عورت تھی اس لئے لوگ اُس سے متاثر ہو گئے۔

اُس میں جو اوصاف تھے اور جو کشش تھی وہ پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اُس کے قبیلے کے سردار اُس کے امیدوار بھی تھے۔ سب سے پہلے ان سرداروں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ سب سے پہلے بنو تغلب نے اُس کی نبوت کو تسلیم کیا جس کی وجہ یہ تھی کہ اس قبیلے کا ایک سردار جو سب سے زیادہ اثر و رسوخ والا تھا سجاح کا گرویدہ ہو گیا تھا۔ ایسا ہی ایک سردار ابن ہبیرہ بنو تمیم کا تھا وہ بھی سجاح کا مرید ہو گیا۔

اُس وقت کا معاشرہ قبیلوں میں منقسم تھا۔ قبیلوں پر سرداروں کا اثر و رسوخ تھا۔ ایک سردار جس طرف جاتا، پورا قبیلہ اُس کے پیچھے جاتا تھا۔ سجاح نے سب سے پہلے قبیلوں کے سرداروں کو زیرِ اثر لیا اور بہت تھوڑے سے عرصے میں کئی ایک قبیلوں نے اُس کی نبوت کو تسلیم کر لیا۔ یہاں تک کہ بہت سے ایسے لوگ جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، اسلام سے منحرف ہو کر سجاح کے پیروکار بن گئے۔ سجاح نے مسیلمہ کی طرح ایک لشکر تیار کر لیا اور اُس نے مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔

اُس کے اپنے ایک مشیر مالک بن نمیو نے اُسے مدینہ پر حملہ کرنے سے روک دیا اور ان قبیلوں سے نمٹنے کا مشورہ دیا جو اُس کی نبوت کو تسلیم نہیں کر رہے تھے۔ اس طرح سجاح نے اچھی خاصی لڑائیاں لڑیں۔

خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سجاح کی سرکوبی کے لئے خالد بن ولیدؓ کو بھیجا۔ شرجیل بن حسنہ اور عکرمہؓ ابن ابی جہل بھی ساتھ تھے۔ خالد بن ولیدؓ کو اطلاع ملی کہ ان کا مقابلہ ایک نہیں بلکہ دو لشکروں کے ساتھ ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے پیش قدمی اس غرض سے روک لی کہ دشمن کی قوت کا اندازہ جاسوسوں سے کر لیا جائے۔

ادھر مسیلمہ نے محسوس کیا کہ وہ شکست کھا جائے گا۔ اُس نے سجاح کو پیغام بھیجا کہ وہ اُسے ملنا چاہتا ہے۔ وہ دراصل سجاح کو اپنے ساتھ ملانا چاہتا تھا اور اُس کا ارادہ یہ بھی تھا کہ سجاح پر حاوی ہو کر اُسے اپنے زیرِ اثر کر لے۔ وہ سجاح کی نبوت کو ختم کرنا چاہتا تھا۔

سجاح نے مسیلمہ کو ملاقات کے لئے اپنے ہاں بلا لیا۔

○

مسیلمہ اپنے ساتھ چالیس ایسے پیروکار لے گیا جو ذہنی لحاظ سے بہت ہوشیار اور دانش مند تھے اور تیغ زنی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ مسیلمہ سن چکا تھا کہ سجاح میں کیا کیا خوبیاں ہیں اور اُس کا حُسن کس قدر سحر انگیز ہے۔

مسیلمہ اپنے ساتھ بڑا ہی خوش نما اور بڑے سائز کا خیمہ لے گیا تھا۔ شراب و کباب کا انتظام بھی اس کے ساتھ تھا۔ رنگا رنگ روشنی دینے والے فانوس بھی تھے۔ مختصر یہ کہ عیش و عشرت اور زیب و زینت کا پورا سامان مسیلمہ کے ساتھ تھا۔ وہ ایسے عطر اپنے ساتھ لے گیا تھا جن کی مہک مخمور کر دیتی تھی۔

مسیلمہ اور سجاح کی ملاقات ایک نخلستان میں ہوئی۔ مسیلمہ نے یہ تو سن رکھا تھا کہ سجاح میں ایسے اوصاف موجود ہیں جو پتھر دل مرد کو بھی موم کر دیتے ہیں لیکن وہ سجاح کے سامنے گیا تو اُس نے محسوس کیا کہ سجاح کی شخصیت اس سے زیادہ سحر انگیز ہے جتنی اُس نے سنی تھی۔ تب اُس نے محسوس کیا کہ اس حسین ساحرہ کا میدانِ جنگ میں مقابلہ کرنا آسان نہیں۔ یہ خطرہ وہ پہلے ہی سوچ چکا تھا۔ اسی لئے وہ اپنے ساتھ یہ سارا ساز و سامان لے گیا تھا۔ اس نے سجاح سے کہا کہ وہ اس کے خیمے میں چلے کیونکہ یہ جگہ اس قابل نہیں کہ سجاح جیسی عورت کسی غیر سے بیٹھ کر بات کرے۔

مسیلمہ معمر اور تجربہ کار آدمی تھا۔ اُس میں دانش مندی بھی تھی۔ اُس نے باتوں باتوں میں سجاح کو اتنا اونچا چڑھا دیا کہ وہ پھولی نہ سمائی اور مسیلمہ کی باتوں میں آ گئی۔ اُسی وقت اٹھی اور مسیلمہ کے ساتھ اس کے خیمے میں چلی گئی۔ اس نے جب خیمے کے اندر زیب و زینت اور آرام و آرائش کا سامان دیکھا تو اس پر کچھ اور ہی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کے دماغ پر کچھ اور ہی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

یہ اثرات جو اس کے دماغ پر مرتب ہو رہے تھے، یہ اس عطر کی مہک کے اثرات تھے۔ یورپی مؤرخوں میں سے دو نے لکھا ہے کہ یہ ایک خاص عطر تھا جس کی مہک ذہن میں رومانی خیالات پیدا کر دیتی تھی۔

Scanned by iqbalmt

مسیلمہ نے خیمے میں جو بستر لگوایا تھا اس پر ریشمی گدے اور پلنگ پوش تھے۔ اُس نے سجاح کو اس بستر پر بٹھایا اور خود اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"میں تمہیں یہاں ایک خاص مقصد کے لئے لایا ہوں"۔۔۔ مسیلمہ نے سجاح سے کہا۔

"اے نبی!"۔۔۔ سجاح نے کہا۔۔۔ "اس خیمے میں آکر میں کچھ اور ہی محسوس کرنے لگی ہوں۔ یوں لگتا ہے جیسے میں یہاں سے نکلنا ہی نہیں چاہوں گی۔ کیا اب آپ مجھے بتائیں گے کہ آپ کا مقصد کیا ہے؟"

"ایک خواہش ہے"۔۔۔ مسیلمہ نے ایسے انداز سے کہا جیسے وہ سجاح کا گرویدہ ہو گیا ہو۔۔۔ "میں تمہاری باتیں سننا چاہتا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ تمہاری زبان میں ایسی شیرینی ہے کہ دشمن بھی تمہارے قدموں میں سر رکھ دیتا ہے"۔

"نہیں؟"۔۔۔ سجاح نے کہا۔۔۔ "میں چاہتی ہوں کہ آپ کوئی بات کریں"۔

"تمہارے سامنے میں کیا بات کر سکتا ہوں!"۔۔۔ مسیلمہ نے کہا۔

"کوئی تازہ وحی نازل ہوئی ہو تو وہ سنا دیں"۔۔۔ سجاح نے کہا۔

مسیلمہ نے اپنی دماغی قوتوں اور ابلیسی دانش کو بروئے کار لاتے ہوئے سجاح کے ساتھ کچھ باتیں کیں اور اُس کے سامنے سے اٹھ کر بستر پر اس طرح بیٹھ گیا کہ اُس کا جسم سجاح کے جسم کے ساتھ لگ گیا۔ اس نے ایک وحی سجاح کو سنائی۔

مشہور مؤرخ ابنِ اثیر نے لکھا ہے کہ یہ وحی عورتوں کے متعلق تھی اور اس قدر فحش کہ اس کا ترجمہ تحریر میں لایا ہی نہیں جا سکتا۔ اس کے ساتھ ہی مسیلمہ نے سجاح کے جسم کے ساتھ آہستہ آہستہ چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔

مسیلمہ نے سجاح کے چہرے پر ایک تبدیلی دیکھی اور اس کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ دیکھی جو پہلے اس کے ہونٹوں پر نہیں تھی۔ مسیلمہ کو معلوم تھا کہ اس عورت کا شباب جوبن کے انتہائی درجے پر پہنچا ہوا ہے اور اس نے ابھی تک شادی نہیں کی۔ پھر اس نے یہ سوچا کہ اس عورت نے نبوت کا دعویٰ کر رکھا ہے اس لئے کوئی مرد اس کے جسم کے ساتھ تعلق رکھنے کی جرأت نہیں کرتا۔ اس کے تمام پیروکار اس کے جسم کو مقدس اور لائقِ عبادت سمجھتے ہیں لیکن یہ جوان عورت ہے، انسان ہے اور اس میں انسانی جذبات بھی ہیں جن میں حیوانی جذبات بھی

شامل ہیں۔ مسیلمہ کی صرف ایک فحش بات سے ہی سجاح کا چہرہ تمتما اُٹھا تھا۔

مسیلمہ نے ایک اور وحی سنا دی جو پہلی وحی سے زیادہ فحش تھی اور حیوانی جذبات کے لئے اشتعال انگیز بھی تھی۔ اس کے بعد مسیلمہ نے ایسی ہی بلکہ اس سے زیادہ اشتعال انگیز اور بڑی ہی بے حیائی کی باتیں شروع کر دیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ سجاح کے حسن کی تعریفیں کرتا جاتا تھا اور یہ بھی تسلیم کرتا تھا کہ سجاح سچی نبی ہے۔

سجاح کو عطر کی مہک نے اور ریشمی بستر کے گداز نے اور مسیلمہ کی باتوں اور اُس کے انداز نے نبوت کے درجے سے ہٹا کر ایک ایسی جوان عورت کے درجے پر گرا دیا تھا جو جذبات کی تشنگی سے مری جا رہی تھی۔ مسیلمہ اُس کے خیالوں کی یہ تبدیلی اس کے چہرے اور اس کی سانسوں سے محسوس کر رہا تھا جو اکھڑی جا رہی تھیں۔ مسیلمہ معمر آدمی تھا لیکن اس کا انداز جوانوں والا تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کے اعضاء پر عمر کی طوالت نے ذرا سا بھی اثر نہیں کیا۔

سجاح نے بے قابو ہو کر مسیلمہ کا ایک ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا اور اپنے سینے پر رکھ دیا۔

"میرا ایک مشورہ مانو سجاح!"۔۔۔ مسیلمہ نے کہا۔۔۔ "آؤ ہم شادی کر لیتے ہیں"۔

"وہ کیوں؟"۔۔۔ سجاح نے پوچھا۔۔۔ "کیا آپ کو میرا جسم اتنا اچھا لگا ہے؟"

"جسم کی بات نہ کرو"۔۔۔ مسیلمہ نے کہا۔۔۔ "نبی جسموں کے ساتھ تعلق نہیں رکھا کرتے روح کی بات کرو۔ میں جانتا ہوں تمہارا جسم تشنہ ہے لیکن میرا مطلب یہ ہے کہ ہم دونوں نبی ہیں۔ اگر ہماری فوجیں الگ الگ مسلمانوں کا مقابلہ کرتی رہیں تو دونوں شکست کھا جائیں گی۔ اگر ہماری فوجیں مل کر ایک ہو جائیں تو ہم سارے عرب پر قبضہ کر لیں گے۔ صرف مسلمان ہیں جو ہماری نبوت کو قبول نہیں کرتے اور ہمیں ختم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ ہم دونوں مل کر مسلمانوں کو ختم کر دیں اور پورے عرب پر قابض ہو کر دوسرے ملکوں پر چڑھائی کریں اور اپنی نبوت کو دور دور تک پھیلا دیں"۔

اُس وقت سجاح پر کچھ اور ہی کیفیت طاری تھی۔ اُس پر ابلیسیت کا غلبہ تھا۔ اُس نے اپنے آپ میں خاص طور پر ابلیسی اوصاف پیدا کئے تھے۔ یہ اوصاف اُس پر ایسے غالب آئے کہ اُس

Scanned by iqbalmt

نے مسیلمہ کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور کہا کہ وہ ابھی اس کی بیوی بننے کو تیار ہے۔

مسیلمہ کے ساتھ چالیس آدمی آئے تھے۔ وہ خیمے سے کچھ دور چاق و چوبند کھڑے تھے کہ نہ جانے مسیلمہ کا کوئی حکم کس وقت آجائے۔ تقریباً اتنے ہی آدمی برچھیوں اور تلواروں سے مسلح سجاح کے ساتھ آئے تھے۔ وہ الگ تیار کھڑے تھے۔

دونوں طرف کے یہ مسلح آدمی یقیناً یہ سوچ رہے ہوں گے کہ خیمے کے اندر دو نبیوں میں جو مذاکرات ہو رہے ہیں ان کا نتیجہ نہ جانے کیا ہوگا۔ توقع یہی تھی کہ مذاکرات ناکام ہو جائیں گے کیونکہ ایک نیام میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں۔

دونوں طرف یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ خیمے کے اندر کوئی اور ہی کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ بغیر کسی اعلان کے اور بغیر کوئی رسم ادا کئے مسیلمہ اور سجاح میاں بیوی بن چکے تھے اور خیمہ حجلہ عروسی بنا ہوا تھا۔ سجاح ہوش و حواس گم کر بیٹھی تھی اور اُس نے اپنی نسائیت اور نبوت مسیلمہ کے حوالے کر دی تھی۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ مسیلمہ اور سجاح تین دن اور تین راتیں خیمے سے باہر نہ نکلے۔ خیمے میں صرف کھانا اور شراب جاتی تھی۔ باہر کے لوگ پریشان ہوتے رہے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ آخر چوتھے روز وہ باہر نکلے۔ سجاح کے چہرے پر شرم و ندامت کے تاثرات آگئے۔ یہ اُس وقت آئے جب اس نے اپنے مسلح آدمیوں کو دیکھا۔

وہ سر جھکائے ہوئے اپنے لشکر میں پہنچی۔

○

سجاح کے مشیر اور خاص پیروکاروں نے اُس سے پوچھا کہ بات چیت کس نتیجے پر پہنچی ہے۔

"میں نے مسیلمہ کی نبوت کو تسلیم کر لیا ہے۔"—سجاح نے کہا—"اس کی نبوت برحق ہے۔ میں نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا ہے۔ اب نبوت میری ہو یا اس کی، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"نکاح تو ہو گیا"—سجاح سے پوچھا گیا—"مہر کیا مقرر ہوا ہے؟"

"اوہ!"—سجاح نے کہا—"یہ تو مجھے خیال ہی نہیں رہا کہ مہر بھی مقرر کرنا تھا۔"

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہ جواب دے کر سجاح کی آنکھیں جھک گئیں جیسے وہ نادم اور شرمسار ہو۔ اس کا نبوت والا انداز بالکل ہی بدل گیا تھا۔

ان مشیروں نے اسے مشورہ دیا کہ جب کوئی عورت کسی مرد کی زوجیت میں جاتی ہے تو وہ نکاح میں اسے قبول کرنے سے پہلے اپنا مہر مقرر کرواتی ہے۔ اسے مشورہ دیا گیا کہ وہ مسیلمہ کے پاس جائے اور مہر مقرر کرا کر آئے۔

دلچسپ امر یہ ہے کہ اگر مسیلمہ نے اُسے اپنی بیوی بنایا تھا تو اسے اپنے ساتھ لے جاتا لیکن اُس نے اسے عصمت سے محروم کر کے اس کے لشکر میں بھیج دیا۔ یہ معلوم نہیں کہ اُس نے سجاح کو کیا کہہ کر اسے اس کے لشکر میں بھیجا تھا۔ اس کے مشیر سجاح کی اس حرکت پر پریشان سے ہوئے اور اسے بار بار یہی کہا کہ وہ مسیلمہ کے پاس جا کر مہر مقرر کروا لے۔

○

مسیلمہ سجاح کو اُس کے لشکر میں بھیج کر خود بڑی تیزی سے وہاں سے کوچ کر گیا اور اپنے قلعہ میں جا پہنچا۔

"تم سب کو چوکنا اور محتاط رہنا ہوگا"—مسیلمہ نے قلعے میں جا کر اپنے محافظوں اور مصاحبین سے کہا—"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ سجاح کے ساتھ میں نے کیا سلوک کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے پیروکار اور مصاحبین یہ سن کر بھڑک اٹھیں کہ اُس نے میرے ساتھ شادی کر لی ہے۔ اگر ان کا ردِ عمل یہ ہوا تو وہ ہم پر حملہ کر سکتے ہیں۔ یہ سوچ لو کہ اُدھر مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے۔ اگر سجاح کے لشکر نے بھی ہم پر حملہ کر دیا تو ہم پس جائیں گے۔ قلعے کے دروازے دن کے وقت بھی بند رکھو۔"

یہ کوئی بڑا قلعہ نہیں تھا۔ مسیلمہ کا اپنا مکان تھا جو قلعے کی طرح تھا۔ اُس نے اندر سے دروازے بند کر لئے تھے۔ سجاح کو اپنے ہاں رکھنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

اگلے روز سجاح مسیلمہ کے قلعہ نما گھر کے دروازے پر پہنچی۔ دروازہ بند پا کر اس نے کہا کہ مسیلمہ کو اطلاع دی جائے کہ اس کی بیوی سجاح آئی ہے۔ مسیلمہ کو اطلاع پہنچی تو وہ ڈر گیا کیونکہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی کہ وہ اگلے ہی روز اس کے پاس پہنچ جائے۔ مسیلمہ کو یہ بھی بتایا گیا کہ سجاح کے ساتھ اس کا محافظ دستہ بھی ہے۔

Scanned by iqbalmt

تاریخوں میں آیا ہے کہ مسیلمہ نے یہ نہ کہا کہ اُسے اندر لے آؤ اور نہ وہ خود دروازے پر آیا۔ وہ مکان کی چھت پر چلا گیا اور وہاں سے سجاح کو پکارا۔

"دروازہ کھلواؤ" ——— سجاح نے کہا ——— "میں اندر آنا چاہتی ہوں"۔

"اس وقت تمہارا اندر آنا ٹھیک نہیں" ——— مسیلمہ نے کہا ——— "یہ بتاؤ تم کیوں آئی ہو"۔

"اپنا مہر مقرر کروانے کے لئے" ——— سجاح نے جواب دیا ——— "نکاح اتنی عجلت میں ہوا ہے کہ مجھے مہر مقرر کروانے کا خیال ہی نہیں رہا"۔

"تو سن لو" ——— مسیلمہ نے کہا ——— "محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا سے پانچ نمازیں فرض کروا کے لائے تھے۔ اب میں خدا کا رسول ہوں۔ میں تمہیں، تمہارے پیروکاروں اور تمہارے لشکر کو دو نمازیں، صبح اور عشاء کی تمہارے مہر میں معاف کرتا ہوں۔ واپس جا کر منادی کرا دو کہ تم نے مہر میں دو نمازیں معاف کروائی ہیں"۔

سجاح واپس چل پڑی۔ اُس کے ساتھ محافظ دستے کے علاوہ اُس کا مؤذن شیث بن ربیع بھی تھا۔ تقریباً تمام مسلمان مؤرخوں نے لکھا ہے کہ سجاح کے یہ مصاحب کچھ شرمسار سے تھے۔ وہ سمجھ گئے کہ مسیلمہ نے ان کی نبی کے ساتھ بڑا ہی شرمناک سلوک کیا ہے۔ وہ خود بھی شرمسار ہو رہے تھے۔ سجاح کا ایک خاص مصاحب عطا بن حاجب بھی تھا۔

"ہماری نبی ایک عورت ہے جسے ہم ساتھ لئے پھرتے ہیں" ——— عطا بن حاجب نے کہا ——— "لیکن لوگوں کے نبی مرد ہوتے ہیں اور انہیں شرمسار نہیں ہونا پڑتا"۔

تاریخوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ مسیلمہ نے علاقہ یمامہ کے محصولات سجاح کو ایک سال کے لئے دے دیئے تھے لیکن مسلمانوں نے انہیں محصولات وصول کرنے کی مہلت نہ دی۔ خالدؓ بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ پہنچ گئے۔ مسیلمہ کے ساتھ نکاح کرنے سے سجاح کی قدر و منزلت اپنے پیروکاروں میں بڑی تیزی سے ختم ہو گئی تھی۔ بڑے اچھے اور قابل پیروکار اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔

سجاح نے جب دیکھا کہ اُس کے پاس لڑنے کی طاقت بھی نہیں رہی تو وہ بھاگ اٹھی اور بنو تغلب میں جا پہنچی۔ ابن اثیر اور ابن خلدون نے لکھا ہے کہ سجاح بالکل ہی بجھ کے رہ گئی اور اُس نے ایک خاموش اور گمنام زندگی کا آغاز کیا۔ نہ اُس میں اندازِ دلربائی رہا نہ وہ جاہ و جلال رہا۔

یہاں تک کہ امیر معاویہؓ کا زمانہ آ گیا۔

اُسی سال ایسا خوفناک قحط پڑا کہ لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ سجاح کا قبیلہ بنو تغلب فاقہ کشی سے گھبرا کر بصرہ جا آباد ہوا۔ سجاح بھی ان کے ساتھ تھی۔ مسلمانوں کے سلوک اور اناج کی مساوی تقسیم سے متاثر ہو کر بنو تغلب کے تمام قبیلے نے اسلام قبول کر لیا۔ سجاح بھی مسلمان ہو گئی اور اُس نے سچے دل سے اللہ کی عبادت شروع کر دی۔ اُس کے کردار میں جو ابلیسی اوصاف پیدا ہو گئے تھے وہ عبادتِ الٰہی سے ڈھلنے لگے حتیٰ کہ وہ بالکل ہی متقی اور عبادت گزار بن گئی۔

تھوڑے ہی عرصے بعد وہ بیمار پڑی اور مر گئی۔ ان دنوں ایک صحابی سمرۃؓ ابن جندبؓ بصرہ کے حاکم تھے۔ انہوں نے سجاح کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔

سجاح پر تو اللہ نے اپنا خاص کرم کیا کہ وہ دین داری کی حالت میں مری اور اُس کی عاقبت محفوظ ہو گئی لیکن مسیلمہ کا انجام کچھ اور ہوا۔ اُس نے مسلمانوں کے خلاف بڑی خونریز لڑائیاں لڑی تھیں۔ معمر ہونے کے باوجود وہ جوانوں کی طرح لڑتا تھا۔

آخری لڑائی میں جب اُس نے دیکھا کہ خالد بن ولیدؓ کا لشکر اُس کے گھر تک آ پہنچا ہے تو وہ خود زِرہ اور آہنی خَود پہن کر گھوڑے پر سوار ہوا اور باہر نکلا۔

پہلے وہ باغ میں گیا جہاں لڑائی ہو رہی تھی پھر وہ باغ سے نکلا۔ جونہی وہ آگے آیا۔ ایک برچھی اس کے سینے میں دل کے مقام پر اُتر گئی۔

برچھی مارنے والا عرب کا مشہور برچھی باز وحشی تھا۔ اُس کا نام ہی وحشی تھا۔ اُس کی برچھی بازی کا ایک کمال تاریخ کے دامن میں محفوظ ہے۔ ایک رقاصہ کے سر پر ایک کڑا جو عورتیں اپنے بازوؤں میں ڈالتی ہیں، سیدھا کھڑا کر کے بالوں کے ساتھ باندھ دیا گیا اور رقاصہ ناچنے لگی۔ اُس کا جسم تھرک رہا تھا اور وہ بار بار گھومتی اور اِدھر اُدھر ہوتی تھی۔

وحشی ہاتھ میں برچھی لئے رقاصہ سے بارہ چودہ قدم دور اُس کی حرکت کے ساتھ حرکت کرتا کڑے کا نشانہ لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اُس نے برچھی کو ہاتھ میں تولا اور تاک کر رقاصہ کے سر پر برچھی پھینکی۔ رقاصہ اُس سے بے نیاز رقص کی اداؤں میں محو تھی۔ وحشی کی پھینکی ہوئی برچھی رقاصہ کے سر پر بندھے ہوئے کڑے میں سے اس طرح گذر گئی کہ رقاصہ کو احساس تک نہ ہوا۔

Scanned by iqbalmt

جنگِ اُحد میں وحشی اہلِ قریش کے ساتھ تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ کو اِسی وحشی نے پیٹ میں برچھی مار کر شہید کیا تھا۔ اس کے بعد جب خالدؓ بن ولید نے اسلام قبول کیا' وحشی نے بھی اسلام قبول کر لیا اور اگلے معرکوں میں تاریخ میں نام پیدا کیا۔ یہ سعادت اُسی کے نصیب میں لکھی تھی کہ مسیلمہ کذاب جیسے بڑے ہی طاقتور جھوٹے نبی کو جہنم واصل کیا۔

تاریخ میں یوں آیا ہے کہ مسیلمہ کو ہلاک کرنے والے دو مجاہد تھے۔ ایک تو وحشی تھا جس نے اُسے برچھی ماری تو وہ گھوڑے سے گرا۔ اُس کے ساتھ ہی مدینہ کے ایک انصاری نے اُس پر تلوار کا بھرپور وار کیا۔ وحشی نے مسیلمہ کا سر تن سے کاٹا اور برچھی کی اَنّی پر اُڑس کر برچھی بلند کی۔

"میں نے اُحد کا گناہ معاف کرا لیا ہے" — وحشی مسیلمہ کا سر برچھی پر اٹھائے میدانِ جنگ میں دوڑتا اور اعلان کرتا پھر رہا تھا۔

بعد میں اُس نے کئی بار کہا تھا کہ حضرت حمزہؓ کے قتل کا افسوس اُسے ہمیشہ پریشان کرتا رہا' مسیلمہ کو قتل کر کے اُسے اُحد کے افسوس اور پچھتاوے سے نجات ملی ہے۔

یہ تھا انجام دو جھوٹے نبیوں کا۔ یہ ابلیس کا رقص تھا۔ انسان جب اپنے کردار میں ابلیسی اوصاف پیدا کر لیتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اُسے نتائج سے بے خبر کر دیتے ہیں۔ انہیں پکڑنے کے لئے اللہ آسمان سے فرشتے نہیں اتارا کرتا۔ یہ لوگ اپنے قدموں چل کر انجام کو پہنچ جایا کرتے ہیں۔

کوئی عبرت حاصل نہیں کرتا۔

○

"ہمیں مصر کے عبیدیوں سے مدد لینی پڑے گی" — قلعہ شاہ در میں احمد بن غطاش حسن بن صباح سے کہہ رہا تھا — "لیکن کسی طرح یہ یقین کر لینا بہت ہی ضروری ہے کہ وہ ہماری مدد کریں گے بھی یا نہیں"۔

"کیوں نہیں کریں گے؟" — حسن بن صباح نے پوچھا اور کہا — "وہ ہمارے ہی فرقے کے لوگ ہیں"۔

"کچھ شک والی بات ہے" — ابنِ غطاش نے کہا — "پہلے تو یہ جائزہ لینا ہے کہ وہ اسماعیلی ہیں یا نہیں۔ پتہ چلا ہے کہ ظاہری طور پر وہ اسماعیلی ہیں لیکن درپردہ وہ کوئی اپنا ہی نظریہ رکھتے ہیں"۔

"اگر یہ جائزہ لینا ہے تو مجھے مصر جانا پڑے گا" — حسن بن صباح نے کہا — "اور میں مصر چلا ہی جاؤں گا"۔

"ہاں حسن!" — ابنِ غطاش نے کہا — "میں تمہیں مصر بھیجوں گا۔ ہمارا پہلا مقصد یہ ہے کہ اہلِ سنت کی حکومت کا تختہ اُلٹنا ہے۔ سلجوقیوں کا خاتمہ لازمی ہے"۔

"محترم استاد!" — حسن بن صباح نے پوچھا — "میں عبیدیوں کو نہیں جانتا... ان کی جڑیں کہاں ہیں؟"

احمد بن غطاش نے حسن بن صباح کو اپنے رنگ اور اپنے انداز سے تفصیلاً سنایا کہ عبیدیوں کی جڑیں کہاں ہیں اور اس فرقے نے کہاں سے جنم لیا تھا۔ مستند مؤرخوں اور اُس دور کے علماءِ دین کی تحریروں سے عبیدیوں کا پس منظر اور پیش منظر واضح طور پر سامنے آجاتا ہے۔ یہ بھی اسلام پر فرقہ پرستوں کی ایک یلغار تھی۔

داستان گو نے پہلے کہا ہے کہ اسلام نے' خصوصاً" اہلِ سنت والجماعت نے' جو تیز و تُند طوفان برداشت کئے ہیں وہ پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دیتے ہیں۔ ایک تو صیہونی اور صلیبی یلغار تھی جس نے اسلام کے تناور درخت کو جڑوں سے اکھاڑنا چاہا تھا۔ آج کے دور میں یہ یلغار ایک بار پھر شدت اختیار کر گئی ہے۔

یہ تو بیرونی یلغار ہے' اہلِ اسلام کے اندر سے جو حملہ آور اٹھے' ان کا ہدف اہلِ سنت تھے۔ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے تھے لیکن اُن کے عزائم اور سرگرمیاں نہ صرف غیر اسلامی یا اسلام کے منافی تھیں بلکہ اسلام کی بقا' سلامتی اور فروغ کے لئے بے حد خطرناک تھیں۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

عبیدیت ایسا ہی ایک فتنہ تھا جو تیسری صدی ہجری میں اٹھا۔ یہ اسماعیلیوں کی ایک شاخ تھی لیکن اصل میں یہ فرقہ باطنی تھا اور اس کے بانی پیشواؤں میں بھی ابلیسی اوصاف پائے جاتے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے

Scanned by iqbalmt

"کیا ہم تمہیں بتائیں کہ شیاطین کن پر اُترا کرتے ہیں؟ وہ ایسے لوگوں پر نازل ہوتے (اور ان پر قابض ہوتے ہیں) جو جھوٹ بولنے والے اور بدکردار ہوتے ہیں"۔۔۔(سورہ 26۔ آیت 221)۔

عبیدی فرقے کا بانی عبیداللہ تھا جس کے متعلق پورے یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کہاں کا رہنے والا تھا۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ وہ کوفہ کا رہنے والا تھا اور کچھ نے لکھا ہے کہ وہ حمص کے علاقے کے ایک گاؤں سلمیہ کا رہنے والا تھا۔ اُس کے باپ کا نام محمد حبیب تھا اور وہ اپنے قبیلے کا سرکردہ فرد تھا۔

محمد حبیب کو ایک خواہش پریشان رکھتی تھی۔ وہ عمر کے آخری حصے میں پہنچ چکا تھا۔ اُس کا بیٹا عبیداللہ جوان ہو گیا تھا اور وہ دیکھ رہا تھا کہ عبیداللہ میں ایسے ابلیسی اوصاف پائے جاتے ہیں کہ وہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانے کے لئے ہر ڈھنگ کھیل سکتا ہے۔ اُس کی خواہش یہ تھی کہ تھوڑے سے علاقے میں اُس کی اپنی سلطنت قائم ہو جائے۔

محمد حبیب نے اعلان کر دیا کہ اُس کا بیٹا مہدی آخر الزماں ہے۔ یہ بڑی لمبی داستان ہے کہ عبیداللہ اور اُس کے باپ نے کیسے کیسے ڈھنگ کھیل کر اور کیسی کیسی فریب کاریوں سے اپنے پیروکار بنا لئے اور اُن کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔

عبیداللہ نے 270 ہجری میں مہدویّت کا اعلان کیا تھا اور اُس نے اپنے فرقے کو فرقہ مہدویہ کا نام دیا تھا۔ اُس نے 278 ہجری میں حج کیا اور وہاں اپنے مہدی موعود ہونے کا پروپیگنڈہ ایسے انداز سے کیا کہ بنو کنانہ کے پورے قبیلے نے اُسے امام مہدی تسلیم کر لیا۔

محمد حبیب نے اپنے بیٹے کو مہدی تسلیم کرانے کے لئے قبیلوں کے سرداروں کو بڑی خوبصورت لڑکیوں اور سونے چاندی کے انعامات کے ذریعے بھی پھانسا تھا۔ جب اس فرقے میں پیروکاروں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو مہدیوں نے خفیہ اور پُراسرار قتل کا سلسلہ شروع کر دیا۔ قتل اہلِ سنت کے علماء کو کیا جاتا تھا اور پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ قاتل کون ہے۔ چونکہ اس فرقے کی مخالفت اہلِ سنت کی طرف سے ہوتی تھی اس لئے وہی قتل ہوتے تھے۔ جہاں کہیں سے بھی مخالفانہ آواز اُٹھتی تھی وہاں کے چیدہ چیدہ آدمی ہمیشہ کے لئے لاپتہ ہو جاتے تھے۔

"تاریخ الخلفاء" میں لکھا ہے کہ ایک روز ایک سرکردہ فرد ابن طباطبا علوی عبیداللہ سے ملنے گیا۔ عبیداللہ دربار لگائے بیٹھا تھا۔ وہاں کچھ امراء بھی تھے اور عام حاضرین کی تعداد خاصی تھی۔

"اے عبیداللہ!"۔۔۔ علوی نے کہا۔۔۔ "میں تجھے مہدی آخر الزماں تسلیم کر لوں گا۔ پہلے یہ تو بتا کہ تیرا حسب و نسب کیا ہے اور کون سا قبیلہ تیری پہچان ہے؟"

عبیداللہ نے اپنی نصف تلوار نیام سے کھینچی اور بولا۔۔۔ "یہ ہے میرا نسب!"۔۔۔ پھر وہ ایک تھیلی میں ہاتھ ڈال کر سونے کی بہت سی اشرفیاں نکال کر دربار کے حاضرین کی طرف پھینک کر بولا۔۔۔ "اور یہ ہے میرا حسب!"

درباری اشرفیوں پر ٹوٹ پڑے۔ ابن طباطبا علوی وہاں سے چُپ چاپ باہر نکل گیا۔

یہ تھی عبیداللہ کی کامیابی کی اصل وجہ۔ اس کے علاوہ اُس نے اس قسم کے عقیدے رائج کر دیئے کہ ایک آدمی بیک وقت اٹھارہ عورتوں کے ساتھ شادی کر سکتا ہے۔ جب کہ اسلام نے صرف چار بیویوں کی اجازت دی تھی اور وہ بھی مخصوص حالات میں۔ اُس کا دوسرا عقیدہ یہ تھا کہ حکومت کا جو سربراہ ہو اور مذہب کا جو امام ہو، وہ گناہوں سے پاک ہوتا ہے اور اُس سے اُس کے اعمال پر کوئی باز پُرس نہیں کی جا سکتی۔ ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ امام کسی عورت سے یہ کہہ دے کہ تم فلاں کی بیوی ہو تو اس عورت پر یہ فرض ہو جاتا تھا کہ وہ اس کی بیوی بن جائے۔

اس قسم کے عقائد سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عبیداللہ نے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانے کے لئے ان کے دل پسند عقائد تخلیق کئے تھے۔

○

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ عبیداللہ کے عروج و زوال کی داستان بہت لمبی ہے، اسے اختصار سے پیش کیا جا رہا ہے تاکہ جو اصل داستان ہے اُس کی طرف پوری توجہ دی جا سکے۔

عبیداللہ کے باپ محمد حبیب نے سوچا کہ اپنی سلطنت قائم کرنے کے لئے کوئی ایسا آدمی چاہئے جو ذہنی طور پر بہت ہی ہوشیار ہو اور فریب کاریوں میں خصوصی مہارت رکھتا ہو۔

اُسے عبیداللہ کے پیروکاروں میں سے ایک شخص بہت ہی ذہین، ہوشیار اور چالاک نظر آیا۔ اُس کا نام ابو عبداللہ تھا۔ محمد حبیب نے اسے اپنے ساتھ رکھ لیا اور اسے اپنے ڈھنگ کی ٹریننگ دینے لگا پھر اُسے بتایا کہ اس کا اصل مقصد کیا ہے۔

ابو عبداللہ اپنے ایک بھائی ابو عباس کو بھی ساتھ لے آیا اور انہوں نے ایک منصوبہ تیار کر

Scanned by iqbalmt

لیا۔ عبیداللہ نے باقاعدہ فوج تیار کرنی شروع کر دی۔ ابو عبداللہ حج پر گیا اور وہاں ایسی اداکاری کی کہ لوگوں نے اُسے بہت بڑا عالم سمجھ لیا۔ وہاں سے اُسے بہت زیادہ حمایت ملی۔

سلطنت قائم کرنے کے لئے ان لوگوں نے سوچا کہ شمالی افریقہ بڑی اچھی جگہ ہے۔ وہ بربروں کا علاقہ تھا بربر ضعیف الاعتقاد تھے اور جنگجو بھی تھے۔ مختصر یہ کہ ابو عبداللہ اور ابو عباس شمالی افریقہ گئے اور وہاں لوگوں کو سبز باغ دکھا دکھا کر ایک فوج بنالی۔ یہ سب لوگ مالِ غنیمت کے لالچ میں ان بھائیوں کے ساتھ ہو گئے تھے۔ بہرحال انہوں نے وہاں ایک اپنی سلطنت قائم کر لی۔

عبیداللہ بھی وہاں چلا گیا۔ یہ شخص مکمل طور پر ابلیس بن چکا تھا۔ اس نے ابو عبداللہ اور ابو عباس کی کوششوں سے بنی ہوئی سلطنت پر قبضہ کر لیا اور وہاں باقاعدہ حاکم بن گیا۔ دونوں بھائی اس کے خلاف ہو گئے۔ ابو عباس نے تو صاف کہنا شروع کر دیا کہ عبیداللہ مہدی نہیں ہے۔

وہاں کے ایک شخص نے جو شیخ الشلیخ تھا' عبیداللہ سے کہا کہ وہ اگر مہدی ہے تو کوئی معجزہ دکھائے۔ عبیداللہ نے تلوار نکالی اور اس عالم دین کی گردن کاٹ دی۔

ابو عبداللہ اور ابو عباس نے یہ سکیم بنائی کہ عبیداللہ کو قتل کر دیا جائے۔ اس محفل میں جس میں یہ سکیم بنی تھی' عبیداللہ کے جاسوس بھی موجود تھے۔ یہ فیصلہ ایک بڑے ہی طاقتور شخص ابو زاکی کے گھر میں ہُوا تھا۔

عبیداللہ نے ابو زاکی کو طرابلس کا گورنر بنا کر بھیج دیا اور اس کے ساتھ ہی وہاں اپنے آدمی درپردہ بھیجے۔ انہیں یہ کام سونپا کہ طرابلس میں ابو زاکی کو اس کے کمرے میں جب وہ سویا ہُوا ہو قتل کر دیا جائے۔

عبیداللہ کے حکم کی تعمیل ہوئی۔ ابو زاکی گورنر تھا۔ وہ سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ جس عبیداللہ نے اسے یہ رتبہ دیا ہے وہ اسے قتل بھی کروا دے گا۔ وہ سکون اور اطمینان سے سو گیا پھر کبھی بھی نہ جاگا۔ اُس کے محافظ دستے میں سے ایک آدمی اُس کے کمرے میں گیا اور اُس کا سر اُس کے جسم الگ کر دیا اور پھر اُس کا سر عبیداللہ کے پاس بھیج دیا۔

اس کے بعد عبیداللہ نے اسی طرح ابو عبداللہ اور ابو عباس کو بھی قتل کروا دیا۔ انہی بھائیوں نے یہ سلطنت قائم کی تھی۔

عبیداللہ نے اپنی بیعت کے لئے ہر طرف مبلغ پھیلا دیئے لیکن بہت کم لوگوں نے اس کی طرف دھیان دیا بلکہ مخالفت شروع ہو گئی۔ عبیداللہ نے قتل و غارت کا طریقہ اختیار کر لیا۔ اہلِ سنت کے علماء کو سب سے پہلے قتل کیا گیا۔ پھر جہاں کہیں اشارہ ملتا کہ یہ گھر اہلِ سنت کا ہے' اس گھر کے تمام افراد کو قتل کر دیا جاتا۔ ان کا مال و اسباب عبیداللہ کے پیروکاروں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ وہ دراصل اسماعیلیت کی تبلیغ کر رہا تھا۔ جو شخص اُس کے زیادہ سے زیادہ مرید بناتا تھا' اُسے وہ جاگیریں عطا کرتا اور بعض کو اُس نے زر و جواہرات سے مالا مال کر دیا۔

عبیداللہ نے طاقت جمع کر کے مصر پر حملہ کیا۔ ایک ہی معرکے میں سات ہزار عبیدی مارے گئے لیکن عبیداللہ نے ہمت نہ ہاری۔ ایک بار اُس کے لشکر میں کوئی ایسی وباء پھوٹ پڑی کہ انسان اور گھوڑے مرنے لگے۔ عبیداللہ نے کچھ عرصے کے لئے مصر کی فتح کا ارادہ ترک کر دیا آخر 356 ہجری میں اُس نے مصر فتح کر لیا۔ مصر کے سب سے بڑے شہر قاہرہ کی بنیاد اُسی نے رکھی تھی۔ عبیداللہ تو مر گیا اور اُس کا خاندان 567 ہجری تک مصر پر حکومت کرتا رہا۔

حسن بن صباح کے دَور میں عبیدی ہی مصر پر حکومت کر رہے تھے۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ تاتاریوں نے بغداد میں مسلمانوں کا اتنا قتلِ عام نہیں کیا تھا جتنا عبیداللہ نے اہلِ سنّت کا کیا۔

○

یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فرقہ پرستی کے ایک اور فتنے کا ذکر کر دیا جائے۔ اس فرقے کا نام قرامطی تھا اور اس کا بانی ابو طاہر سلیمان قرامطی تھا۔ اس کا باپ ابو سعید جنابی 301 ہجری میں اپنے ایک خادم کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا۔ ابو طاہر قرامطی بھائیوں میں چھوٹا تھا۔ اس میں حسن بن صباح والے اوصاف موجود تھے۔ اُس نے اپنے بڑے بھائی سعید پر ایسے ظلم و ستم کئے کہ اُسے ذہنی اور جسمانی لحاظ سے مفلوج کر دیا اور خود باپ کا جانشین بن گیا۔

اس خاندان کی اپنی ایک سلطنت تھی جس میں طائف' بحرین اور ہجر جیسے اہم مقامات شامل تھے۔ ابو طاہر نے نبوّت کا اعلان کر دیا۔ اس شخص کے متعلق بھی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اسلام اور اہلِ سنّت کے لئے تاتاریوں اور عبیداللہ سے بھی زیادہ خطرناک قاتل ثابت ہُوا۔

دس سال تک ابو طاہر اپنی نبوّت کی تبلیغ کرتا رہا اور فوج بھی تیار کرتا رہا۔ اس کا ارادہ بصرہ کو فتح کرنے کا تھا۔ آخر ایک رات اُس نے ایک ہزار سات سو آدمی اپنے ساتھ لئے اور بصرہ پر حملہ

Scanned by iqbalmt

کر دیا۔ وہ اپنے ساتھ بڑی لمبی لمبی سیڑھیاں لے گیا تھا۔

یہ سیڑھیاں شہر پناہ کے ساتھ لگا کر حملہ آور اوپر گئے اور شہر میں داخل ہو گئے۔ حملہ غیر متوقع اور اچانک تھا۔ ابو طاہر کے آدمیوں نے شہر کی سوئی ہوئی مختصر سی فوج کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ لوگ باہر کو بھاگنے لگے۔ ابو طاہر کے حکم سے شہر کے دروازے کھول دیئے گئے اور لوگ کھلے دروازوں کی طرف بھاگے۔ ہر دروازے کے ساتھ قرامطی کھڑے تھے۔ انہوں نے لوگوں کا قتلِ عام شروع کر دیا۔ عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر الگ ساتھ لے گئے۔ تمام گھروں اور سرکاری خزانے میں لوٹ مار کی اور اس طرح بصرہ شہر کو تباہ و برباد کر کے اور اس کی گلیوں میں خون کے دریا بہا کر قرامطی اپنے مرکزی شہر ہجر کو چلے گئے۔

اُسی سال ابو طاہر نے حاجیوں کے قافلوں کو لُوٹنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ قرامطی صرف لُوٹ مار نہیں کرتے تھے بلکہ وہ قتلِ عام بھی کرتے تھے۔ انہوں نے حج سے واپس آنے والے حاجیوں کو لُوٹ کر قتل کیا۔ اس طرح ہزارہا حاجی شہید ہو گئے۔

خلیفۂ وقت نے قرامطیوں کی سرکوبی کے لئے لشکر بھیجے۔ قرامطی اتنے طاقتور ہو چکے تھے کہ انہوں نے ہر جگہ خلیفہ کے لشکر کو شکست دی اور شہروں میں داخل ہو کر شہریوں کا قتلِ عام کیا۔ خلیفہ اپنے لشکر کو کمک بھیجتا رہا لیکن ابو طاہر کا لشکر اتنا تیز اور ہوشیار تھا کہ وہ خلیفہ کے لشکر کے ہاتھ نہیں آتا تھا۔ قرامطیوں میں سرفروشی اور جانثاری اس وجہ سے تھی کہ ابو طاہر تمام مالِ غنیمت ان کے حوالے کر دیتا تھا اور شہروں سے جتنی جوان عورتیں پکڑی جاتی تھیں وہ بھی ان ہی کو دے دیتا تھا۔ لشکر کو شراب تک پینے کی کھلی اجازت تھی۔ حادثہ یہ کہ قرامطی اپنے آپ کو اہلِ اسلام کہتے تھے اور ابو طاہر نبی بنا ہُوا تھا۔

مسلمانوں یعنی اہلِ سُنّت کی کمزوری یہ تھی کہ خلافت خلفائے راشدین جیسی مخلص اور دین دار نہیں تھی۔ خلافت اقتدار کی کرسی یا شہنشاہیت کا تخت بن گئی تھی۔ خلافت کے لشکر میں خلفائے راشدین کے دَور والا جذبہ اور اللہ کی راہ میں شوقِ شہادت نہیں رہا تھا۔ ایک وہ وقت تھا کہ مجاہدین کے چالیس ہزار کے لشکر نے آتش پرستوں کے ایک لاکھ بیس ہزار کے طاقتور لشکر کو ہر میدان میں شکست دے کر سلطنتِ فارس کو ختم کر دیا تھا مگر اب خلیفہ کے دس ہزار فوجی ایک ہزار قرامطیوں پر غالب آنے سے معذور تھے۔

ابلیسی طاقتیں اسلام کا قلع قمع کرنے کے لئے تیز و تند طوفان کی طرح اٹھ آئی تھیں۔

○

یہاں بھی ابلیس کا رقص دیکھئے۔

ابو طاہر نے شہر ہجر کو اپنا دارالحکومت بنایا اور وہاں ایک عالی شان مسجد تعمیر کروائی۔ اس کا نام دار الہجرت رکھا گیا۔ جب مسجد مکمل ہو گئی تو ابو طاہر قرامطی اسے دیکھنے کے لئے اندر آیا۔

"میرے قرامطیو!" ـــ اُس نے منبر پر کھڑے ہو کر اعلان کیا ـــ "اصل اسلام کے علمبردار تم ہو۔ وہ مسلمان نہیں جو قرامطی نہیں اور جو مجھے نبی نہیں مانتا۔ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ اب حج مکہ میں نہیں یہاں ہجر میں ہُوا کرے گا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ حجرِ اسود کو مکہ سے اٹھا کر یہاں اس مسجد میں رکھا جائے۔"

"ہم تیرے شیدائی ہیں" ـــ ایک آدمی نے اٹھ کر کہا ـــ "ہمیں یہ بتا کہ وہ پتھر جسے ہم حجرِ اسود کہتے ہیں، یہاں کس طرح لایا جائے گا۔ اہلِ سنت ہمیں یہ پتھر اٹھانے کی ہمت نہیں کرنے دیں گے، پھر ہم کیا کریں گے؟"

"کیا تمہاری تلواریں کند ہو گئی ہیں؟" ـــ ابو طاہر نے کہا ـــ "ہم نے کہاں کہاں اہلِ سُنّت کا خون نہیں بہایا؟ کیا تم خانہ کعبہ میں ان منکروں کا خون بہانے سے گریز کرو گے؟..... ہم اس سال حج کے موقع پر مکہ جائیں گے اور خانہ کعبہ کی وہ حالت کر دیں گے کہ اہلِ سنت آئندہ مکہ کی طرف دیکھیں گے بھی نہیں۔"

○

319 ہجری میں ابو طاہر قرامطی نے مکہ معظمہ کا رخ کیا۔ حاجی وہاں پہنچ چکے تھے بلکہ وہ بیت اللہ کے طواف میں مصروف تھے۔ بعض نماز پڑھ رہے تھے۔ ابو طاہر سب سے پہلے گھوڑے پر سوار، تلوار ہاتھ میں لئے مسجدِ حرام میں داخل ہُوا۔ اُس نے شراب منگوائی اور گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے شراب پی۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ جب ابو طاہر گھوڑے پر بیٹھا شراب پی رہا تھا، اس کے گھوڑے نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔

"دیکھا تم سب نے؟" ـــ ابو طاہر نے قہقہہ لگا کر بڑی بلند آواز سے کہا ـــ "میرا گھوڑا

Scanned by iqbalmt

بھی مجھے اور میرے عقیدے کو سمجھتا ہے"۔

مسجدِ حرام میں کچھ مسلمان موجود تھے۔ انہوں نے شور شرابہ کیا۔ اُدھر سے حجاج دوڑے آئے۔ وہ سب نہتے تھے اور سب نے احرام باندھ رکھے تھے۔ ابو طاہر کے اشارے پر قرامطیوں نے ان کا قتلِ عام شروع کر دیا۔

وہاں سے ابو طاہر خانہ کعبہ میں گیا اور وہاں بھی حجاج کا قتلِ عام شروع کر دیا۔ ابو طاہر کے حکم سے خانہ کعبہ کا دروازہ اکھاڑ دیا گیا۔

"میں خُدا ہوں" ___ ابو طاہر نے جو گھوڑے پر سوار تھا متکبرانہ اعلان کیا ___ "اور خدا میری ذات میں ہے۔ تمام خلقت پر میری بندگی فرض ہے" ___ پھر اُس نے کہا ___ "اے گدھو! تمہارا قرآن کہتا ہے کہ جو شخص بیت اللہ میں داخل ہو جائے اُسے امن مل جاتا ہے.... کہاں ہے وہ امن؟ میں نے جسے چاہا زندہ رہنے دیا اور جسے چاہا اُسے خون میں نہلا دیا"۔

ایک حاجی آگے بڑھا اور اس نے ابو طاہر کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔

"اے منکرِ دین!" ___ اس شخص نے ابو طاہر سے کہا ___ "تُو نے قرآن کی یہ آیت غلط پڑھی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص بیت اللہ میں داخل ہو جائے اُسے امن دو اور اُس پر ہاتھ نہ اٹھاؤ"۔

اس شخص کے عقب سے ایک تلوار حرکت میں آئی اور اُس کا سر کٹ کر دُور جا پڑا۔

ابو محلب امیرِ مکہ تھا۔ اس کے پاس اتنی فوج نہیں تھی کہ وہ قرامطیوں کا مقابلہ کرتا۔ وہ اپنے چند ایک آدمیوں کو لے کر ابو طاہر کے پاس گیا۔ یہ سب لوگ تلواروں سے مسلح تھے۔ ابو محلب نے ابو طاہر سے کہا کہ وہ اپنے آپ کو نبی کہتا ہے اور مسلمان بھی لیکن وہ خدا کے اس گھر کی اس طرح بے حُرمتی کر رہا ہے۔

"حجاج کے قتل سے ہاتھ کھینچ لے ابو طاہر!" ___ ابو محلب نے کہا ___ "اللہ کے عذاب سے ڈر کہیں ایسا نہ ہو کہ تجھے اسی دنیا میں اس کی سزا مل جائے"۔

"اس شخص کو عذابِ الٰہی دکھا دو" ___ ابو طاہر نے بلند آواز سے کہا۔ بہت سے قرامطی ابو محلب اور اس کے آدمیوں پر ٹوٹ پڑے۔ ابو محلب اور اس کے آدمیوں نے جو سب کے سب تلواروں سے مسلح تھے جم کر مقابلہ کیا لیکن وہ اتنے تھوڑے تھے کہ اتنے زیادہ آدمیوں کے

ہاتھوں شہید ہو گئے۔

کعبہ معلّیٰ کے اوپر میزاب نصب تھا جو سونے سے مرصع تھا۔ ابو طاہر نے حکم دیا کہ اوپر چڑھ کر میزاب اتار کر اس کے گھوڑے کے قدموں میں رکھا جائے۔

ایک قرامطی کعبہ معلّیٰ پر چڑھا۔ تاریخ میں ایک شخص محمد بن ربیع بن سلیمان کا نام آیا ہے۔ وہ دور کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اُس نے بعد میں مسلمانوں کو بتایا کہ جب قرامطی کعبہ معلّیٰ پر چڑھا تو محمد بن ربیع نے ہاتھ پھیلا کر آسمان کی طرف دیکھا اور کہا ___ "یا اللہ تیری بُردباری کی کوئی حد نہیں۔ کیا تیری ذاتِ باری اس شخص کو بھی بخش دے گی؟" ___ محمد بن ربیع نے لوگوں کو بتایا کہ وہ قرامطی جو کعبہ معلّیٰ پر چڑھ گیا تھا، نہ جانے کیسے اوپر سے سر کے بل گرا اور گرتے ہی مر گیا۔

محمد بن ربیع کا ہی بیان ہے کہ ابو طاہر نے بڑے غصے میں ایک اور قرامطی کو کعبہ پر چڑھنے کا حکم دیا۔ یہ آدمی اوپر پہنچنے والا ہی تھا کہ اُس کا ہاتھ چھوٹ گیا اور وہ بھی سر کے بل گر پڑا اور مر گیا۔

ابو طاہر اور زیادہ غصے میں آ گیا۔ اُس نے ایک اور قرامطی کو حکم دیا کہ وہ اوپر جائے۔ تقریباً تمام مؤرخوں نے لکھا کہ یہ تیسرا شخص ایسا خوفزدہ ہوا کہ اوپر چڑھنے کی بجائے ایک ہی جگہ کھڑا تھر تھر کانپنے لگا اور اچانک باہر کی طرف بھاگ گیا۔

ابو طاہر پر کچھ ایسا اثر ہُوا کہ اس پر خاموشی طاری ہو گئی۔ کچھ دیر کعبہ معلّیٰ کو دیکھتا رہا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ اُس کے خیالوں میں کچھ تبدیلی آئی ہے لیکن ابلیس کا غلبہ اتنا شدید تھا کہ وہ اچانک آگ بگولہ ہو گیا۔ اس نے حکم دیا کہ غلافِ کعبہ کو کھینچ کر اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔

قرامطی غلافِ کعبہ پر ٹوٹ پڑے اور تلواروں سے غلافِ کعبہ کو کاٹ کاٹ کر اس کے ٹکڑے سارے لشکر میں تقسیم کر دیئے۔

ابو طاہر نے بیت اللہ کا سارا خزانہ اپنے قبضے میں لے لیا۔

جو حجاج قتلِ عام سے بچ گئے تھے انہوں نے بغیر امام کے حج کا فریضہ ادا کیا۔

○

ابو طاہر حجرِ اسود کو اپنے دارالحکومت ہجر لے جانا چاہتا تھا۔ اس پتھر پر حضرت ابراہیمؑ کا نقشِ پا

Scanned by iqbalmt

ہے۔ رات کا وقت تھا۔ بچے کھچے حجاج ابھی وہیں تھے۔ کسی ذریعے سے انہیں پتہ چل گیا کہ ابو طاہر حجرِ اسود اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔

حجاج کے جذبے کو دیکھئے۔ انہوں نے رات ہی رات اتنے وزنی پتھر کو وہاں سے اٹھایا اور مکہ کی گھاٹیوں میں لے جا کر چھپا دیا۔ یہ کوئی معمولی کارنامہ نہ تھا۔ ایک تو پتھر بہت وزنی تھا اور دوسرے جان کا خطرہ بھی تھا۔ وہاں ہر طرف قرامطی موجود تھے۔ وہ دیکھ لیتے تو ان تمام حجاج کے جسموں کے ٹکڑے اُڑا دیتے۔ ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر پتھر اٹھا لے جانا اور غائب کر دینا ایک معجزہ تھا۔

"صبح طلوع ہوئی۔ ابو طاہر پھر خانہ کعبہ میں آن دھمکا اور حکم دیا کہ حجرِ اسود اٹھالو۔

"پتھر وہاں نہیں ہے" ——— کسی قرامطی نے پتھر کی جگہ خالی دیکھ کر ابو طاہر سے کہا۔

"وہ بہت وزنی پتھر تھا" ——— ابو طاہر نے کہا ——— "مجھے مت بتاؤ کہ کوئی انسان اسے اٹھا کر لے گیا ہے"۔

اُس کے کانوں سے پھر یہ آواز ٹکرائی کہ پتھر وہاں نہیں ہے۔ تب اُس نے خود جا کر دیکھا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ پتھر وہاں نہیں ہے۔ اُس نے قہر و غضب سے حکم دیا کہ پتھر کو تلاش کیا جائے۔ حجاج وہاں سے جانے کی تیاریاں کر رہے تھے اور کچھ جا بھی چکے تھے۔ قرامطیوں نے چند ایک حجاج سے پوچھا کہ پتھر کہاں ہے۔ جس کسی نے لاعلمی کا اظہار کیا اُسے قتل کر دیا گیا۔

تلاش کرتے کرتے پتھر مل گیا۔ ابو طاہر نے اُسی وقت پتھر ایک اونٹ پر لدوا دیا اور ہجر کی طرف روانگی کا حکم دے دیا۔

یہ واقعہ بروز دوشنبہ ذوالحجہ 317 ہجری کا ہے۔

ابو طاہر نے چشمہ زم زم کی جگہ کو بھی مسمار کروا دیا۔ بعض مورخ لکھتے ہیں کہ وہ چھ دن مکہ معظمہ میں رہا اور بعض نے گیارہ دن لکھے ہیں۔

یہ وہ دَور تھا جب مصر میں عبیداللہ کا طوطی بول رہا تھا اور وہ مہدی موعود بنا ہوا تھا۔ وہ اُس کے عروج کا زمانہ تھا۔ عجیب بات ہے کہ ابو طاہر قرامطی بھی اُس کے اس دعوے کو تسلیم کرتا تھا کہ وہ مہدی آخر الزماں ہے۔ ہو سکتا ہے وہ عبیداللہ کی طاقت سے ڈرتا ہو اور اُسے خوش رکھنے کا یہی ایک طریقہ ہو سکتا تھا کہ وہ اُسے مہدی آخر الزماں مان لے۔

ابو طاہر نے حجرِ اسود کو مکہ سے لا کر اپنی بنائی ہوئی مسجد دارالہجرت کی غربی جانب رکھا اور عبیداللہ کے نام ایک پیغام لکھوا کر بھیجا۔ اس میں اُس نے عبیداللہ کو لکھوایا کہ میں نے حکم دے دیا ہے کہ خطبے میں آپ کا نام لیا جائے۔ میں نے اپنی سلطنت میں آپ کے نام کا خطبہ جاری کر دیا ہے۔

اُس نے اس پیغام میں عبیداللہ کی عقیدت کا اظہار بڑے جذباتی انداز میں کیا اور پھر لکھا کہ اُس نے مکہ میں کس طرح تباہی مچائی ہے اور خانہ کعبہ کے اندر اور مکہ کی گلیوں میں اہلِ سنت کے خون کی ندیاں بہا دی ہیں۔ اس نے اس پیغام میں اہلِ سنت کو اہلِ فساد اور اہلِ ذلت لکھا۔

اسے توقع تھی کہ عبیداللہ اس کے اس پیغام سے بہت خوش ہو گا لیکن اس کا قاصد پیغام کا جواب لے کر آیا تو ابو طاہر حیران رہ گیا۔ عبیداللہ نے لکھا کہ تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہاری ان بداعمالیوں پر تمہیں خراجِ تحسین پیش کروں۔ تُو نے خانہ کعبہ کی توہین کی اور اتنی مقدس جگہ میں مسلمانوں کا خون بہایا۔ نہ جانے کہاں کہاں سے جو حجاج آئے تھے انہیں قتل کیا اور پھر حجرِ اسود کو اکھاڑ کر لے گیا۔ تُو نے یہ بھی نہ سوچا کہ حجرِ اسود اللہ کی کتنی بڑی امانت ہے جسے ایک جگہ سنبھال کر رکھا گیا تھا۔ جماعتِ عبیدیہ تجھ پر کفر اور الحاد کا فتویٰ عائد کرتی ہے۔ ہم تمہیں کوئی انعام نہیں دے سکتے۔

ابو طاہر نے یہ پیغام پڑھا تو آگ بگولہ ہو گیا اور اُس نے اعلان کر دیا کہ کوئی قرامطی عبیداللہ کو مہدی آخر الزماں نہ مانے۔

○

پورے دس سال ——— 317 ہجری سے 327 ہجری تک ——— فریضہ حج ادا نہ کیا جا سکا۔ کوئی بھی حج کعبہ کو نہ گیا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ حج کو جانے والے قرامطیوں سے ڈرتے تھے اور دوسرے یہ کہ وہاں اب حجرِ اسود نہیں تھا۔

ایک شخص ابو علی عمر بن یحییٰ علوی ابو طاہر کا گہرا دوست تھا۔ ایک روز وہ ابو طاہر کے پاس گیا۔

"غور کرو ابو طاہر!" ——— ابو علی عمر نے کہا ——— "دس سالوں سے حج بند ہے۔ اس کی وجہ تم خود جانتے ہو۔ صرف تمہارے ظلم و تشدد کی وجہ سے مسلمان فریضہ حج ادا نہیں کر سکتے۔ اس

Scanned by iqbalmt

بے نتیجے میں لوگ تمہاری عقیدت سے منحرف ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ میں نے سوچا ہے کہ حج کرنے والوں کو امن کا یقین دلاؤ اور ان پر محصول مقرر کر دو۔ پانچ دیناری اونٹ محصول وصول کرو۔"

ابو طاہر کو یہ تجویز اچھی لگی۔ اس سے ایک تو اُس کی ساکھ بحال ہوتی تھی اور دوسرے اُسے بے شمار رقم محصول کے ذریعے حاصل ہو رہی تھی۔ اُس نے ہر طرف قاصد دوڑا دیئے کہ وہ اعلان کرتے جائیں کہ آئندہ حج پر کوئی مداخلت نہیں ہوگی اور حجاج کو امن کی ضمانت دی جاتی ہے۔ اُس نے محصول کا اعلان بھی کر دیا۔

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ خلیفہ کے حاجب محمد بن یاقوت نے بھی ابو طاہر کو لکھا تھا کہ حجاج پر ظلم و تشدد چھوڑ دو اور حجرِ اسود واپس کر دو۔ اس کے عوض خلیفہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جو علاقہ اس وقت تمہارے قبضے میں ہے وہ تمہارا ہی رہے گا اور اس سلسلے میں تمہیں خلافت اپنا دشمن نہیں سمجھے گی۔

ابو طاہر نے اس کے جواب میں یہ یقین دہانی کرا دی کہ آئندہ قرامطی فریضۂ حج کی ادائیگی میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کریں گے لیکن ابو طاہر نے حجرِ اسود واپس دینے سے انکار کر دیا۔

ابو طاہر نے جو محصول نافذ کیا تھا یہ دراصل آج کے دور کا جگا ٹیکس تھا۔ خلافت اتنی کمزور تھی کہ وہ ابو طاہر کا ہاتھ روکنے سے قاصر تھی۔

ابو طاہر کو توقع تھی کہ لوگ حجرِ اسود کی خاطر ہجر آئیں گے اور پھر آہستہ آہستہ حج ہجر میں ہی ہوا کرے گا لیکن کوئی بھی اہلِ سنت ان دس سالوں میں وہاں نہ گیا۔ خلیفہ مقتدر باللہ نے ابو طاہر کو پچاس ہزار درہم پیش کئے کہ اس رقم کے عوض حجرِ اسود واپس کر دے لیکن ابو طاہر نے صاف انکار کر دیا۔

اس کے بعد خلیفہ مطیع باللہ کچھ عرصے بعد مسندِ خلافت پر آیا تو اُس نے تیس ہزار دینار ابو طاہر کو پیش کئے کہ وہ حجرِ اسود واپس کر دے۔ ابو طاہر نے یہ سودا قبول کر لیا۔ صرف ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ ابو طاہر نے حجرِ اسود اللہ کے نام پر واپس کیا تھا اور لیا کچھ بھی نہیں تھا۔ یہ تحریر اس وجہ سے مشکوک لگتی ہے کہ یہ بیان ایسے شخص کا ہے جو اسماعیلی تھا۔

10 محرم 339 ہجری ابو طاہر کا ایک آدمی جس کا نام شبیر بن حسین قرامطی تھا' حجرِ اسود لے کر

مکہ مکرمہ پہنچا۔ دن سہ شنبہ تھا۔ اُسی روز حجرِ اسود کو اپنی اُس جگہ پر رکھ دیا گیا جہاں سے اُسے اکھاڑا گیا تھا۔ خلیفہ نے اس کے ارد گرد چاندی کا حلقہ چڑھوا دیا۔ اس چاندی کا وزن 14 سیر تھا۔

حجرِ اسود چار روز کم بائیس سال ابو طاہر قرامطی کے قبضے میں رہا۔

اللہ کی کرامت ملاحظہ فرمایئے۔ جب حجرِ اسود مکہ سے ہجر لے جایا گیا تھا تو اس کے وزن کے نیچے چالیس اونٹ اس سفر کے دوران مر گئے تھے۔ وہ اس طرح کہ پہلے یہ پتھر ایک اونٹ پر لادا گیا۔ وزن خاصا زیادہ تھا جو یہ اونٹ کچھ فاصلے تک ہی برداشت کر سکا۔ آخر یہ اونٹ بیٹھ گیا اور پھر ایک پہلو پر لڑھک گیا اور مر گیا۔ پھر یہ دوسرے اونٹ پر لادا گیا۔ یہ اونٹ بھی کچھ فاصلہ طے کر کے گرا اور مر گیا۔ اسی طرح چالیس اونٹ اس پتھر تلے مرے اور پتھر ہجر تک پہنچا لیکن یہی پتھر جب ہجر سے مکہ کو واپس لایا گیا تو صرف ایک اونٹ وہاں سے مکہ تک لے آیا۔ پتھر کا وزن اتنا ہی تھا اور اسے لانے والا اونٹ کوئی غیر معمولی طور پر طاقتور نہ تھا۔ یہ خدائی معجزہ تھا اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کی نظر میں اس پتھر کی اہمیت اور تقدس کتنا زیادہ ہے۔

اللہ نے ابو طاہر کو بڑی لمبی رسّی دی تھی۔ حجرِ اسود کی واپسی کے بعد یہ رسّی ختم ہو گئی۔ حجرِ اسود مکہ معظمہ پہنچا اور اُدھر ابو طاہر چیچک کے مرض میں مبتلا ہو گیا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ وہ اس مرض میں بہت دن زندہ رہا لیکن اُس کی حالت جو کوئی بھی دیکھتا تھا وہ کانوں کو ہاتھ لگاتا اور وہاں سے بھاگ آتا۔ بعض عقل والے قرامطی اُس کی یہ حالت دیکھ کر تائب ہو گئے اور اہلِ سنت کے عقیدے میں واپس آ گئے۔

ابو طاہر چیختا اور چلاتا تھا اور ایک روز اُس کی چیخیں اور اُس کا تڑپنا بند ہو گیا اور وہ اپنے پیچھے اپنے گھر میں اپنے گلے سڑے جسم کی بدبو چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

آج بھی کہیں کہیں قرامطی پائے جاتے ہیں۔ کسی وقت انہوں نے ملتان کو اپنا مرکز بنا لیا تھا۔ سلطان محمود غزنوی نے جب اپنے ایک حملے کے دوران ملتان پر چڑھائی کی تھی تو اُسے پتہ چلا تھا کہ یہاں اکثریت قرامطیوں کی ہے۔ محمود غزنوی کی لڑائی ہندوؤں سے تھی لیکن ملتان میں قرامطی اُس کے مقابلے میں آ گئے تھے۔ ہم نے ان لڑائیوں کی تفصیلات اپنی کتاب "اور ایک بُت شکن پیدا ہوا" میں پیش کی ہیں۔ محمود غزنوی خود ایک سپاہی کی طرح لڑا تھا۔ محمود غزنوی کے غضب کا یہ عالم تھا کہ سارا دن تلوار چلاتا رہا اور اُس کی تلوار کے دستے پر اتنا خون جم گیا تھا کہ

Scanned by iqbalmt

اُس کا دلیاں ہاتھ بڑی مشکل سے تلوار کے دستے سے اُکھاڑا گیا تھا۔ ملتان کی گلیوں میں بارش کے پانی کی طرح خون بہنا شروع ہو گیا تھا۔ محمود غزنوی نے قرامطیوں کا خاتمہ کر دیا تھا اور قرامطیوں نے اہلِ سنت کا جو خون بہایا تھا' اس کا انتقام لے لیا تھا۔ اس کے بعد کم از کم ملتان میں قرامطی پھر کبھی نہ اٹھ سکے۔

حسن بن صباح قلعہ شاہ در میں احمد بن غطاش کے پاس بیٹھا تھا۔ احمد بن غطاش جس طرح اس قلعے کا والی بنا تھا' وہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ وہ حسن بن صباح کو بتا چکا تھا کہ اس نے اس قلعے پر کس طرح قبضہ کیا ہے۔

"..... لیکن حسن!" ——— احمد بن غطاش نے کہا ——— "لوگ کہتے ہوں گے کہ احمد بہت بڑا فریب کار تھا جو قلعہ کا والی بن گیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جو طاقت تم میں ہے وہ مجھ میں نہیں ہے۔ تم ان چند ایک لوگوں میں سے ہو جنہیں خدا ایک خاص طاقت دے کر دنیا میں بھیجتا ہے۔ میں نے تمہیں عبیداللہ کی بات سنائی ہے۔ اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ صرف اُس کا باپ تھا جس نے اُس کی پشت پناہی کی تھی۔ دیکھ لو' وہ مصر کا حکمران بنا اور آج بھی مصر عبیدیوں کے قبضے میں ہے۔ ابو طاہر قرامطی بیوقوف آدمی تھا۔ وہ اپنی عقل کی حدود سے آگے نکل گیا تھا"۔

"استادِ محترم!" ——— حسن بن صباح نے کہا ——— "یہ تو میں جانتا ہوں کہ مجھ میں کوئی مافوق الفطرت طاقت ہے لیکن مجھے ایسی رہنمائی کی ضرورت ہے' جس سے میں جان سکوں کہ یہ طاقت کیا ہے اور اسے کس طرح استعمال کروں"۔

"وہ طاقت تم اپنے ساتھ لے آئے ہو" ——— احمد بن غطاش نے کہا۔

"وہ تو میں جانتا ہوں" ——— حسن بن صباح نے کہا ——— "وہ میرے اندر موجود ہے"۔

"نہیں حسن!" ——— احمد بن غطاش نے کہا ——— "میں تمہارے اندر کی طاقت کی بات نہیں کر رہا۔ میں اس لڑکی کی بات کر رہا ہوں جو تمہارے ساتھ آئی ہے۔ کیا نام ہے اس کا..... فرح!... کیا تم نے محسوس نہیں کیا کہ تم اس لڑکی کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتے؟"

"ہاں استادِ محترم!" ——— حسن بن صباح نے کہا ——— "میں اس لڑکی کے بغیر نہیں رہ سکتا"۔

"کہتے ہیں عورت مرد کی بہت بڑی کمزوری ہے" ——— احمد بن غطاش نے کہا ——— "وہ غلط

نہیں کہتے۔ حسین عورت بہت بڑی طاقت ہے۔ دلکش عورت ایک نشہ ہے۔ عورت کی دلربائی نے پتھر دل بادشاہوں کے تختے اُلٹے ہیں۔ تم اس طاقت کو استعمال کرو گے۔

"میں نے تمہیں سجاح بن حارث اور مسیلمہ کی کہانی سنائی ہے۔ سجاح نے اتنا بڑا لشکر کس طرح اکٹھا کر لیا تھا؟ اُس نے کئی قبیلوں کے سرداروں کو کس طرح اپنا پیروکار بنا لیا تھا؟ صرف اس لئے کہ وہ حسین عورت تھی۔ وہ نشہ بن کر آدمی پر طاری ہو جاتی تھی"۔

"لیکن استادِ محترم!" ——— حسن بن صباح نے مسکرا کر کہا ——— "وہ تو ایک مرد سے مار کھا گئی تھی"۔

"نہیں حسن!" ——— احمد بن غطاش نے کہا ——— "مسیلمہ نے اُسے تین روز اپنے خیمے میں رکھ کر اُسے بیوی بنائے رکھا تھا۔ یہ اُس کی بہت بڑی کمزوری تھی اور اگر غور کرو تو اس کے بعد ہی مسیلمہ کا زوال شروع ہُوا تھا۔ میں تمہیں طریقے بتاؤں گا کہ جو طاقت تم اپنے ساتھ لائے ہو' اس سے تم نے خود کس طرح بچنا ہے اور اسے کس طرح استعمال کرنا ہے"۔

"کیا آپ مجھے علمِ سحر بھی سکھائیں گے؟" ——— حسن بن صباح نے پوچھا۔

"ہاں" ——— احمد بن غطاش نے جواب دیا ——— "وہ تو میں نے تمہیں سکھانا ہی ہے لیکن یہ خیال رکھو حسن! سحر کے علاوہ کچھ پُراسرار علوم اور بھی ہیں۔ اگر تم ان میں سے کسی ایک علم کے بھی ماہر ہو جاؤ تو معجزے کر کے دکھا سکتے ہو لیکن بھروسہ اسی طاقت پر کرنا ہے جو تمہاری اپنی ہے۔ اپنی روحانی قوتوں کو بیدار کرو تو پھر تم دیکھو گے کہ معجزے کس طرح ہوتے ہیں لیکن ہمیں کسی اور قوت کی ضرورت ہے"۔

احمد بن غطاش نے اُس کے ساتھ تقریباً" وہی باتیں کیں' جو اس سے پہلے ابنِ عطاش اور پھر ایک اور درویش اُس کے ساتھ کر چکے تھے۔ احمد ابنِ غطاش نے اسے ایک بات یہ بتائی کہ اس علاقے میں جو چھوٹے بڑے قلعے ہیں ان پر قبضہ کرنا ہے۔

"میں نے تمہیں کچھ تربیت دی ہے" ——— احمد بن غطاش نے کہا ——— "اور تمہیں تیار کرنا ہے کہ کسی طرح سلجوقیوں کی حکومت میں داخل ہو جاؤ۔ وہاں تمہیں کوئی عہدہ مل جائے' پھر وہاں تم نے حاکموں کے حلقے میں اپنے ہم خیال پیدا کرنے ہیں اور پھر سلجوقیوں کی جڑیں کاٹنی ہیں"۔

Scanned by iqbalmt

اسی رات سے احمد بن غطاش نے حسن بن صباح اور فرح کو تربیت دینی شروع کر دی اور انہیں اس طرح کے سبق دینے لگا کہ اپنے ہم خیال کس طرح پیدا کرتے ہیں۔ اُس نے دیکھا کہ فرح کچھ جھینپی ہوئی سی تھی۔

"دیکھ لڑکی!" ـــ احمد بن غطاش نے فرح سے کہا ـــ "ہم نے تجھے ہر کسی مرد کا کھلونا نہیں بنانا۔ ذرا سوچ' پودے کے ساتھ ایک پھول ہے۔ اسے نہ جانے کتنے لوگ سونگھتے ہیں لیکن پھول کی خوشبو اور تازگی ختم نہیں ہوتی۔ ہم نے تجھے ایسا ہی پھول بنانا ہے لیکن ہم تجھے ایسا پھول نہیں بننے دیں گے جسے شاخ سے توڑ لیا جاتا ہے۔ شاخ سے ٹوٹا ہوا پھول مرجھا جاتا ہے یا پتی پتی ہو کر مسلا جاتا ہے۔ میں تجھے یہ طریقے بتاؤں گا کہ تُو کس طرح شاخ کے ساتھ رہے گی اور تیری خوشبو اور تازگی ہمیشہ زندہ رہے گی"۔

اسلام کا قافلہ ساڑھے چار صدیوں کی مسافت طے کر چکا تھا۔

اس قافلے نے لق و دق صحرا' جسموں کا پانی چوس لینے والے ریگزار اور خون کے دریا پار کئے تھے۔ اس قافلے نے جوش میں آئی ہوئی جوئے کہستاں کی مانند چٹانوں کے جگر چاک کئے تھے

اس قافلے نے دشوار گذار جنگلوں کے سینے چیر دیئے تھے

اس قافلے نے تیروں اور برچھیوں کی بوچھاڑوں میں' بحر ظلمات میں گھوڑے دوڑا دیئے تھے اور زرتشت کے پجاری اپنی سلطنت مجاہدین کے اس قافلے کے قدموں میں پھینک کر بھاگ گئے تھے

اس قافلے نے تیز و تند طوفانوں کے منہ موڑ دیئے تھے

مگر کذب و ابتدال کی ایسی آندھی آئی کہ یہ قافلہ بکھرنے اور بھٹکنے لگا

حسن بن صباح بڑے ہی خوفناک طوفان کا ہراول تھا۔ اس کا خطرہ روز بروز شدید ہوتا جا رہا تھا۔ کوئی نہیں بتا سکتا تھا کہ آنے والا وقت کس کے عروج اور کس کے زوال کی داستان سنائے گا۔

داستان گو نے خیر اور شر کی اس داستان کو قلعہ شاہ در تک پہنچایا تھا۔ اس قلعے پر ایک اسماعیلی احمد بن غطاش نے ایک بڑی حسین و جمیل دوشیزہ زریں کے ذریعے قبضہ کیا تھا۔ قلعہ فوج فتح کیا کرتی ہے۔ قلعے کا محاصرہ کیا جاتا ہے' محاصرہ طول بھی پکڑ لیا کرتا ہے' قلعے میں داخل ہونے کے لئے کمندیں پھینکنے اور دروازے توڑنے کی کوششیں ہوتی ہیں' اوپر سے تیروں اور برچھیوں کا مینہ برستا ہے' محاصرہ کرنے والے لہولہان ہوتے ہیں' تڑپتے ہیں اور مرتے ہیں اور خون کے دریا بہا کر ایک قلعہ سر ہوتا ہے لیکن قلعہ شاہ در ایک نوخیز لڑکی نے بڑے ہی پیارے انداز سے قلعے کے والی کی چہیتی بیوی بن کر فتح کر لیا۔ اس والیِ قلعہ کا نام ذاکر تھا جس کی تفصیلی داستان پہلے سنائی جا چکی ہے۔ قلعہ احمد بن غطاش کے قبضے میں آ گیا۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حسن بن صباح اس قلعے میں کس طرح پہنچا تھا۔ اس کے ساتھ فرح نام کی ایک لڑکی بھی تھی۔ حسن بن صباح اور فرح اُس محبت کی زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے جس کا تعلق دلوں اور روحوں سے ہوتا ہے۔ احمد بن غطاش نے دونوں کی تربیت شروع کر دی تھی۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ احمد بن غطاش نے اُن تمام اسماعیلیوں کو جو قلعہ شاہ در کے قید خانے میں بند تھے رہا کر دیا تھا' اور پھر قافلے لٹنے لگے۔ راہزنی کی وارداتوں میں اضافہ ہو گیا۔

Scanned by iqbalmt

تاریخ بتانے سے قاصر ہے کہ حسن بن صباح اس استاد کی شاگردی میں کتنا عرصہ گزار چکا تھا۔ غالباً" دو اڑھائی سال گزر گئے تھے۔ ایک تو حسن بن صباح دنیا میں آیا تو شیطانی اوصاف اپنے ساتھ لایا تھا' اس کے بعد اس نے ان ہی اوصاف کو اُبھارا اور پھر ابنِ عطاش اور احمد بن عطاش نے ان اوصاف کو پختہ تر کر کے اسے پکا ابلیس بنا دیا تھا۔ اسے عِلم سحر بھی سکھا دیا اور غالباً" اسے احمد بن عطاش کچھ ایسی تربیت بھی دے رہا تھا جو زمین دوز تخریب کاری کے لئے کار آمد ہوتی ہے۔ ان لوگوں کا اصل مقصد یہ تھا کہ اسلام کو اسلام ہی رہنے دیں لیکن اللہ کے اس دین کو اپنے نظریات اور اپنی نفسانی خواہشات کے سانچے میں ڈھال لیں۔ یہ ایک ایسی جنگ تھی جو ان لوگوں نے زمین کے نیچے جا کر لڑنی تھی۔

کسی عمارت کو گرانا ہو تو اسے اوپر سے نہیں توڑا جا سکتا۔ وقت لگتا ہے اور توڑنے والے منڈیر کی ایک دو اینٹیں ہی اکھاڑیں گے تو پکڑے جائیں گے۔ عمارت کی بنیادوں میں پانی چھوڑ دیا جائے تو عمارت ملبے کا ڈھیر بن جاتی ہے اور لوگ اس کے سوا کچھ نہیں کہتے کہ عمارت کی بنیادوں میں پانی چلا گیا تھا۔

اسلام کی فلک بوس عمارت کو مسمار کرنے کا یہی طریقہ اختیار کیا جا رہا تھا۔ اس طریقۂ جنگ کے لئے ہتھیاروں کی اتنی ضرورت نہیں ہوتی جتنی مال و دولت کی ہوتی ہے۔ اس میں انسان خریدے جاتے ہیں۔ دین داروں کے دین و ایمان کی قیمت دی جاتی ہے۔ احمد بن عطاش نے زر و جواہرات کی فراہمی کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔

سلطنتِ اسلامیہ میں قافلوں کو لوٹنے کا سلسلہ کبھی کا ختم ہو چکا تھا۔ کوئی لٹیرا رہزنی کی ہمت جرأت نہیں کرتا تھا۔ قافلے کے ساتھ بے شمار لوگ ہوتے ہیں' اکیلا آدمی مال و دولت لئے پاپیادہ دشت و بیابان میں بے دھڑک سفر کرتا تھا۔

سلجوقی تو اس معاملے میں اور زیادہ سخت تھے لیکن سلجوقی سلطان ملک شاہ کے دور میں اگر قافلے لٹنے لگے۔ یہ سراغ نہیں ملتا تھا کہ اچانک لٹیروں کے یہ گروہ کہاں سے آ گئے ہیں۔ سیدنا تاریخ سے پتہ نہیں چلتا کہ سرکاری طور پر اس کا کیا سدباب ہُوا تھا البتہ یہ واضح ہے کہ قافلوں کی آمدورفت تقریباً" بند ہو گئی تھی۔

ایک روز احمد بن عطاش سے ملنے ایک آدمی آیا۔ حسن بن صباح بھی اس کے پاس بیٹھا تھا۔ دربان نے جونہی احمد بن عطاش کو اس آدمی کی اطلاع دی تو احمد بن عطاش نے چونک کر کہا کہ اسے جلدی اندر بھیجو۔

"خوش آمدید میرے بھائی!" ۔۔۔ احمد بن عطاش نے اس آدمی کو دیکھتے ہی پُر مسرت لہجے میں پوچھا ۔۔۔ "بیٹھنے سے پہلے یہ سناؤ کہ کوئی خوشخبری لائے ہو؟"

"بہت بڑی خوشخبری!" ۔۔۔ اس آدمی نے بیٹھتے ہوئے کہا ۔۔۔ "ایک بہت بڑا قافلہ آ رہا ہے۔۔۔ اور جوں جوں یہ آگے بڑھتا آ رہا ہے' اس کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی ہے"۔

"اور مال و دولت میں اضافہ ہوتا آ رہا ہے" ۔۔۔ حسن بن صباح نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اس شخص نے جو قافلے کی خبر لایا تھا' یہ بتانا شروع کر دیا کہ قافلہ کہاں ہے اور یہ کس راستے پر جا رہا ہے۔ یہ راستہ شاہ درے سے بہت دُور سے گزرتا تھا۔ وہ علاقہ پہاڑی بھی تھا اور یہ پہاڑ اور وادیاں درختوں سے لدی پڑی تھیں اور جو علاقہ میدانی تھا وہ سب جنگلاتی تھا۔ چونکہ قافلے جو پہلے لُٹ چکے تھے وہ شاہ درے سے بہت دور لٹے تھے اس لئے کسی کو ذرا سا بھی شُبہ نہیں ہوتا تھا کہ یہ قافلے لوٹنے والے احمد بن عطاش کے آدمی ہیں اور یہ ساری دولت احمد بن عطاش کے قبضے میں جا رہی ہے۔

"کیا تم بتا سکتے ہو کہ اس قافلے میں کیا کچھ ہے؟" ۔۔۔ احمد بن عطاش نے پوچھا۔

"کیوں نہیں!" ۔۔۔ اس شخص نے فاتحانہ انداز سے جواب دیا ۔۔۔ "میں نے اس قافلے کے ساتھ دو پڑاؤ سفر کیا ہے اور پوری تفصیلات اپنی آنکھوں دیکھ کر اور کچھ قافلے والوں سے سن کر آیا ہوں"۔

"ہمیں تم جیسے آدمیوں کی ضرورت ہے" ۔۔۔ حسن بن صباح نے کہا ۔۔۔ "اب بتاؤ کیا دیکھ آئے ہو"۔

"زیادہ تر تاجر ہیں" ۔۔۔ اس شخص نے جواب دیا ۔۔۔ "ان میں بعض تو بہت ہی امیر کبیر لگتے ہیں۔ بیس بیس تیس تیس اونٹوں پر ان کا مال جا رہا ہے"۔

"مال کیا ہے؟"

"اناج بھی ہے" ۔۔۔ اس شخص نے جواب دیا ۔۔۔ "کپڑا ہے' چمڑا ہے اور سونے چاندی کے زیورات بھی ہیں۔ چند ایک کنبے بھی قافلے کے ساتھ ہیں"۔

"تو جوان لڑکیاں بھی ہوں گی!" ۔۔۔ حسن بن صباح نے پوچھا۔

"زیادہ تو نہیں!" ۔۔۔ اس شخص نے جواب دیا ۔۔۔ "سات آٹھ اچھی خاصی خوبصورت اور نوخیز لڑکیاں ہیں۔ چھوٹی عمر کی بچیاں بھی ہیں"۔

"یہ تو اور زیادہ اچھا ہے" ۔۔۔ احمد بن عطاش نے کہا ۔۔۔ "ہمیں پنیری چاہئے جسے ہم اپنی

Scanned by iqbalmt

رغبی سے جہاں چاہیں گے وہاں لگا دیں گے اور اپنے انداز سے اس کی آبیاری کریں گے"۔

"سوچنے والی ایک بات ہے" ـــ حسن بن صباح نے کہا۔ "کئی ایک قافلے لوٹے جا چکے ہیں پھر ان تاجروں وغیرہ نے یہ جرأت کیسے کی ہے کہ وہ اتنا مال و دولت اور اتنا بڑا قافلہ لے کر چل پڑے ہیں؟.... شاید ان لوگوں نے یہ سوچا ہو گا کہ کچھ عرصے سے قافلوں کو لوٹنے کا سلسلہ بند ہے اس لئے لٹیرے کسی اور علاقے میں چلے گئے ہوں گے"۔

"میرا خیال کچھ اور ہے" ـــ قافلے کی خبر لانے والے آدمی نے کہا ـــ "قافلے میں جو کوئی بھی شامل ہوتا ہے اسے کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس تلوار اور برچھی لازمی طور پر ہونی چاہئے اور اس میں حملے کی صورت میں لڑنے کا جذبہ بھی ہونا چاہئے۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ جہاں پڑاؤ ہوتا ہے وہاں کئی ایک نوجوان رضاکارانہ طور پر پورے پڑاؤ کے اردگرد گھوم پھر کر پہرہ دیتے ہیں۔ قافلے میں نوجوان آدمیوں کی تعداد ذرا زیادہ ہے۔ میں یہی بات آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ قافلے کے ساتھ حفاظت کا انتظام بھی موجود ہے اس لئے ہمیں زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہے اور سب سے بڑی ضرورت احتیاط کی ہے"۔

"ہاں.... یہ سوچنے والا معاملہ ہے" ـــ احمد بن غطاش نے کہا اور گہری سوچ میں گم ہو گیا۔

"ہم اس قافلے کو محافظ دیں گے" ـــ حسن بن صباح نے کہا اور قافلے کی خبر لانے والے سے مخاطب ہوا ـــ "تم کچھ دیر میرے پاس بیٹھنا.... اور استادِ محترم یہ کوئی پریشان کرنے والا معاملہ نہیں"۔

اس شخص نے بتایا کہ اس وقت تک قافلے کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہو چکی ہے اور جس بستی اور شہر کے قریب سے یہ قافلہ گزرتا ہے اس میں لوگ شامل ہوتے جا رہے ہیں۔

"میں اس کی وجہ سمجھتا ہوں" ـــ احمد بن غطاش نے کہا ـــ "ایک عرصے بعد لوگوں نے ایک قافلہ دیکھا ہے اس لئے لوگ اس قافلے کے ساتھ چل پڑے ہیں"۔

"یہ قافلہ منزل پر نہیں پہنچنا چاہئے" ـــ حسن بن صباح نے کہا۔

"اسی لئے تو میں اتنی دور سے آیا ہوں" ـــ اس شخص نے کہا ـــ "مجھے فوراً بتائیں کہ میں نے کیا کرنا ہے۔ مجھے جلدی روانہ ہو جانا چاہئے"۔

احمد بن غطاش اور حسن بن صباح نے اسے ہدایات دینی شروع کر دیں۔

○

یہ شخص گھوڑے پر سوار، قلعے سے اس طرح نکلا کہ کسی نے اس کی طرف دیکھا بھی نہیں

کہ یہ کون ہے اور کہاں جا رہا ہے۔ شہر سے کچھ دور جا کر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور دیکھتے ہی دیکھتے سرسبز ٹیکریوں اور جنگل میں غائب ہو گیا۔

اس کے جانے کے فوراً بعد احمد بن غطاش نے اپنے دو خاص مصاحبین کو بلایا اور انہیں کچھ ہدایات دیں۔ دونوں بڑی تیزی سے چلے گئے۔ پہلے تو وہ شاہ در میں کچھ لوگوں سے ملے اور پھر مضافات میں نکل گئے۔

اسی شام کو سورج غروب ہونے کے بعد شاہ در سے سات آٹھ میل دور کم و بیش پچاس گھوڑ سوار اکٹھے ہو گئے۔ انہوں نے احمد بن غطاش کی ہدایت کے مطابق اپنا ایک امیر یا کمانڈر مقرر کر لیا اور اُس طرف چل پڑے جس طرف سے قافلے نے گزرنا تھا۔ انہیں راستہ وغیرہ سمجھا دیا گیا تھا۔ ان کے سامنے دو ڈھائی دنوں کی مسافت تھی۔

قافلے کا راستہ وہاں سے تقریباً ساٹھ میل دور تھا۔ اس وقت تک قافلے کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے تجاوز کر گئی تھی۔ اس میں بوڑھے آدمی بھی تھے، بوڑھی عورتیں بھی تھیں، جوان اور نوجوان لڑکے زیادہ تھے، نوجوان لڑکیاں اور بچے بھی تھے، اونٹ بے شمار تھے، تجارتی مال اور گھریلو سامان سے لدی ہوئی چار پانچ بیل گاڑیاں اور مال بردار گھوڑا گاڑیاں بھی تھیں۔ قافلے کے زیادہ تر آدمی گھوڑوں پر سوار تھے۔

ایک پڑاؤ سے علی الصبح قافلہ چلا۔ ابھی چند میل ہی طے کئے ہوں گے کہ قافلے کے آگے آگے جانے والے رک گئے۔

"ڈاکو.... ڈاکو" ـــ قافلے کے آگے سے بڑی بلند آواز سے اعلان ہوا ـــ "ہوشیار ہو جاؤ جوانو! ڈاکو آ گئے ہیں۔ تیار ہو جاؤ"۔

قافلے کی لمبائی ایک میل سے کہیں زیادہ تھی۔ اعلان کئی بار دہرایا گیا۔ اس کے جواب میں قافلے میں جتنے بھی نوجوان لڑکے، جوان اور ادھیڑ عمر آدمی تھے تلواریں اور برچھیاں تان کر ایسی ترتیب میں ہو گئے کہ قافلے کو محاصرے میں لے لیا۔ تب پتہ چلا کہ قافلے میں کئی ایک ایسے لوگ ہیں جن کے پاس کمانیں اور تیروں سے بھری ہوئی ترکشیں ہیں۔

"لڑکیوں اور بچیوں کو درمیان میں کر لو" ـــ اعلان ہوا ـــ "کچھ آدمی لڑکیوں کے ساتھ رہیں"۔

ایک طرف سے کم و بیش پچاس گھوڑ سوار قافلے کی طرف آ رہے تھے۔ ان کے آنے کا انداز ایسا تھا جیسے وہ حملہ کرنے نہیں آ رہے۔ ان کے پاس تلواریں تھیں لیکن تلواریں نیاموں

Scanned by iqbalmt

میں تھیں۔ بعض کے پاس برچھیاں تھیں، اور کچھ ایسے تھے جن کے پاس جنگی کلہاڑے تھے۔ گھوڑوں کی رفتار حملے والی یا تیز بولنے والی نہیں تھی۔ وہ جب قریب آئے تو ان کے آگے آگے دو سوار تھے، ان دونوں نے ہاتھ اوپر کر کے لہرائے جو ایک پُرامن اشارہ تھا۔

قافلے میں جو تیر انداز تھے وہ ایک صف میں کھڑے ہو گئے اور کمانوں میں ایک ایک تیر ڈال لیا۔

"ہم دوست ہیں" — آنے والے ایک سوار نے کہا — "ہمیں دشمن نہ سمجھو"۔

"پھر وہیں رک جاؤ" — قافلے میں سے ایک آدمی نے کہا — "صرف ایک آدمی آگے آ کر بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو۔ ہمارے تیر اندازوں کو تیغ زنوں، اور برچھی والوں کو دیکھ لو۔ تم اتنے تھوڑے ہو کہ تھوڑی سی دیر میں تم اپنے خون میں ڈوب جاؤ گے اور تمہارے گھوڑے اور ہتھیار ہمارے پاس ہوں گے"۔

ان مشکوک سواروں کے آگے آگے آنے والے دونوں سواروں نے پیچھے مڑ کر اپنے ہاتھ ہلائے جو اشارہ تھا کہ باقی سوار پیچھے ہی رک جائیں۔ تمام سوار رک گئے اور یہ دونوں سوار قافلے کے قریب آ گئے۔

"اب بتاؤ تمہارا ارادہ کیا ہے؟" — قافلے کے اس معزز آدمی نے کہا جس نے اپنے آپ کو خود ہی میر کارواں بنا لیا تھا۔

"ڈرو نہیں دوستو!" — ایک سوار نے کہا — "ہم پیشہ ور لوگ ہیں۔ ہمارا پیشہ امیر لوگوں کی حفاظت کرنا ہے۔ ہم میں اتنی جرأت اور طاقت نہیں کہ اتنے بڑے قافلے پر حملہ کریں۔ ہمیں پتہ چلا کہ ایک قافلہ جا رہا ہے اور ہمیں یہ بھی پتہ ہے کہ قافلوں کو لُوٹنے والے بھی موجود ہیں تو ہم نے اپنے ان دوستوں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ چلو اس قافلے کے پیچھے جاتے ہیں اور امیر لوگوں کو حفاظت مہیا کریں گے اور حلال کی روزی کما لیں گے۔ تمہارا سفر ابھی بہت لمبا باقی ہے۔ قافلے پر کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ حملہ ہو سکتا ہے۔ ہماری التجا ہے کہ ہمیں قافلے کی حفاظت کے لیے اپنے ساتھ لے چلو ہم راتوں کو پہرہ بھی دیں گے"۔

"کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ ہمارے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟" — میر کارواں نے کہا — "تم انہیں اپنی حفاظت خود کرنے کے قابل نہیں سمجھتے؟"

"نہیں" — ایک سوار نے جواب دیا — "ان میں ہمیں ایک بھی ایسا نظر نہیں آتا جس نے کبھی لڑائی لڑی ہو۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ قافلوں کو لُوٹنے والے لڑنے اور مرنے کی

مہارت رکھتے ہیں؟ تمہارے ان آدمیوں نے جب اپنے ساتھیوں کے جسموں سے خون کے فوارے پھوٹتے دیکھے تو یہ سب بھاگ جائیں گے.... ہمیں اپنے محافظ بنا کر اپنے ساتھ لے چلیں ہم اتنی زیادہ اُجرت نہیں مانگیں گے جو تم دے ہی نہ سکو۔ تم میں بڑے بڑے امیر تاجر بھی ہیں، جوان لڑکیوں کے باپ بھی ہیں۔ پھر آپ کے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں۔ آپ سب مل جل کر ہمیں اتنی سی اُجرت تو دے ہی سکتے ہیں جس سے کچھ دن ہمارے بچے بھی روٹی کھا لیں گے"۔

"ایک بات میں بھی کہوں گا" — دوسرے سوار نے کہا — "اگر آپ ہمیں حلال روزی مہیا نہیں کریں گے اور ہمیں کہیں سے بھی روزی نہیں ملے گی تو ایک روز ہم بھی راہزنی شروع کر دیں گے اور قافلوں کو لُوٹنے کا گروہ بنا لیں گے"۔

"روزی دینے والا خدا ہے" — ایک بزرگ نے آگے آ کر کہا — "میرے ہمسفرو! معلوم ہوتا ہے خدا نے ان کی روزی ہمارے ذمے کر دی ہے۔ نہ جانے یہ بیچارے کتنی دُور سے ہمارے پیچھے آئے ہیں اور یہ حلال کی روزی کے پیچھے آئے ہیں۔ انہیں مایوس نہ کرو اور ان کے ساتھ اُجرت طے کر لو۔ انہیں ساتھ لے لینے سے ہماری حفاظتی طاقت میں اضافہ ہو جائے گا۔ ان سے بات کر لو"۔

ان سے اُجرت پوچھی گئی جو انہوں نے بتائی اور ان کے ساتھ سودا طے کر لیا گیا۔ ان محافظ سواروں نے دو شرطیں پیش کیں۔ ایک یہ کہ انہیں اُجرت پیشگی دے دی جائے اور دوسری یہ کہ ان کا کھانا پینا قافلے کے ذمے ہوگا۔

ان کی دونوں شرطیں مان لی گئیں۔ قافلے کے ہر فرد نے اتنی رقم دے دی جو حساب کے مطابق ہر ایک کے ذمے آتی تھی۔

قافلہ چل پڑا۔ ان پچاس محافظوں نے اپنے آپ کو اس طرح تقسیم کر لیا کہ کچھ قافلے کے آگے ہو گئے۔ کچھ قافلے کے پیچھے اور باقی قافلے کے دائیں اور بائیں ہو گئے۔ ان کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ محنت مزدوری کرنے والے لوگ ہیں اور وہ پیشہ ور چوکیدار اور محافظ ہیں۔

پہلا پڑاؤ آیا تو ان میں سے بہت سے آدمیوں نے رات بھر بیدار ہو کر پڑاؤ کے چاروں طرف پہرہ دیا۔ اس سے قافلے والے ان سے مطمئن اور متاثر ہو گئے۔ اگلی رات بھی انہوں نے اسی طرح پہرہ دیا۔

Scanned by iqbalmt

تیسرے پڑاؤ تک پہنچتے قافلے میں ڈیڑھ دو سو مزید افراد کا اضافہ ہو چکا تھا۔

قافلہ ایک اور پڑاؤ کے لئے رک گیا۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ لوگ رات بسر کرنے کے لئے اپنے اپنے انتظامات میں مصروف ہو گئے۔ عورتیں کھانا تیار کرنے لگیں۔ پانی کی وہاں کوئی قلت نہیں تھی۔ علاقہ سرسبز اور پہاڑی تھا۔ پہاڑیاں ذرا پیچھے ہٹی ہوئی تھیں اور ان کے درمیان ہری بھری گھاس کا میدان تھا۔ قریب ہی سے شفاف پانی کی ندی گزرتی تھی۔ پڑاؤ کے لئے یہی جگہ موزوں تھی۔

قافلے والے دن بھر کے تھکے ہوئے تھے کھانا کھا کر لیٹے اور لیٹتے ہی سو گئے۔ محافظ سوار پہرے پر کھڑے ہو گئے اور ہر رات کی طرح پڑاؤ کے ارد گرد گھوم پھر کر پہرہ دینے لگے۔ آدھی رات سے کچھ پہلے تھوڑی دور سے الّو کے بولنے کی آواز آئی۔ ایک الّو پڑاؤ کے بالکل قریب سے بولا۔ ایک بار پھر دور کے الّو کی آواز آئی۔

قافلے والے گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ پچاس ساٹھ گھوڑ سوار قافلے کے پڑاؤ کی طرف آ رہے تھے۔ وہ جب پہاڑوں میں پہنچے اور پڑاؤ انہیں اپنے سامنے نظر آنے لگا تو وہ وہیں رک گئے۔ گھوڑوں سے اترے اور آہستہ آہستہ چلتے پڑاؤ کی طرف بڑھنے لگے۔ ان کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ چند ایک کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں۔ وہ جو پچاس محافظ تھے‘ ان میں سے کچھ پہرے پر کھڑے تھے اور باقی سوئے ہوئے تھے۔ ان کے جو ساتھی پہرے پر کھڑے تھے‘ ان میں سے کچھ آہستہ آہستہ آئے اور انہیں جگایا۔

تمام سوئے ہوئے محافظ آہستہ آہستہ اٹھے۔ انہوں نے تلواریں نکال لیں پھر یہ سب ایک جگہ اکٹھے ہوئے۔ ادھر سے وہ بھی آ گئے جنہوں نے گھوڑے پہاڑیوں کے پیچھے کھڑے کئے تھے۔ یہ سب یعنی محافظ بھی اور ادھر سے آنے والے بھی ایک جگہ آپس میں ملے۔ محافظوں میں سے ایک نے نئے آنے والوں کو بتانا شروع کر دیا کہ کون کہاں ہے‘ یعنی فلاں جگہ امیر کبیر تاجر ہیں اور فلاں جگہ نوجوان لڑکیاں ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب‘ محافظ بھی اور ادھر سے آنے والے بھی تعداد میں ایک سو سے زیادہ ہو گئے۔ محافظ دراصل لٹیرے ہی تھے جنہوں نے دھوکہ دے کر قافلے کے ساتھ رہنا تھا اور ان کے پچاس ساٹھ ساتھیوں نے راستے میں آ کر ان سے ملنا تھا۔ یہ محافظ اس لئے قافلے میں شامل ہوئے تھے کہ انہوں نے پیچھے دیکھ لیا تھا کہ قافلے میں لڑنے والے جوانوں کی تعداد خاصی زیادہ ہے۔

جو آدمی احمد بن غطاش کو اس قافلے کی اطلاع دینے گیا تھا‘ اس نے بتایا تھا کہ اس قافلے پر

حملہ ناکام بھی ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں لڑنے والے آدمیوں کی تعداد زیادہ ہے۔ احمد بن غطاش یہ سن کر سوچ میں پڑ گیا تھا لیکن حسن بن صباح کے دماغ نے فوراً" یہ ترکیب سوچ لی تھی کہ لٹیروں کے گروہ کے آدھے آدمی پیشہ ور محافظ بن کر قافلے میں شامل ہو جائیں گے تاکہ قافلے والے راتوں کو خود پہرہ نہ دیں اور وہ اپنی حفاظت سے بے فکر ہو جائیں۔ حسن بن صباح نے اطلاع لانے والے کو یہ ترکیب بڑی اچھی طرح سمجھا دی تھی۔

یہ شخص بڑی تیزی سے لٹیروں کو اکٹھا کرتا پھرا اور ان کا جو لیڈر تھا‘ اسے اس نے یہ ترکیب سمجھا دی۔ لیڈر نے بڑی خوش اسلوبی سے اس ترکیب پر عمل کیا۔

قافلے والے سمجھ ہی نہ سکے کہ جنہیں وہ محافظ سمجھ بیٹھے ہیں وہ راہزن ہیں۔ ان راہزنوں نے قافلے کے بچے بچے پر اپنا اعتماد قائم کر لیا تھا۔

ان ایک سو سے زیادہ راہزنوں نے پڑاؤ کے ایک طرف سے قتل عام شروع کیا۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ نوجوان لڑکیوں‘ کمسن بچیوں اور بچوں کو زندہ لانا ہے۔ جب قافلے والوں کا قتل عام شروع ہوا تو دوسروں کی آنکھ کھل گئی لیکن راہزنوں نے انہیں سنبھلنے کی مہلت نہ دی۔ اس کے بعد ایک ہڑبونگ تھی۔ قیامت کا سماں تھا۔ جو کوئی ہڑبڑا کر اٹھتا تھا اس کے جسم میں برچھی اتر جاتی یا تلوار اس کی گردن صاف کاٹ دیتی۔ وہاں ان کی چیخ و پکار سننے والا اور سن کر مدد کو پہنچنے والا کوئی نہ تھا۔ لڑکیوں اور بچوں کی دلدوز چیخیں تھیں جو راہزنوں اور قاتلوں کے دلوں کو موم نہیں کر سکتی تھیں۔

کچھ زیادہ دیر نہ لگی کہ قافلے کا صفایا ہو گیا۔ لٹیروں نے سامان سمیٹنا شروع کر دیا۔ پھر انہوں نے یہ سامان اونٹوں‘ بیل گاڑیوں اور گھوڑا گاڑیوں پر لاد لیا۔ نوجوان لڑکیوں‘ بچیوں اور بچوں کو ہانک کر ایک طرف لے جانے لگے۔

قیامت کی اس خونریزی میں ایک دو اونٹ اور ایک دو گھوڑے کھل کر ادھر ادھر ہو گئے تھے۔ شاید چند انسان بھی زندہ بچ گئے ہوں۔ راہزن بڑی جلدی میں تھے۔ انہوں نے لڑکیوں اور بچوں کو ایک گھوڑا گاڑی پر سوار کر لیا اور چار پانچ آدمی ان کے ساتھ سوار ہو گئے اور وہ پہاڑیوں کے پیچھے غائب ہو گئے۔

○

صبح کا اجالا سفید ہوا تو آسمان نے اس میدان میں لاشوں پر لاشیں پڑی دیکھیں۔ لاشوں کے سوا وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ قریب کی ایک ٹیکری کے اوپر ایک بوڑھا آدمی لیٹا ہوا تھا۔ اس نے آہستہ

Scanned by iqbalmt

آہستہ آہستہ سر اٹھایا اور ویران کی طرف دیکھا۔ اس نے اپنی اتنی لمبی عمر میں ایسے منظر پہلے بھی دیکھے ہوں گے۔ وہ کوئی تجربہ کار آدمی تھا۔ وہ اسی قافلے کا ایک فرد تھا۔ رات کو جب قتل عام شروع ہوا تو وہ کسی طرح وہاں سے بھاگ نکلا اور ٹیکری پر چڑھ کر اونچی گھاس میں چھپ گیا تھا۔ وہ رات بھر اپنے ہمسفروں اور ان کے بچوں اور عورتوں کی چیخ و پکار سنتا رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اٹھا اور ٹیکری سے اترا۔ اسے ایسا کوئی ڈر نہ تھا کہ ڈاکو پھر آجائیں گے اور اُسے قتل کر دیں گے۔

وہ آہستہ آہستہ لاشوں کو دیکھتا گیا۔ وہ یوں محسوس کر رہا تھا جیسے خواب میں چل رہا ہو۔ وہ اپنے کنبے کو ڈھونڈ رہا تھا۔ وہاں تو کوئی کہاں اور کوئی کہاں پڑا تھا۔ اُسے بہت ہی چھوٹے سے ایک بچے کی لاش پڑی نظر آئی۔ بچے کی عمر چند مہینے ہی ہوگی۔ وہ کچھ دیر اس غنچے کو دیکھتا رہا جو بن کھلے مرجھا گیا تھا۔ بچے سے نظریں ہٹا کر اس نے ہر طرف دیکھا۔ اُسے کچھ دور ایک اونٹ نظر آیا جو بڑی بے پروائی سے اس خونی منظر سے بے نیاز گھاس چر رہا تھا۔

بوڑھے نے آسمان کی طرف دیکھا جیسے خدا کو ڈھونڈ رہا ہو۔ اچانک اُسے ایک خیال آیا۔ وہ بڑی تیزی سے اونٹ کی طرف چل پڑا۔ اونٹ کے پاس جا کر اس کی مُہار پکڑی اور وہیں بٹھا دیا۔ پھر وہ ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اسے ایک کجاوا ایک جگہ پڑا دکھائی دیا۔ وہ گیا اور کجاوا اٹھا کر اونٹ کے پاس لے گیا۔ اونٹ کی پیٹھ پر رکھ کر اس نے کجاوا کس دیا، پھر اس دودھ پیتے بچے کی خون آلود لاش اٹھا کر لے گیا۔ لاش کو کجاوے میں رکھا اور خود بھی اونٹ پر سوار ہو گیا اور اونٹ کو اٹھایا۔

اس نے اونٹ کا رخ مرو کی طرف کر دیا۔ اُس وقت مرو سلجوقی سلطنت کا دارالحکومت تھا۔ سلطان ملک شاہ وہیں ہوتا تھا۔

ملک شاہ روایتی بادشاہوں جیسا بادشاہ نہیں تھا لیکن جہاں وہ رہتا تھا وہ محل سے کم نہ تھا۔ ایک روز وہ اپنے مصاحبوں وغیرہ میں بیٹھا ہوا تھا۔

"میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں" — ملک شاہ نے کہا اور کچھ دیر سوچ کر بولا — "قافلوں کے لٹنے کا خطرناک سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ ہم کسی کو پکڑ تو نہیں سکے لیکن پکڑنے اور سزا دینے والا اللہ ہے۔ یہ اللہ ہی ہے جس نے میری مدد کی اور قافلے محفوظ ہو گئے"۔

"سلطان محترم!" — دربان نے اندر آکر کہا — "ایک ضعیف العمر شتر سوار آیا ہے۔ آپ سے ملنا چاہتا ہے"۔

"کہاں سے آیا ہے؟" — سلطان نے پوچھا — "کیا چاہتا ہے؟ کچھ پوچھا تم نے؟"

"نہیں سلطان عالی مقام!" — دربان نے جواب دیا — "اس کی حالت اچھی نہیں۔ معلوم ہوتا ہے بڑی لمبی مسافت طے کر کے آیا ہے۔ اُس نے بہت چھوٹے سے بچے کی لاش اٹھا رکھی ہے۔ لاش کو جیسے خون سے نہلایا گیا ہے"۔

"لاش؟" — ملک شاہ نے چونک کر کہا — "چھوٹے سے بچے کی لاش؟ اُسے فوراً اندر بھیجو۔ یہ فریادی معلوم ہوتا ہے"۔

وہ ضعیف العمر کانپتا کانپتا، جھکا جھکا، بازوؤں پر چند ماہ عمر کے بچے کی خون آلود لاش اٹھائے ملک شاہ کے سامنے آیا۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اُس کی آنکھوں کا نور بجھ چکا تھا۔

"آؤ میرے بزرگ!" — ملک شاہ اٹھ کھڑا ہوا اور پوچھا — "کیا مشکل تمہیں یہاں لے آئی ہے؟"

"ایک بچے کی لاش لایا ہوں اے سلطان!" — بوڑھے نے کہا — "یہ آپ کا بچہ ہے" — اس نے آگے بڑھ کر لاش سلطان کے قدموں میں رکھ دی — "اونٹ کی پیٹھ پر تین دن اور تین راتیں سفر کیا ہے۔ نہ اونٹ نے کچھ کھایا ہے نہ میں نے۔ یہ اللہ کی امانت تھی جس میں سلجوقی سلطان نے خیانت کی.... دیکھ سلطان دیکھ... اس بن کھلی کلی کو دیکھ۔ اس ننھے سے بچے میں ابھی یہ احساس بھی پیدا نہیں ہوا تھا کہ یہ زندہ ہے اور مرتے وقت اسے یہ احساس نہیں ہوا ہوگا کہ موت نے اسے ماں کی آغوش سے اٹھا کر اپنی گود میں لے لیا ہے"۔

سلطان ملک شاہ نے دربان کو بلوایا اور کہا کہ وہ بچے کی لاش لے جائے، اسے غسل دے کر کفن پہنایا جائے۔

"اے بزرگ انسان!" — سلطان نے بوڑھے سے کہا — "کیا یہ اچھا نہیں ہوگا کہ شکوے اور شکایت سے پہلے یہ بتا دو کہ یہ بچہ کس کا ہے اور اسے کس نے قتل کیا ہے؟"

"یہ میرے کسی ہمسفر کا بچہ تھا" — بوڑھے نے کہا — "میں اس کے باپ کو نہیں جانتا۔ اس کی ماں کو نہیں جانتا۔ انہیں میں کبھی بھی نہیں جان سکوں گا۔ وہ بھی قتل ہو گئے ہیں۔ وہ کون تھے؟ کہاں سے آئے تھے؟ کہاں جا رہے تھے؟ میں نہیں جانتا۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ وہ ہمارے قافلے کے ساتھ تھے۔ قافلے پر ڈاکوؤں کا حملہ ہو گیا"۔

بوڑھے نے تفصیل سے سنایا کہ قافلہ کہاں سے چلا تھا، کس طرح اس میں مسافروں کا اضافہ ہوتا گیا اور پھر کس طرح اور کہاں قافلے پر اُس وقت حملہ ہوا جب سب گہری نیند سو رہے تھے۔

Scanned by iqbalmt

سلطان غصے کے عالم میں کمرے میں ٹہلنے لگا تھا۔ وہ بار بار ایک ہاتھ کا گھونسہ دوسرے کی ہتھیلی پر مارتا تھا۔ اُس کے چہرے پر قہر اور عتاب کے آثار گہرے ہوتے جا رہے تھے۔

"کچھ عرصہ پہلے قافلوں پر حملے شروع ہوئے تھے" ـــ بوڑھے نے کہا ـــ "پھر یہ حملے خود ہی ختم ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ آپ نے ڈاکوؤں کی سرکوبی کا کوئی بندوبست کر دیا تھا بلکہ لوگوں نے سفر کرنا چھوڑ دیا تھا۔ ہم بدقسمت اس خوش فہمی میں نکل کھڑے ہوئے کہ منزل پر پہنچ جائیں گے"۔

"اس بچے کی لاش یہاں کیوں لے آئے ہو؟" ـــ سلطان ملک شاہ نے پوچھا۔

"سلطان کو یہ دکھلانے کے لئے کہ سلطانوں کے گناہوں کی سزا رعایا کو ملا کرتی ہے" ـــ بوڑھے نے کہا ـــ "میں عقیدے کا سُنی ہوں۔ آپ مجھے معاف کریں یا نہ کریں' مجھے اس کا کوئی ڈر نہیں' میں خلفاء راشدین کی بات کروں گا جن کے دور میں ہر طرف مسلمانوں کی ہی نہیں بلکہ ہر مذہب کے لوگوں کی عزت محفوظ ہو گئی تھی' جان محفوظ ہو گئی تھی اور لوگوں کے مال و اموال محفوظ ہو گئے تھے۔ وہ رعایا کو اور رعایا کے بچوں کو اللہ کی امانت سمجھتے تھے.... میں بچے کی لاش اس لئے یہاں لایا ہوں کہ سلطان اس معصوم کی کھلی اور ٹھہری ہوئی آنکھوں میں اپنے گناہوں کا عکس دیکھ لے"۔

"دیکھ لیا ہے میرے بزرگ!" ـــ سلطان نے کہا ـــ "ہم ان قزاقوں کو پکڑیں گے"۔

"ہمارے قافلے سے تمام نوجوان لڑکیوں اور بچیوں کو قزاق اپنے ساتھ لے گئے ہیں" ـــ بوڑھے نے کہا ـــ "وہ انہیں قتل نہیں کریں گے' انہیں امراء کے گھروں میں فروخت کیا جائے گا۔ انہیں عیش و عشرت کا ذریعہ بنایا جائے گا۔ اُمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بچیاں رقاصہ بنیں گی' عصمت فروش بنیں گی اور ساری عمر اپنے سلطان کے اس گناہ کی سزا بھگتی رہیں گی کہ سلطان نے اپنے فرائض سے نظریں پھیرلی تھیں۔ سلطان کی نیندیں حرام ہو جانی چاہئیں ... میں قافلے والوں کی روحوں کا یہ پیغام لے کر آیا ہوں"۔

تاریخ بتاتی ہے کہ سلجوقی سلطان اسلام کے سچے پیروکار تھے۔ ان میں روایتی بادشاہوں والی خُو نہیں تھی۔ اس بوڑھے نے ایسی سخت باتیں بھی کہہ ڈالی تھیں جو کوئی معمولی سا حاکم بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا لیکن سلطان ملک شاہ نے نہ صرف یہ کہ بوڑھے کا غصہ بھی برداشت کیا اور طنز بھی بلکہ حکم دیا کہ اسے مہمان خانے میں رکھا جائے اور جب تک یہاں قیام کرنا چاہے اُسے سلطان کے ذاتی مہمان کی حیثیت سے رکھا جائے۔

ملک شاہ نے اُسی وقت فوج کے سپہ سالار اور کوتوال کو بلا کر انہیں وہ جگہ بتائی جہاں قافلہ لوٹا گیا اور قافلے والوں کا قتلِ عام ہُوا تھا۔ اُس نے حکم دیا کہ ہر طرف' ہر شہر اور ہر آبادی میں جاسوس پھیلا دیئے جائیں۔

"یہ کوئی بہت بڑا اور منظم گروہ ہے" ـــ سلطان ملک شاہ نے کہا ـــ "ہم جاسوسوں اور مخبروں کے بغیر اس کا سراغ نہیں لگا سکتے۔ مجھے ان چھوٹے چھوٹے قلعوں کے مالکوں اور قلعہ داروں پر بھی شک ہے۔ ان کے ساتھ ہمیں مروّت سے پیش آنا پڑتا ہے۔ تم جانتے ہو کہ وہ کسی بھی وقت خودمختاری کا اعلان کر سکتے ہیں۔ میں ان پر فوج کشی نہیں کرنا چاہتا ورنہ یہ سرکش اور باغی ہو جائیں گے"۔

"سلطان عالی مقام!" ـــ سپہ سالار نے کہا ـــ "میری نظر قلعہ شاہ در کے والی احمد بن غطاش پر بار بار اُٹھتی ہے۔ مجھے شک ہے کہ وہ کوئی زمین دوز کارروائیوں میں مصروف ہے۔ شاہ در ہی ایک ایسی جگہ ہے جہاں کی آبادی خاصی زیادہ ہے۔ احمد کو اس آبادی سے فوج مل سکتی ہے"۔

"اسے شاہ در کا والی میں نے ہی بنایا تھا" ـــ سلطان نے کہا ـــ "اور یہ شہر اس کے حوالے اس کی کچھ خوبیاں دیکھ کر کیا تھا۔ اس کی شہرت یہ ہے کہ وہ اہلِ سنت ہے اور وہ جب وعظ اور خطبہ دے رہا ہوتا ہے تو کُفر کے پتھر بھی موم ہو جاتے ہیں۔ پہلے والی ذاکر نے وصیت کی تھی کہ شاہ در کا والی احمد بن غطاش کو مقرر کیا جائے"۔

"گستاخی معاف سلطان محترم!" ـــ کوتوال نے کہا ـــ "کسی کی خطابت سے متاثر ہونا اور بات ہے لیکن ایسے خطیب کی نیّت اور دل میں چھپے ہوئے عزائم کو سمجھنا بالکل ہی مختلف معاملہ ہے اور یہی ایک راز ہے جو جاننا ضروری ہوتا ہے۔ مجھے کچھ ایسی اطلاعیں ملتی رہی ہیں جن سے یہ شک پیدا ہوتا ہے کہ شاہ در میں اسماعیلی اکٹھے ہو رہے ہیں"۔

"یہ شک ایک اور وجہ سے بھی پختہ ہوتا ہے" ـــ سپہ سالار نے کہا ـــ "احمد نے قلعے کا والی بنتے ہی ان تمام اسماعیلیوں کو رہا کر دیا تھا جنہیں سُنی عقیدے کے خلاف کام کرتے پکڑا گیا تھا لیکن اب ہم اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ تین سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے۔ اب ہم صرف یہ کر سکتے ہیں' اور ہمیں یہ کرنا بھی چاہئے کہ کسی ایسے جاسوس کو شاہ در بھیج دیتے ہیں جو بہت ہی ذہین' دانشمند اور ہر بات کی گہرائی میں اتر جانے والا ہو ـــ وہ ذرا اونچی حیثیت کا آدمی

Scanned by iqbalmt

ہونا چاہئے جو والیٔ قلعہ کی محفلوں میں بیٹھنے کے قابل ہو"۔

"ایسا کوئی آدمی تمہاری نظر میں ہے؟" ــــ سلطان نے پوچھا۔

"میرے پاس دو ایسے آدمی ہیں" ــــ کوتوال نے کہا ــــ "ان دونوں میں جو بہتر ہے اگر آپ حکم دیں تو میں اُسے شاہ در بھیج دوں گا۔ بھیجنے سے پہلے میں اسے کچھ دن تربیت دوں گا"۔

"بھیج دو" ــــ ملک شاہ نے کہا ــــ "اگر فوج کشی کی ضرورت پڑی تو میں حیل و حجت نہیں کروں گا میں اپنی ذات کی توہین برداشت کر سکتا ہوں' اپنے عقیدے کے خلاف ایک لفظ بھی گوارا نہیں کروں گا"۔

اُس شخص کا نام یحییٰ ابن الہادی تھا۔ اس کی عمر تیس سال سے کچھ اوپر تھی۔ عراقی عرب تھا۔ خوبرو اتنا کہ ہجوم میں ہوتا تو بھی دیکھنے والوں کی نظریں اُس پر رک جاتی تھیں۔ جسم گٹھا ہوا اور ساخت پُرکشش۔ ایسا ہی حُسن اُس کی زبان میں تھا۔ عربی اُس کی مادری زبان تھی۔ فارسی بھی بولتا اور سلجوقیوں کی زبان بھی سمجھ اور بول لیتا تھا۔ یہ تُرکی زبان تھی۔ شہسوار تھا۔ تیغ زنی اور تیر اندازی میں خصوصی مہارت رکھتا تھا۔

کوتوال نے اسے آٹھ دس دن اپنے ساتھ رکھا اور تربیت دیتا رہا۔

"ابن الہادی!" ــــ کوتوال نے اسے شاہ در روانہ کرنے سے ایک روز پہلے کہا ــــ "یہ تو تم جان چکے ہو کہ تم شاہ در جاسوسی کے لئے جا رہے ہو اور مجھے یقین ہے کہ تم کامیاب لوٹو گے لیکن ایک بار پھر سن لو کہ تمہارا مقصد کیا ہے۔ شک یہ ہے کہ احمد بن غطاش کی کچھ زمین دوز سرگرمیاں ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اسماعیلیوں اور باغیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے۔ اگر ایسا نہیں تو یہ تم نے دیکھنا ہے کہ اُس کے درپردہ عزائم کیا ہیں۔ کیا یہ عزائم سلطنت کے حق میں ہیں یا احمد سرکشی اور خود مختاری کی طرف بڑھ رہا ہے"۔

"میں آپ تک خبریں کس طرح پہنچایا کروں گا؟" ــــ یحییٰ ابن الہادی نے پوچھا۔

"سنان تمہارے ساتھ جا رہا ہے" ــــ کوتوال نے اسے بتایا ــــ "وہ تمہیں ملتا رہا کرے گا۔ میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں ابن الہادی!"

اگلی صبح یحییٰ ابن الہادی اور سنان شاہ در کو روانہ ہو گئے۔

○

احمد بن غطاش کو بتایا جا چکا تھا کہ قافلہ کامیابی سے لُوٹ لیا گیا ہے۔ آٹھ دس دنوں بعد وہ تمام زر و جواہرات جو قافلے سے ملے تھے' احمد کے حوالے کر دیئے گئے تھے' پھر باقی سامان بھی

تھوڑا تھوڑا اس کو پہنچایا جاتا رہا۔ کسی کو شک تک نہ ہُوا کہ قافلہ والیٔ شاہ در کے کہنے پر لُوٹا گیا تھا۔

"محترم استاد!" ــــ ایک روز حسن بن صباح نے احمد بن غطاش سے پُر مسرت لہجے میں کہا ــــ "کیا اتنا مال و دولت اور اتنی حسین نوخیز لڑکیاں پہلے بھی آپ کو کسی قافلے سے ملی تھیں؟"

"نہیں حسن!" ــــ احمد نے کہا ــــ "میں نے اب تک جتنے قافلوں پر حملے کروائے ہیں' ان سب کا لُوٹا ہُوا مال اکٹھا کیا جائے تو اتنا نہیں بنتا جتنا اس ایک قافلے سے حاصل ہُوا ہے" ــــ احمد خاموش ہو گیا اور حسن بن صباح کو غور سے دیکھ کر بولا ــــ "کیوں حسن! آج تم کچھ زیادہ ہی خوش نظر آ رہے ہو"۔

"ہاں استاد!" ــــ حسن نے کہا ــــ "میں اس لئے خوش نہیں کہ اس قافلے نے ہمیں مالا مال کر دیا ہے بلکہ میری خوشی کی وجہ یہ ہے کہ میری بتائی ہوئی ترکیب کامیاب رہی ہے..... میں کوئی اور بات کہنے لگا تھا... اس کامیابی کا جشن منانا چاہئے اور اس جشن میں شہر کے لوگوں اور ارد گرد کے لوگوں کو بھی شامل کیا جائے"۔

"کیا لوگوں کو کھانا کھلاؤ گے؟" ــــ احمد بن غطاش نے پوچھا ــــ "ناچ گانا کراؤ گے؟... جو کچھ بھی کرو گے وہ بعد کی بات ہے پہلے تو سوچنے والی بات یہ ہے کہ لوگوں کو کیا بتاؤ گے کہ یہ کیسا جشن ہے؟"

"بتانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟" ــــ حسن نے کہا ــــ "جشن تو ہم منائیں گے۔ لوگوں کو کسی اور طریقے سے شامل کرنا ہے۔ وہ اس طرح کہ کم از کم دو دن گھوڑ دوڑ' نیزہ بازی' تیغ زنی' تیر اندازی' کُشتی وغیرہ کے مقابلے کرائیں گے اور جیتنے والوں کو انعام دیں گے... ہم نے جشن تو اپنا منانا ہے لیکن اس سے ایک فائدہ یہ حاصل ہو گا کہ لوگ خوش ہو جائیں گے۔ لوگوں کے ساتھ آپ کا رابطہ بہت ضروری ہے لیکن یہ احتیاط ضروری ہو گی کہ میں لوگوں کے سامنے نہیں آؤں گا یا انہیں اپنا چہرہ نہیں دکھاؤں گا کیونکہ میں نے بعد میں کسی اور روپ میں سامنے آنا ہے۔ جشن آپ کو ہر دلعزیز بنانے کے لئے ضروری ہے"۔

احمد بن غطاش کو یہ تجویز اتنی اچھی لگی کہ اُس نے اُسی وقت جشن کی تفصیلات طے کرنی شروع کر دیں پھر حکم دیا کہ شہر میں اور ارد گرد کے علاقے میں ایک ہی دن میں یہ منادی کرا دی جائے کہ فلاں دن شاہ در میں گھوڑ دوڑ' نیزہ بازی' تیغ زنی' کُشتی وغیرہ کے مقابلے ہوں گے جن میں جو چاہے شریک ہو کر انعام حاصل کر سکتا ہے۔

Scanned by iqbalmt

اس منادی سے شاہ در کے اِرد گرد کے علاقے میں نئی جان پڑ گئی۔ لوگ ایک دو دن پہلے شاہ در پہنچنا شروع ہو گئے۔ شہر کے ارد گرد خیموں کی ایک وسیع و عریض بستی آباد ہو گئی۔ گھوڑوں اور اونٹوں کا ہی کوئی شمار نہ تھا۔

مقابلے کے دن سے ایک دن پہلے خیموں کی بستی اتنی دُور دُور تک پھیل گئی تھی کہ اس کے درمیان شاہ در گاؤں سا لگتا تھا۔ سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے حسن بن صباح اپنے استاد اور پیرو مرشد احمد بن غطاش کے ساتھ محل نما مکان کے بالا خانے کی کھڑکی میں کھڑا باہر سے آئے ہوئے لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ ان کی تعداد سینکڑوں نہیں ہزاروں تھی۔

"میرے مُرشد!" —— حسن بن صباح نے احمد سے کہا —— "یہ ہے وہ مخلوقِ خدا جسے ہم نے اپنی مریدی میں لینا ہے..... کیا یہ ممکن ہے؟"

"ناممکن بھی نہیں حسن!" —— احمد نے کہا —— "ہمارا کام آسان تو نہیں۔ ہم نے ناممکن کو ممکن کر دکھانا ہے۔ تمہارے ساتھ یہ باتیں پہلے ہو چکی ہیں۔ اگر حکومت ہماری ہوتی تو پھر کوئی مشکل نہیں تھی۔ ہمارے سامنے سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ حکمران سلجوقی ہیں اور وہ اہلِ سُنّت ہیں۔ ہم تعداد میں تھوڑے ہیں۔ ہم نے ان لوگوں کے دلوں پر قبضہ کرنا ہے۔ تم مجھ سے زیادہ عقلمند ہو۔ اس ہجوم کو دیکھ کر مجھے معلوم ہُوا ہے کہ تمہاری یہ تجویز کتنی قیمتی ہے"۔

"تفریح استادِ محترم!" —— حسن نے کہا —— "انسان کی فطرت تفریح چاہتی ہے۔ انسان حقیقت کا منفور ہے۔ لذت چاہتا ہے۔ آپ استاد ہیں۔ آفتاب ہیں آپ' میں آپ کے سامنے چراغ سے بڑھ کر کیا حیثیت رکھتا ہوں۔ مجھے آپ کا سبق یاد ہے۔ ہر انسان کی ذات میں کمزوریاں ہیں اور ہر انسان اپنی کمزوریوں کا غلام ہے۔ اس ہجوم میں بڑے امیر لوگ بھی ہیں۔ زر پرستی اور برتری ان کی کمزوری ہے اور جو غریب ہیں وہ ایسے خدا کی تلاش میں ہیں جو انہیں بھی امیر بنانے کی قدرت رکھتا ہے"۔

"نہیں یہ خدا ہم دیں گے" —— احمد نے کہا —— "نہیں ہم اپنے عقیدے میں لے آئیں گے"۔

سورج غروب ہو گیا۔ شاہ در اور اس کے ارد گرد خیموں کی دنیا کی گہما گہمی رات کی تاریکی اور سکوت میں دم توڑتی چلی گئی۔ باہر کے لوگ نیند کی آغوش میں مدہوش ہو گئے تو احمد اور حسن کی دنیا کی رونق عروج پر پہنچ گئی۔ شراب کا دور چل رہا تھا۔ نیک و بد کی تمیز ختم ہو چکی تھی۔

صبح طلوع ہوئی تو ہزارہا انسانوں کا انبوہِ بے کراں اس میدان کے ارد گرد جمع ہو گیا جس میدان میں مختلف مقابلے منعقد ہونے تھے۔ یہ بہت ہی وسیع و عریض میدان تھا۔ مقابلے میں شرکت کرنے والوں کو منتظمین نے الگ جگہ دے دی تھی۔ اس طرف کسی تماشائی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔

احمد بن غطاش کے بیٹھنے کی جگہ ایک چبوترے پر تھی جو اسی مقصد کے لئے بنایا گیا تھا۔ شاہی مہمانوں کے بیٹھنے کا انتظام بھی اسی چبوترے پر تھا۔ اس پر بڑا ہی خوبصورت شامیانہ تنا ہُوا تھا۔ برچھی بردار سنتری اور چوب دار چمکیلے اور رنگ دار لباس میں چبوترے کے نیچے اور اوپر چاک و چوبند کھڑے تھے۔ ہر لحاظ سے یہ اہتمام شاہانہ لگتا تھا۔ روم کے شہنشاہوں کی یاد تازہ ہو رہی تھی۔

اچانک دو نقارے بجنے لگے۔ ایک طرف سے احمد بن غطاش شاہی مہمانوں' اپنے خاندان کے افراد اور مصاحبوں کے جلوس میں شاہانہ چال چلتا آیا۔ اُس کے ساتھ ایک باریش آدمی تھا جو سرتاپا ہلکے سبز رنگ کی عبا میں ملبوس تھا۔ اُس کا چہرہ پوری طرح نظر نہیں آتا تھا کیونکہ اُس نے سر پر جو کپڑا لے رکھا تھا' اس کپڑے نے اس کا آدھا چہرہ اس طرح ڈھکا ہُوا تھا کہ اس کی آنکھیں اور ناک ہی نظر آتی تھی۔ وہ حسن بن صباح تھا جس نے اپنے آپ کو لوگوں سے مستور رکھنا تھا۔

احمد بن غطاش حسن بن صباح کے ساتھ یوں چل رہا تھا جیسے حسن بن صباح کوئی بہت ہی معزز اور برگزیدہ بزرگ ہو۔ یہ سب لوگ چبوترے پر آ کر اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ احمد بن غطاش اٹھا اور چبوترے پر دو چار قدم آگے آیا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" —— اُس نے بڑی ہی بلند آواز سے کہا —— "میں نے ان مقابلوں کا اہتمام اس لئے کرایا ہے کہ اسلام کی پاسبانی کے لئے قوم کے ہر فرد کا مجاہد بننا لازمی ہے۔ جہاد کے لئے تیاری کرتے رہنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ہم میں کتنے لوگ جہاد میں دشمن کو تہہ تیغ کرنے کے قابل ہیں"۔

اُس نے ہاتھ بلند کر کے نیچے کیا جو اشارہ تھا کہ مقابلے شروع کرا دیئے جائیں۔

گھوڑ دوڑ شروع ہو گئی۔ لوگوں نے داد و تحسین کا شور و غل بپا کر دیا۔

اس کے بعد گھوڑ سواری کے کرتبوں کے مقابلے ہوئے اور اس کے بعد شُتر سوار میدان میں اُترے۔ جب اونٹوں کی دوڑ ختم ہو گئی تو اعلان ہُوا کہ اب تیر اندازی کا مقابلہ ہو گا۔ اس

Scanned by iqbalmt

اعلان کے ساتھ ہی چار آدمی ایک بہت بڑا پنجرا اٹھائے ہوئے میدان میں آئے۔ پنجرے میں ڈیڑھ دو سو کبوتر بند تھے۔ ایک آدمی نے اعلان کیا کہ ایک کبوتر اُڑایا جائے گا اور ایک تیرانداز اس کبوتر کو تیر سے گرائے گا۔ یہ بھی کہا گیا کہ کوئی تیرانداز پہلے تیر سے کبوتر کو نہ گرا سکے تو دوسرا اور پھر تیسرا تیر بھی چلا سکتا ہے۔ اوّل انعام ان تیراندازوں کو دیئے جائیں گے جو پہلے ہی تیر سے کبوتر کو نشانہ بنالیں گے۔

کم و بیش ایک سو تیرانداز ایک طرف کھڑے تھے۔ پہلے تیرانداز کو بلایا گیا۔ پنجرے میں سے ایک کبوتر نکال کر اوپر کو پھینکا گیا۔ تیرانداز نے کمان میں تیر ڈالا اور جب کبوتر ذرا بلندی پر گیا تو اُس نے تیر چلایا لیکن کبوتر تیر کے راستے سے ہٹ گیا تھا۔ تیرانداز نے بڑی پھرتی سے ترکش سے دوسرا تیر نکال کر کمان میں ڈالا اور کبوتر پر چلایا۔ وہ بھی خطا گیا۔ تیسرا تیر بھی کبوتر کے دور سے گزر گیا۔

ایک اور تیرانداز کو بلایا گیا۔ میدان کے وسط میں کھڑے ہو کر اس نے کمان میں تیر ڈالا اور تیار ہو گیا۔ پنجرے سے ایک کبوتر نکال کر اوپر کو چھوڑا گیا۔ یہ تیرانداز بھی کبوتر کو نہ گرا سکا۔

دس بارہ تیرانداز آئے۔ کوئی ایک بھی کبوتر کو نہ گرا سکا۔ اگر پرندہ سیدھی اُڑان میں اُڑا آئے تو ماہر تیرانداز اسے نشانہ بنا سکتا ہے لیکن جو کبوتر پنجرے سے نکلتا تھا وہ اتنا ڈرا ہُوا ہوتا تھا کہ بلندی پر بھی جاتا تھا اور بڑی تیزی سے دائیں اور بائیں بھی ہوتا تھا۔ اُس کی اُڑان کا کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ اب یہ کس طرف گھوم جائے گا۔ ایسے پرندے کو تیر سے مارنا بہت ہی مشکل تھا۔

ایک اور تیرانداز آگے آیا اور ایک کبوتر اُس کے لئے چھوڑا گیا۔ اس تیرانداز نے بھی یکے بعد دیگرے تین تیر چلائے مگر تینوں خطا گئے۔ لوگوں نے شور و غل بلند کیا۔ تیر اوپر جاتے اور گرتے صاف نظر آتے تھے۔ یہ کبوتر تین تیروں سے بچ گیا اور تماشائیوں کے اوپر ایک چکر میں اُڑتا بلند ہوتا جا رہا تھا۔ ایک اور تیرانداز میدان میں آ رہا تھا۔

تماشائی ابھی اوپر اس کبوتر کو دیکھ رہے تھے جو تین تیروں سے بچ کر محوِ پرواز تھا۔ احمد بن غطاش کے چبوترے کے قریب جو تماشائی کھڑے تھے ان میں سے ایک کی کمان میں سے تیر نکلا جو کبوتر کے پیٹ میں اتر گیا اور کبوتر پھڑپھڑاتا ہُوا نیچے آنے لگا۔ تماشائیوں پر سناٹا طاری ہو گیا۔ ان کی حیرت قدرتی تھی۔ کبوتر زیادہ بلندی پر چلا گیا تھا اور ابھی تک گھبراہٹ کے عالم میں یوں اُڑ رہا تھا جیسے پھڑپھڑا رہا ہو۔

"یہ تیرانداز کون ہے؟" ــــ احمد بن غطاش نے اٹھ کر اور چبوترے پر آگے آکر کہا ــــ "سامنے آؤ ــــ خدا کی قسم میں اس تیرانداز کو اپنے ساتھ رکھوں گا"۔

ایک گھوڑسوار تماشائیوں میں سے نکلا اور چبوترے کے سامنے جا کھڑا ہُوا۔ اُس کے ہاتھ میں کمان تھی اور کندھے کے پیچھے ترکش بندھی ہوئی تھی۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" ــــ احمد بن غطاش نے اُس سے پوچھا ــــ "کہاں سے آئے ہو؟ کیا تم شاہدر کے رہنے والے ہو؟"

"میرا نام یحییٰ ابن الہادی ہے" ــــ تیرانداز نے جواب دیا ــــ "بہت دُور سے آیا ہوں اور بہت دُور جا رہا ہوں۔ یہاں کچھ دیر کے لئے رکا تھا۔ لوگوں کا ہجوم دیکھا تو ادھر آ گیا۔ اگر اجازت ہو تو میں دوڑتے گھوڑے سے تیراندازی کا مظاہرہ کر سکتا ہوں۔ میں دعویٰ تو نہیں کرتا لیکن کوشش کروں گا کہ آپ کو کچھ بہتر تماشا دکھا سکوں"۔

"اجازت ہے" ــــ احمد بن غطاش نے کہا۔

یحییٰ ابن الہادی نے گھوڑے کو دوڑایا اور میدان میں لے جا کر کہا کہ جب اس کا گھوڑا دوڑنے لگے تو ایک کبوتر چھوڑ دیا جائے۔ وہ گھوڑے کو ایک طرف لے گیا اور گھوڑا دوڑا دیا۔ پنجرے سے ایک کبوتر نکال کر چھوڑ دیا گیا۔ یحییٰ نے دوڑتے گھوڑے پر ترکش سے ایک تیر کمان میں ڈالا اور کبوتر کو نشانے میں لینے لگا۔ آخر اس کی کمان سے تیر نکلا جو کبوتر کے ایک پر کو کاٹتا ہُوا اوپر چلا گیا اور کبوتر پھڑپھڑاتا ہُوا نیچے آ پڑا۔

"آفرین!" ــــ احمد بن غطاش نے اٹھ کر بے ساختہ کہا ــــ "میں تمہیں آگے نہیں جانے دوں گا۔ شاہدر تمہاری منزل ہے"۔

"ایک خالی اونٹ میدان میں دوڑا دیا جائے" ــــ یحییٰ نے بلند آواز سے کہا اور اُس نے گھوڑے کو روک لیا۔

ایک قوی ہیکل اونٹ کو میدان کے ایک سرے پر لا کر پیچھے سے مارا گیا۔ اونٹ ڈر کر دوڑ پڑا۔ تین چار آدمی اس کے پیچھے پیچھے دوڑے تاکہ اس کی رفتار تیز ہو جائے۔ یحییٰ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور گھوڑے کو گھما پھرا کر اونٹ کے پہلو کے ساتھ کر لیا۔

گھوڑے کو اپنے ساتھ دوڑتا دیکھ کر اونٹ اور تیز ہو گیا۔ اونٹ کی پیٹھ پر کجاوا کسا ہُوا تھا جو ایک آدمی کی سواری کے لئے تھا۔ اس کی مہار زین کے ساتھ بندھی ہوئی تھی۔ یحییٰ نے رکابوں سے پاؤں نکالے اور دوڑتے گھوڑے کی پیٹھ پر کھڑا ہو گیا۔ وہاں سے اچھلا اور اونٹ کی پیٹھ پر پہنچ

Scanned by iqbalmt

گیا۔ اُس نے اونٹ کی مہار پکڑ لی۔ گھوڑا اونٹ سے الگ ہو گیا تھا۔ یحیٰ اونٹ کو گھوڑے کے پہلو میں لے گیا اور اونٹ کی پیٹھ سے کود کر گھوڑے کی پیٹھ پر آ گیا۔ اُس نے یہ کرتب دکھانے سے پہلے اپنی کمان پھینک دی تھی۔ اُس نے گھوڑے کو موڑا اور چبوترے کے سامنے جا رکا۔

یہ وہی یحیٰ ابن الہادی تھا جسے سلطان ملک شاہ کے کوتوال نے جاسوسی کے لئے شاہ در بھیجا تھا۔ وہ دو روز پہلے شاہ در پہنچا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اپنا کام کس طرح شروع کرے۔ ان ہی دنوں مقابلوں کا ہنگامہ شروع ہو چکا تھا۔ پھر مقابلے کا دن آ گیا اور وہ تماشائیوں میں جا کھڑا ہوا۔ اُس نے جب اُڑتے کبوتروں پر تیر چلتے اور خطا ہوتے دیکھے تو اس نے سامنے آئے بغیر ایک کبوتر پر تیر چلا دیا۔ اس طرح اس کا رابطہ براہِ راست احمد بن غطاش سے ہو گیا۔ موقع بہتر جان کر اُس نے گھوڑ سواری کا کرتب بھی دکھا دیا۔

○

ایک ایک تیر انداز آ کے آتا رہا، اُڑتے کبوتروں پر تیر چلتے رہے، کوئی ایک بھی تیر انداز کبوتر کو نشانہ نہ بنا سکا۔ یحیٰ ابن الہادی کی شکل و شباہت، قد کاٹھ، جسم کی ساخت، ڈیل ڈول اور انداز ایسا تھا کہ احمد بن غطاش نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے حسن بن صباح سے کہا کہ یہ جوان سال گھوڑ سوار کوئی معمولی آدمی نہیں لگتا۔

"اگر یہ مان جائے تو میں اسے اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں" — احمد بن غطاش نے حسن سے کہا — "ہمیں اس قسم کے آدمیوں کی ضرورت ہے"۔

"پوچھ لیں" — حسن نے کہا — "لگتا تو مسلمان ہے۔ معلوم نہیں کون سے قبیلے اور کس فرقے کا آدمی ہے"۔

احمد بن غطاش نے ایک چوبدار کو بھیج کر یحیٰ کو بلایا۔ یحیٰ آیا تو احمد نے اسے چبوترے پر بلا کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ یحیٰ کا گھوڑا ایک چوبدار نے پکڑ لیا تھا۔ میدان میں مختلف مقابلے یکے بعد دیگرے ہو رہے تھے لیکن احمد کی توجہ اُدھر سے ہٹ گئی تھی۔ وہ یحیٰ کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ پہلا اور قدرتی سوال یہ تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں جا رہا ہے۔

"اپنی منزل کا مجھے کچھ پتہ نہیں" — یحیٰ نے کہا — "شاید میں بھٹک گیا ہوں"۔

"کیا تم بات صاف نہیں کرو گے؟" — احمد بن غطاش نے کہا — "مجھے تمہاری بات میں دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔ کیا تم کچھ دن میرے مہمان رہنا پسند کرو گے؟"

"رک جاؤں گا" — یحیٰ نے جواب دیا — "اگر میری روح کو یہاں تسکین مل گئی تو اسی

شہر کو اپنا ٹھکانہ بنا لوں گا۔۔۔ لیکن آپ مجھے یہاں روک کر کریں گے کیا؟"

"میں چاہتا ہوں کہ لوگ تم سے تیر اندازی سیکھیں" — احمد نے کہا — "اور تم یہاں ایک محافظ دستہ تیار کرو۔ یہ دستہ گھوڑ سوار ہو گا۔ تم نے ہر ایک محافظ کو شہسوار بنانا ہے"۔

"کیا آپ اپنی فوج تیار کرنا چاہتے ہیں؟" — یحیٰ نے پوچھا۔

یحیٰ نے یہ سوال جاسوس کی حیثیت سے کیا تھا۔ اُسے پوری طرح اندازہ نہیں تھا کہ اس کا سامنا کس قدر گھاگ اور کلیاں آدمی سے ہے۔

"اپنی فوج!" — احمد بن عطاش نے چونک کر کہا — "میں اپنی فوج نہیں بنا سکتا۔ میں تو یہاں کا والی ہوں۔ فوج تیار کرنا سلطان کا کام ہے۔ میں یہاں لوگوں کو جہاد کے لئے تیار کرنا چاہتا ہوں۔ تم نے دیکھا ہے کہ یہاں ایک بھی ایسا تیر انداز نہیں جو اُڑتے کبوتر کو نشانہ بنا سکے۔ گھوڑ سواری میں یہ لوگ اتنے ماہر نہیں جتنا انہیں ہونا چاہئے۔ اگر میں ایک دستے کی صورت میں کچھ لوگوں کو تیار کر لوں گا تو وہ سلطان کے ہی کام آئیں گے۔۔۔ تم یقیناً اہلِ سُنت والجماعت ہو!"

"میں مسلمان ہوں" — یحیٰ نے کہا — "لیکن میں عقیدوں کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہا ہوں۔ سوچ سوچ کر پاگل ہوا جا رہا ہوں کہ کون سا عقیدہ خدا کا اُتارا ہوا ہے اور کون سا انسانوں نے خود گھڑ لیا ہے۔ کبھی کہتا ہوں کہ اسماعیلی صحیح راستے پر جا رہے ہیں اور پھر خیال آتا ہے کہ اہلِ سُنت صراطِ مستقیم پر ہیں۔۔۔ میں تو مرد میدان تھا۔ آپ نے دیکھ ہی لیا ہے لیکن دماغ میں ان سوالوں نے سر اٹھا لیا اور مجھے منزل منزل کا بھٹکا ہوا مسافر بنا ڈالا۔ میری روح تشنہ اور بے چین ہے"۔

احمد نے حسن بن صباح کی طرف دیکھا جس کا آدھا چہرہ ڈھکا ہوا تھا۔ حسن بن صباح نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے کچھ کہہ دیا۔

"ہم تمہیں بھٹکنے نہیں دیں گے یحیٰ!" — احمد نے کہا — "خدا نے ہم پر یہ کرم کیا ہے کہ یہ بزرگ ہستی ہمیں عنایت کی ہے۔ یہ دینی علوم کے بہت بڑے عالم ہیں۔ میں ان سے درخواست کروں گا کہ یہ تمہیں اپنی شاگردی میں بٹھا لیں اور تمہارے شکوک و شبہات رفع کر دیں۔ مجھے امید ہے کہ تمہاری روح کی تشنگی ختم ہو جائے گی"۔

"اے بھٹکے ہوئے مسافر!" — حسن بن صباح نے کہا — "مرد میدان ہو، تمہیں علم اور خصوصاً دینی علم کے جھمیلوں میں نہیں پڑنا چاہئے۔ اپنی صلاحیتیں ضائع نہ کرو۔ ہم تمہیں اپنے پاس بٹھائیں گے۔ کچھ روشنی دکھائیں گے اور تمہاری تسکین کر دیں گے"۔

Scanned by iqbalmt

تیغ زنی وغیرہ کے مقابلے ہو رہے تھے۔ تماشائیوں نے بے ہنگم شور و غوغا بپا کر رکھا تھا۔ میدان سے اتنی گرد اڑ رہی تھی کہ مقابلہ کرنے والے اچھی طرح نظر بھی نہیں آتے تھے۔ دوپہر کے بعد کا وقت ہو گیا تھا۔ احمد بن عطاش نے اعلان کروایا کہ باقی مقابلے کل صبح ہوں گے اور جو لوگ اس وقت تک مقابلوں میں کامیاب رہے ہیں انہیں مقابلے ختم ہونے کے بعد انعامات دیئے جائیں گے۔

احمد بن عطاش اٹھ کھڑا ہوا۔ شاہی مہمان وغیرہ بھی اٹھے اور وہ سب چلے گئے۔ احمد نے یحییٰ کو اپنے ساتھ رکھا۔ گھر لے جا کر اس کا منہ ہاتھ دُھلوایا اور پھر وہ دسترخوان پر جا بیٹھے۔ کھانے کے دوران بھی ان کے درمیان باتیں ہوتی رہیں۔ یحییٰ نے اپنے متعلق یہ تاثر دیا کہ وہ اپنے قبیلے کے سردار خاندان کا فرد ہے اور اُس کا اثر و رسوخ صرف اپنے قبیلے پر ہی نہیں بلکہ دوسرے قبیلے بھی اُس کے خاندان کے رعب و دبدبے کو مانتے ہیں۔

یہ بڑا ہی اچھا اتفاق تھا کہ یحییٰ انہی لوگوں میں پہنچ گیا تھا جن کے متعلق اس نے معلوم کرنا تھا کہ ان کے اصل چہرے کیا ہیں اور کیا انہوں نے کوئی بہروپ تو نہیں چڑھا رکھا؟... اب یہ اس کی ذہانت اور تجربے کا امتحان تھا کہ وہ ان لوگوں سے کس طرح راز کی باتیں اگلوا سکتا ہے۔ چونکہ احمد بن عطاش حاکم تھا اس لئے اسے اپنے متعلق یہ جتانا ضروری تھا کہ وہ سرداری کی سطح کا آدمی ہے اور دو چار قبیلوں پر اس کا اثر و رسوخ کام کرتا ہے۔ اس نے ان کے سامنے اپنی ایک مصنوعی کمزوری بھی رکھ دی تھی کہ وہ دینی علوم کے راز حاصل کرنے کے لئے بھٹکتا پھر رہا ہے۔

○

"تم آج بہت تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہو" — احمد بن عطاش نے کھانے کے کچھ دیر بعد یحییٰ سے کہا — "تمہارے لئے اسی مکان میں رہائش کا بندوبست کر دیا گیا ہے۔ شام کا کھانا وہیں پہنچے گا۔ آج آرام کر لو۔ کل کام کی باتیں ہوں گی"۔

"مسلسل سفر میں ہوں" — یحییٰ نے کہا — "آپ نے ٹھیک جانا ہے۔ میں بہت ہی تھکا ہوا ہوں.... ایک درخواست ہے۔ میرا ملازم بھی میرے ساتھ ہے۔ اگر اُس کی رہائش کا بھی انتظام ہو جائے...."

"ہو جائے گا" — احمد نے کہا — "اُسے یہیں لے آؤ"۔

جسے یحییٰ نے اپنا نوکر کہا تھا وہ سنان تھا۔ سنان کو اس کام کے لئے اپنے ساتھ لایا تھا کہ کوئی ضروری اطلاع وغیرہ ہو گی تو وہ سنان لے کر مرو جائے گا۔

ایک ملازم کو بلا کر یحییٰ کو اس کے ساتھ اس کے کمرے میں بھیج دیا گیا۔ یحییٰ کمرہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ تو شاہانہ کمرہ تھا۔ یحییٰ بہت خوش تھا کہ وہ ٹھیک ٹھکانے پر پہنچ گیا ہے اور وہ چند دنوں میں اپنا کام مکمل کر لے گا۔

"اب بتاؤ حسن!" — احمد بن عطاش نے یحییٰ کے جانے کے بعد حسن بن صباح سے پوچھا — "اس شخص کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ ایک تو ہم اس سے یہ فائدہ اٹھائیں گے کہ ہمیں تیر انداز اور شہ سوار تیار کر دے گا۔ ہم نے قلعہ الموت تک جتنے قلعہ نما شہر سامنے آتے ہیں انہیں اپنے قبضے میں لینا ہے۔ یہ ہمیں لڑ کر ہی لینے پڑیں گے۔ اس کے لئے ہمیں جانباز فوج کی ضرورت ہے۔ اس کی نفری چاہے تھوڑی ہی ہو۔ یہ شخص خاصا عقل مند لگتا ہے۔ دو تین قبیلوں پر بھی اس کا اثر و رسوخ ہے۔ اسے اگر ہم اپنے سانچے میں ڈھال لیں تو یہ بڑے کام کا آدمی ثابت ہو سکتا ہے"۔

"ہاں استادِ محترم!" — حسن بن صباح نے کہا — "آدمی تو کام کا لگتا ہے لیکن ہمیں اس پر نظر رکھنی پڑے گی کہ یہ قابلِ اعتماد بھی ہے یا نہیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ ہم اسے راز کی باتیں بتانی شروع کر دیں۔ جیسا کہ یہ کہتا ہے کہ یہ منزل منزل کا مسافر ہے' یوں بھی ہو سکتا ہے کہ کسی روز ہمیں بتائے بغیر غائب ہی ہو جائے۔ احتیاط لازمی ہے"۔

صورت یہ پیدا ہو گئی کہ جو جاسوس بن کر آیا تھا' اُس کی بھی درپردہ جاسوسی ہونے لگی۔ اگلی صبح اسے کمرے میں ہی ناشتہ دیا گیا اور ناشتے کے بعد ایک چوبدار اُسے اپنے ساتھ لے گیا۔ ایک کمرے میں حسن بن صباح اُس کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ اُس کے اشارے پر یحییٰ اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"اب بات کرو یحییٰ!" — حسن نے کہا — "کیا وہم ہے' کیا مسئلہ ہے جو تم اپنے دماغ میں لئے پھرتے ہو؟"

"کیا میں خدا کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم پر جا رہا ہوں؟" — یحییٰ نے پوچھا — "کیا میرا عقیدہ صحیح ہے؟"

"یہ بات نہیں یحییٰ!" — حسن نے کہا — "اصل سوال جو تمہارے دماغ میں تڑپ رہا ہے اور تمہارے لئے بے چینی کا باعث بنا ہوا ہے وہ یہ ہے' کیا خدا کا وجود ہے؟ اگر ہے تو خدا کہاں ہے؟ — خدا نظر ہی نہیں آتا تو یہ راستہ اور یہ عقیدہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟"

حسن بن صباح یحییٰ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس طرح بات کر رہا تھا جیسے ندی کا

Scanned by iqbalmt

شفاف پانی پتھروں پر آہستہ آہستہ جل ترنگ بجاتا بہا جا رہا ہو۔ حسن کے ہونٹوں پر روح افزا مسکراہٹ تھی۔ یحییٰ کے ذہن میں ایسا کوئی سوال نہیں تھا۔ وہ تو ان لوگوں کی اصلیت معلوم کرنے کی کوشش میں تھا۔ اسے توقع تھی کہ احمد بن عطاش اسماعیلی ہوا تو اس کے سوال سن کر یہ لوگ اس کے ذہن میں اسماعیلیت ٹھونسنی شروع کر دیں گے لیکن اس کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے دشمن نے اسے تہِ تیغ کر کے نہتّا کر دیا ہو حالانکہ حسن بن صباح نے اپنی بات ابھی شروع ہی کی تھی۔

"خدا وہ نہیں جو انسان کو نظر آتا ہے" — حسن کہہ رہا تھا — "نظر آنے والا خدا ایک نہیں کئی ایک ہیں اور یہ سب انسان کے ہاتھوں کے بنائے ہوئے خدا ہیں۔ کسی نے پتھر کو تراش کر خدا کو آدمی کی شکل دے دی، کسی نے خدا کو عورت بنا دیا، کسی نے شیر، کسی نے سانپ اور کسی نے دھڑ جانور کا اور چہرہ انسان کا بنا دیا۔

"بات یہ سمجھنے والی ہے یحییٰ! خدا انسان کی تخلیق نہیں بلکہ انسان خدا کی تخلیق ہے اور انسان کا ہر قول اور فعل خدا کے حکم کا پابند ہے۔ یہ صراطِ مستقیم ہی ہے کہ تم یہاں پہنچ گئے ہو۔ یہاں تمہارے سارے شکوک صاف ہو جائیں گے لیکن یہ ایک دن کا معاملہ نہیں۔ کچھ دن لگیں گے۔ تم اپنے آپ کو میرے حوالے کر دو۔ انسان وہی کامل بنتا ہے جو اپنے آپ کو کسی کامل پیر و مرشد کے حوالے کر دیتا ہے۔"

"قابلِ تعظیم بزرگ!" — یحییٰ نے التجا کی — "مجھے اپنی مریدی اور شاگردی میں قبول فرما لیں۔"

"دین کی تبلیغ میرا فرض ہے" — حسن نے کہا — "میں تمہیں تمہارے متعلق ایک بات بتانا ضروری سمجھتا ہوں۔ تم نے کہا تھا کہ تم مردِ میدان ہو۔ خدا تمہیں منزل پر لے آیا ہے۔ تم نے لوگوں کو اپنے جیسا تیر انداز اور شہسوار بنانا ہے۔ انہیں کفر کے خلاف جہاد کے لئے تیار کرنا ہے۔ میں عالم ہوں، تم عامل ہو۔ خدا کی نگاہ میں تمہارا رتبہ مجھ سے زیادہ بلند ہے۔ یہاں سے جانے کی نہ سوچنا۔"

یحییٰ ابن الہادی تو چاہتا ہی یہی تھا۔ وہ دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اس کی ذاتِ باری نے اس کا کام بہت ہی آسان کر دیا تھا اور اس کے آگے آگے راستہ صاف ہوتا چلا جا رہا تھا۔

اس کے ساتھی سنان کی رہائش وغیرہ کا انتظام کہیں اور کیا گیا تھا۔ اس نے سنان کو بلا کر

اچھی طرح ذہن نشین کرا دیا کہ اس سے کوئی پوچھے کہ وہ کہاں سے آئے ہیں تو وہ کیا جواب دے اور وہ سیدھا سادا بلکہ بیوقوف سا نوکر بنا رہے جو معمولی سی بات سمجھنے میں بھی بہت وقت لگاتا ہے۔

○

کچھ دیر بعد یحییٰ احمد بن عطاش کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اسے احمد نے بلایا تھا۔ وہاں چار لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ چاروں نوجوان تھیں اور ایک سے ایک بڑھ کر خوبصورت۔ وہ بہت ہی شوخ اور چنچل تھیں۔ ایک دوسری کے ساتھ اٹھکیلیاں کر رہی تھیں۔ یحییٰ کی موجودگی کا انہیں جیسے احساس ہی نہیں تھا۔

"یحییٰ!" — احمد بن عطاش یحییٰ سے کہہ رہا تھا — "تم خوش قسمت ہو کہ اتنے بڑے عالمِ دین نے تم پر کرم کیا ہے کہ تمہیں اپنی مریدی میں قبول کر لیا ہے اور تمہیں کہا ہے کہ یہیں رہو اور تیر اندازی اور شہسواری کا ہنر جو تم میں ہے وہ دوسروں کو بھی سکھا دو.... یہ تو کسی کے ساتھ بات ہی نہیں کرتے۔ خدا کی یاد میں ڈوبے رہتے ہیں اور خدا سے ہی ہمکلام ہوتے ہیں۔"

"ہر حکم بجا لاؤں گا" — یحییٰ نے کہا — "ان آدمیوں کو میرے حوالے کر دیں جنہیں میں نے سکھلائی دینی ہے۔"

"بسم اللہ ان لڑکیوں سے کرو" — احمد نے کہا — "یہ میرے خاندان کی لڑکیاں ہیں۔ یہ جب تیر اندازی میں تم جیسی مہارت حاصل کر لیں گی تو دوسری لڑکیوں کی سکھلائی کریں گی۔ ہماری عورتوں کو تیر انداز ہونا چاہیے، پھر انہیں گھوڑ سواری کی مشق کرانی ہے.... میں تمہاری باقاعدہ تنخواہ مقرر کر دوں گا۔"

"میں آج ہی یہ کام شروع کر دوں گا" — یحییٰ نے کہا — "مجھے تیر اندازی کے لئے ایسی جگہ دکھا دیں جہاں سامنے تیروں کے لئے رکاوٹ ہو ورنہ تیر ہر طرف اڑتے پھریں گے اور راہ جاتے لوگ زخمی ہوں گے۔"

احمد بن عطاش کے حکم سے سارے انتظامات کر دیئے گئے اور یحییٰ چاروں لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے گیا۔ دو کمانیں اور تیروں کا ایک ذخیرہ بھی ساتھ گیا تھا۔ یحییٰ نے لڑکیوں کی سکھلائی شروع کر دی۔ پہلے دن وہ انہیں کمان کھینچنا اور بازوؤں کو سیدھا رکھنا سکھاتا رہا۔ کمانیں بہت سخت تھیں۔ لڑکیاں کمان کھینچتی تھیں تو ان کے دونوں بازو کانپتے تھے۔ یحییٰ انہیں بتا رہا تھا کہ بازوؤں کو اپنے قابو میں کس طرح رکھنا ہے کہ ان میں لرزہ پیدا نہ ہو۔

اُدھر میدان میں کشتیوں اور دو ڑوں وغیرہ کے مقابلے ہو رہے تھے۔ احمد بن غطاش اور حسن بن صباح وہاں چلے گئے تھے۔ وہ دونوں بہت خوش تھے کہ انہوں نے اتنے زیادہ لوگ اکٹھے کر لئے تھے۔ وہ کھیل تماشوں میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہے تھے، بلکہ وہ اپنے اس منصوبے پر گفتگو کر رہے تھے کہ اس تخلیقِ خدا کو اپنے عزائم میں استعمال کرنا ہے۔

ان چار لڑکیوں میں جو یحییٰ ابن الہادی سے تیر اندازی سیکھنے گئی تھیں، داستان گو دو کا ذکر پہلے بھی کر چکا ہے۔ ایک تھی فرح جو حسن بن صباح کی محبت سے مجبور ہو کر اس کے ساتھ گئی تھی۔ دوسری زریں تھی جس نے شاہ در کے مرحوم والی ذاکر کو اپنے حسن و جوانی اور بھول پن کے جال میں پھانسا اور اسے دھوکے سے شربت میں زہر ملا پلا کر ایسی بیماری میں مبتلا کر دیا تھا کہ کچھ دنوں بعد ذاکر مر گیا۔ طبیب سر پٹختے رہ گئے تھے کہ ذاکر کی بیماری کیا تھی۔

زریں غیر معمولی طور پر حسین اور نوجوان لڑکی تھی۔ احمد بن غطاش نے اُس کی تربیت ایسی کی تھی کہ تجربہ کار اور معمر استاد بھی اُس کے ہاتھوں میں عقل و ہوش سے ہاتھ دھو بیٹھتے تھے۔ یحییٰ خاص طور پر خوبرو اور پُرکشش جوان تھا اور اس نے تیر اندازی اور گھوڑ سواری کے جو کرتب دکھلائے تھے، ان سے اس نے لوگوں سے بے ساختہ داد و تحسین حاصل کی تھی اور کچھ دلوں میں اس نے ہلچل بپا کر دی تھی۔ اُس زمانے میں مرد ایسے ہی اوصاف اور کمالات سے باعزت اور قابلِ محبت سمجھے جاتے تھے۔

زریں نے اپنے استاد سے فریب کاری سیکھی تھی اور یہ مفروضہ اُس کا عقیدہ بن گیا تھا کہ عورت کا حُسن مردوں کو فریب دینے کے لئے ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ احمد نے اُس کے دل سے جذبات نکال دیئے تھے۔ وہ دانش مند تھا، خوب جانتا تھا کہ عورت ہو یا مرد، دونوں میں سے کوئی بھی جذبات میں الجھ جائے تو وہ کسی کام کا نہیں رہتا۔

"صرف یہ راز اپنے دل میں بند کر لو زریں!" ——احمد بن غطاش نے اُسے کئی بار کہا تھا ——"تم ایک ایسا حسین بلکہ طلسماتی پھندہ ہو جس میں انتہائی زہریلا ناگ بھی آجائے گا اور جانداروں کو چیر پھاڑ دینے والا درندہ بھی تمہارے پھندے میں آکر تمہارا غلام ہو جائے گا۔ تم نے اس کے لئے ایسا حسین فریب بنے رہنا ہے کہ وہ تمہاری فریب کاری کو بھی تمہارے حُسن کا حصہ سمجھے۔ اُسے یہ تاثر دیئے رکھو کہ تم اُس کی محبوبہ ہو اور تم اُسے خدا کے بعد کا درجہ دیتی ہو اور پھر عملی طور پر ایسے مظاہرے کرتی رہو جیسے تم اُس کے بغیر ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ اُس کے جذبات کے ساتھ کھیلو اور ناز و انداز کے علاوہ اُس کے قدموں میں یوں لوٹ پوٹ ہوتی

رہو جیسے تم اس کی زر خرید لونڈی ہو۔ اس طرح اُس پر اپنے حسن و جوانی اور فریب کاری کا نشہ طاری کر کے اُس کی کھال اتارتی رہو اور اُس کا خون چوستی رہو"۔

یہ ایک بنیادی سبق تھا جو احمد لڑکپن کے پہلے دن سے زریں کو دیتا چلا آیا تھا لیکن اس نے اُسے یہ سبق وعظ کی صورت میں ہی نہیں دیا تھا بلکہ عملی طور پر بھی اسے سمجھایا تھا۔ اُس کے پاس ذرا بڑی عمر کی تین چار عورتیں تھیں جنہوں نے زریں کو اس سبق کے عملی مظاہرے کر کے دکھلائے تھے۔ ان عورتوں نے زریں کو بڑا ہی حسین اور روشنی میں رنگا رنگ شعاعیں دینے والا پتھر یا ہیرا بنا دیا تھا۔ اسے ایسا ہی ایک خوبصورت ہیرا دکھایا بھی گیا تھا۔

"یہ ہیرا دیکھ رہی ہو زریں!" ——اسے ہیرا دکھا کر کہا گیا تھا—— "کیا تم نہیں چاہو گی کہ یہ ہیرا تمہارے گلے کی یا انگلی کی زینت بنے؟"

"کیوں نہیں چاہوں گی!" —— زریں نے کہا تھا۔

"اگر تمہیں اس کی قیمت بتائی جائے تو تمہارے ہوش اُڑ جائیں" —— اُسے کہا گیا تھا —— "ایسے ایک ایک ہیرے پر بادشاہوں کے تختے اُلٹے ہیں لیکن اس اتنے دلکش اور قیمتی ہیرے کو تم نگل لو تو مر جاؤ گی۔ یہ اس ہیرے کے زہر کا اثر ہو گا..... تم نے یہ ہیرا بننا ہے۔ تمہیں کوئی جنگجو اور جابر بادشاہ بھی دیکھے تو وہ تمہیں حاصل کر لینے کے لئے اپنی بادشاہی کو بھی بازی پر لگا دے لیکن جو تمہیں نگل لے یعنی تمہیں زیر کر کے تم پر قبضہ کر لے وہ زندہ نہ رہے"۔

داستان گو آگے چل کر وہ واقعات سنائے گا جو ثابت کریں گے کہ عورت کتنی بڑی قوت، کتنا زبردست جادو اور کیسا طلسم ہے۔ حسن بن صباح کی کامیابی کا جو راز تھا اس راز کا نام عورت ہے۔ حسین عورت جسے چاہے قتل کروا سکتی ہے اور جسے چاہے اسے زندہ لاش بنا سکتی ہے۔ عورت قاتل کو تختہ دار سے بھی اتروا سکتی ہے۔

زریں کی ذات میں یہ سارا زہر بھر دیا گیا تھا۔ اس نے اپنا پہلا شکار بڑی کامیابی سے مار لیا تھا۔ وہ ذاکر تھا۔ کامیابی صرف یہی نہیں تھی کہ اس قلعہ نما شہر کا والی مر گیا تھا بلکہ زریں نے شاہ در جیسا شہر اپنے استاد احمد بن غطاش کی جھولی میں ڈال دیا تھا، پھر یہ احمد کی فریب کاری کا کمال تھا کہ سلجوقی سلطان نے اُسے اس قلعے کا والی مقرر کر دیا تھا۔

زریں اس کامیابی پر بہت خوش تھی اور وہ اگلے شکار کے انتظار میں تھی لیکن اُس نے یحییٰ ابن الہادی کو دیکھا تو اُس نے اپنے آپ میں کچھ ایسی ہلچل محسوس کی جسے وہ سمجھ نہ سکی۔ اُس کا دل چاہنے لگا کہ وہ یحییٰ کے پاس بیٹھ کر اُس سے پوچھے کہ اُسے دیکھ کر اُس کے اندر بھونچال کے

Scanned by iqbalmt

جو ہلکے ہلکے اور لطیف سے جو جھٹکے محسوس ہوتے ہیں یہ کیا ہیں۔

یحییٰ میں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ خوش طبع آدمی تھا۔ کسی بات میں تلخی ہوتی تو اس بات میں بھی وہ شگفتگی پیدا کر لیا کرتا تھا۔ چاروں لڑکیاں اُس کی اس زندہ مزاجی کو اتنا پسند کرتی تھیں کہ اُسے اُکساتی تھیں کہ وہ باتیں کرے۔ یحییٰ بھی ان لڑکیوں کو باتوں باتوں میں خوش رکھنے کی کوشش کرتا رہا تاکہ لڑکیاں تیراندازی میں دلچسپی لیتی رہیں لیکن زریں کی جذباتی حالت کچھ اور ہی تھی۔ کبھی تو وہ کچھ دُور بیٹھ کر یحییٰ کو دیکھتی رہتی تھی۔ زریں بھی کچھ طبعاً اور کچھ خصوصی تربیت کے زیرِ اثر زندہ اور شگفتہ مزاج لڑکی تھی لیکن یحییٰ کو دیکھ کر اُس پر سنجیدگی سی طاری ہو جاتی تھی جسے وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

یحییٰ ان لڑکیوں کو تیراندازی اس طرح سکھاتا تھا کہ کمان لڑکی کے ہاتھ میں رہتا اور خود اُس کے پیچھے کھڑا ہوتا تھا۔ سکھانے کا طریقہ بھی یہی تھا۔ وہ اپنا بازو لڑکی کے کندھے سے ذرا اوپر کر کے اُس کے ہاتھوں میں کمان کو سیدھا کرتا تھا۔ اس طرح اکثر یوں ہوتا کہ لڑکی کی پیٹھ یحییٰ کے سینے کے ساتھ لگ جاتی تھی۔ باقی لڑکیوں کی توجہ تیراندازی میں ہوتی تھی۔ وہ شاید محسوس بھی نہیں کرتی تھیں کہ ان کا جسم ایک جوان آدمی کے ساتھ لگ رہا ہے لیکن زریں کا معاملہ کچھ اور تھا۔ وہ دانستہ اپنی پیٹھ یحییٰ کے ساتھ لگا لیتی تھی اور پھر اُس کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ کچھ دیر یحییٰ کے ساتھ اسی حالت میں رہے۔ شاید یحییٰ بھی زریں کے ان جذبات کو سمجھنے لگا تھا۔

○

شام گہری ہو چکی تھی۔ یحییٰ سونے کی تیاری کر رہا تھا۔ اُس کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ یحییٰ نے دروازہ کھولا۔ باہر زریں کھڑی تھی جو دروازہ کھلتے ہی فوراً اندر آ گئی۔ یحییٰ اُسے یوں اندر آتا دیکھ کر ذرا سا بھی حیران یا پریشان نہ ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ والیٔ شہر کے خاندان کی لڑکی ہے۔ اسے اور دوسری لڑکیوں کو بھی وہ آزادی سے گھومتے پھرتے دیکھا کرتا تھا۔

"میں یہاں کچھ دیر بیٹھنا چاہتی ہوں" —— زریں نے کہا —— "تم بُرا تو نہ جانو گے؟"

"بُرا کیوں جانوں گا زریں!" —— یحییٰ نے کہا —— "نیت بُری نہ ہو تو بُرا جاننے کی کوئی وجہ نہیں ہوتی" —— یحییٰ نے زریں کو کچھ غور سے دیکھا اور بولا —— "تم کچھ بجھی بجھی سی اور اُکھڑی سی لگ رہی ہو۔ تم تو ان سب لڑکیوں سے زیادہ ہنس مکھ ہو"۔

"میرے پاس بیٹھ جاؤ" —— زریں نے سنجیدہ اور متین سے لہجے میں کہا —— "یہاں.... میرے قریب بیٹھو"۔

یحییٰ اس کے قریب بیٹھ گیا۔ زریں نے اس کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ یحییٰ بھی آخر جوان آدمی تھا اور اُسے خدا نے ایسی عقل اور نظر دی تھی کہ وہ پردوں کے پیچھے کی بات بھی سمجھ جایا کرتا تھا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو یحییٰ!" —— زریں نے یحییٰ کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں آہستہ آہستہ مسلتے ہوئے کہا —— "میرے دل کی جو کیفیت ہے وہ میرے چہرے سے ظاہر ہو رہی ہے۔ میں اتنی سنجیدہ کبھی بھی نہیں ہوئی تھی۔ میں تو سمجھتی تھی کہ میں دنیا میں ہنسنے کھیلنے کے لئے ہی آئی ہوں لیکن تم میرے سامنے آئے ہو تو میں نے اپنے اندر ایسا انقلاب محسوس کیا ہے کہ میرے لئے اپنے آپ کو پہچاننا مشکل ہو گیا ہے۔ بار بار یہی جی میں آتی ہے کہ تمہارے پاس آ بیٹھوں اور تمہاری باتیں سنوں.... کیا تم نے محسوس نہیں کیا کہ تم جب میرے ہاتھ میں کمان دیتے ہو اور میرے پیچھے کھڑے ہو کر کمان میں تیر سیدھا رکھنے کو کہتے ہو تو میں تمہارے ساتھ لگ جاتی ہوں اور دانستہ کمان کو دائیں بائیں یا اوپر نیچے کر دیتی ہوں تاکہ تم کچھ دیر اسی طرح میرے ساتھ لگے رہو اور بار بار میرے ہاتھ پکڑ کر کمان اور تیر سیدھا کرتے رہو"۔

یحییٰ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ جس ہاتھ میں زریں نے اُس کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا اُس ہاتھ کو یحییٰ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ یک لخت یحییٰ کے دل میں یہ احساس بیدار ہو گیا کہ ان چاروں لڑکیوں میں یہ لڑکی اسے زیادہ اچھی لگتی تھی اور کبھی کبھی وہ تیراندازی کی سکھلائی دیتے ہوئے اس لڑکی کو اپنے کچھ زیادہ ہی قریب کر لیا کرتا تھا۔ زریں نے جب اپنے جذبات کا اظہار کیا تو یحییٰ نے نمایاں طور پر محسوس کیا کہ زریں نے اپنے نہیں بلکہ اس کے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔

"کیا تم میرے ان جذبات کی تسکین کر سکتے ہو؟" —— زریں نے کہا —— "میں تمہیں صاف بتا دوں کہ تم میری روح میں اُتر گئے ہو.... کیا تم میری محبت کو قبول کرو گے؟"

"سوچ لو زریں!" —— یحییٰ نے کہا —— "تم شہزادی ہو اور میں ایک مسافر ہوں جسے یہ بھی معلوم نہیں کہ اُس کی منزل کیا ہے، کہاں ہے۔ ہو سکتا ہے ہماری محبت کوئی قربانی مانگ بیٹھے جو تم نہ دے سکو.... میں تو اپنی جان بھی دے دوں گا"۔

"وہ تم دیکھ لو گے" —— زریں نے کہا —— "کوئی ایسا خطرہ ہُوا تو جہاں کہو گے تمہارے ساتھ چل پڑوں گی"۔

"میں تمہیں یہ بتا رہا ہوں زریں!" —— یحییٰ نے کہا —— "تمہیں دیکھ کر میرے اندر بھی

Scanned by iqbalmt

ایسے ہی جذبات اُمنڈے تھے لیکن میں خاموش رہا۔ میرے دل کی بات تم نے کہہ دی ہے۔ صرف ایک بات کا خیال رکھنا کہ اس محبت کا تعلق جسموں کے ساتھ نہ ہو"۔

"یہ میں نے پہلے ہی کہہ دیا ہے" ــــ زرّین نے کہا ــــ "میں نے کہا ہے کہ تم میری روح میں اُتر گئے ہو۔ میں یہاں آتی رہا کروں گی"۔

"اور میں تمہارا انتظار کیا کروں گا" ــــ یحییٰ نے کہا۔

○

اُس رات کے بعد یحییٰ اور زرّین بڑی تیزی سے ایک دوسرے کے وجود میں تحلیل ہوتے چلے گئے۔

تیر اندازی، تیغ زنی وغیرہ کے مقابلوں کا جو میلہ لگا تھا وہ ختم ہو چکا تھا۔ جیتنے والے انعام و اکرام لے کر چلے گئے تھے۔ خیموں کی بستی اُجڑ گئی تھی۔

یحییٰ ان چاروں لڑکیوں کو تیر اندازی کی مشق کروا رہا تھا۔ لڑکیوں کے تیر اب ٹھکانے پر لگتے تھے۔ یحییٰ اور زرّین کے دلوں میں جو تیر اُتر گئے تھے ان سے ابھی دوسرے ناواقف تھے۔ زرّین کوئی پردہ دار لڑکی تو نہ تھی کہ اس کے باہر نکلنے پر پابندی ہوتی۔ وہ ہر رات یحییٰ کے کمرے میں پہنچ جاتی اور دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب ہو کر بیٹھے رہتے اور دلوں کی باتیں کرتے رہتے تھے۔

یحییٰ کی جذباتی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ وہ جب لڑکیوں کو تیر اندازی کے لئے باہر لے جاتا تو صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ زرّین میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی لے رہا ہے۔

وہ جو کہتے ہیں کہ عشق اور مُشک چھپے نہیں رہ سکتے، وہ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ زرّین کی ساتھی لڑکیاں بھانپ گئیں کہ یہ معاملہ کچھ اور ہی ہے۔ انہوں نے احمد بن غطاش کو بتایا۔ احمد بن غطاش کچھ پریشان سا ہو گیا۔ احمد کو معلوم نہیں تھا کہ یحییٰ نے یہ راز چھپا کر نہیں رکھا۔ جس وقت لڑکیاں احمد بن غطاش کو یہ بتا رہی تھیں بالکل اُسی وقت یحییٰ حسن بن صباح کے پاس بیٹھا اُسے اپنے دل کی یہی بات بتا رہا تھا۔

یحییٰ حسن بن صباح سے متاثر ہی نہیں تھا بلکہ مرعوب تھا۔ اس مرعوبیت میں ڈر اور خوف نہیں تھا بلکہ احترام اور تقدس کا تاثر تھا جو اس پر طاری ہو جایا کرتا تھا۔ یہ مرعوبیت ایسی تھی جیسے حسن بن صباح نے اُس کو ہپناٹائز کر رکھا ہو۔ حسن اس کے ساتھ دینی امور پر باتیں کرتا تھا۔ ان باتوں سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ حسن راسخ العقیدہ مسلمان ہے اور اس کا درجہ نبیوں سے ذرا سا ہی کم

ہے

"پیرو مرشد!" ــــ یحییٰ نے ایک روز اُس کے سامنے بیٹھے ہوئے کہا ــــ "داوی شاہ در کے خاندان کی ایک لڑکی، زرّین، اُسے دل و جان سے چاہتی ہے اور اُس کے اپنے دل میں بھی اس لڑکی کی محبت پیدا ہو گئی ہے، اور ہم دونوں تنہائی میں بیٹھ کر پیار و محبت کی باتیں کیا کرتے ہیں... کیا میں بد دیانتی اور دھوکہ دہی کا ارتکاب تو نہیں کر رہا؟"

"نہیں؟" ــــ حسن بن صباح نے کہا ــــ "اگر اس محبت کا تعلق جسموں کی بجائے روحوں کے ساتھ ہے تو یہ گناہ نہیں"۔

"یہ ہماری روحوں کا معاملہ ہے پیرو مرشد؟" ــــ یحییٰ نے کہا۔

"پھر یہ ٹھیک ہے" ــــ حسن بن صباح نے کہا۔

اِدھر احمد بن غطاش نے زرّین کو بلایا اور اُس سے پوچھا کہ یحییٰ کے ساتھ اُس کے تعلقات کس نوعیت کے ہیں اور ان کی ملاقاتیں کس قسم کی ہیں۔

"یہ شخص مجھے اچھا لگتا ہے" ــــ زرّین نے کہا ــــ "اور میرا اس کے ساتھ جو تعلق ہے وہ مرد عورت والا تعلق نہیں"۔

"میری بات غور سے سنو!" ــــ احمد بن غطاش نے کہا ــــ "میں سمجھ گیا ہوں۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہم اس محبت کو گناہ کہا کرتے ہیں جو فرائض سے ہٹا دے"۔

"میں فرائض سے نہیں ہٹی" ــــ زرّین نے کہا ــــ "جہاں آپ مجھ میں یہ خامی دیکھیں کہ میں اپنا کوئی ایک بھی فرض بھول گئی ہوں تو مجھے جو سزا چاہیں دے دیں"۔

"تم نے شاید سزا کا نام رسمی طور پر لیا ہے" ــــ احمد بن غطاش نے قدرے بارعب آواز میں کہا ــــ "لیکن تمہیں بھولنا نہیں چاہئے کہ یہ سزا کیا ہو گی"۔

"میں جانتی ہوں" ــــ زرّین نے کہا ــــ "مجھے قتل کر دیا جائے گا"۔

"قتل نہیں کیا جائے گا" ــــ احمد بن غطاش نے کہا ــــ "تمہیں قید خانے میں ان قیدیوں میں پھینک دیا جائے گا جو کئی کئی سالوں سے وہاں بند ہیں۔ وہ سب وحشی آدمی ہیں۔ پھر تمہیں اُس کال کوٹھڑی میں بند رکھا جائے گا جہاں زہریلے کیڑے مکوڑے رہتے ہیں۔ یہ مت بھولنا کہ تم نے دوسروں کو پھانسنا ہے، خود پھنس کے بیکار نہیں ہو جانا"۔

اُسی رات احمد بن غطاش اور حسن بن صباح نے اس مسئلے پر تبادلۂ خیال کیا۔ انہیں نقصان یہ نظر آ رہا تھا کہ محبت کے نشے میں ایک قیمتی اور تجربہ کار لڑکی ضائع ہو جائے گی۔ حسن

Scanned by iqbalmt

بن صباح نے اس لڑکی کو اپنے کمرے میں بلایا۔ زرّیں جب اُس کے کمرے سے نکلی تو اُس کے چہرے پر کچھ اور ہی تاثر تھا۔

○

دن گزرتے چلے گئے۔ یحییٰ اور زرّیں ایک دوسرے میں گم ہو گئے۔ یحییٰ نے ان لڑکیوں کو تیراندازی میں طاق کر دیا تھا اور اب اسے کہا گیا تھا کہ انہیں شہسوار بنا دے۔

شہر کے لوگ دیکھتے تھے کہ پانچ گھوڑے ہر صبح جنگل کو نکل جاتے ہیں۔ ایک پر یحییٰ اور باقی چار پر لڑکیاں سوار ہوتی تھیں۔ صبح کے گئے ہوئے یہ گھوڑے آدھا دن گزار کر واپس آتے تھے۔ یحییٰ کبھی کبھی زرّیں کو اپنے ساتھ رکھ کر باقی لڑکیوں سے کہتا کہ وہ دُور کا چکر لگا کر آئیں۔ لڑکیاں یہ رپورٹ احمد بن غطاش کو دے دیا کرتی تھیں۔

اُدھر مَرو میں سلطان ملک شاہ اور اُس کا کوتوال ہر روز انتظار کرتے تھے کہ یحییٰ کی طرف سے کوئی پیغام آئے گا لیکن ہر روز انہیں مایوسی ہوتی تھی۔

یحییٰ کے ذہن سے نکل ہی گیا تھا کہ وہ شاہ در کیوں آیا تھا اور اُسے ایک روز واپس بھی جانا ہے۔ وہ اپنے ساتھی سنان سے ہر روز ملتا اور اُسے کہتا تھا کہ ان لوگوں کا کچھ پتہ نہیں چل رہا کہ یہ کیا ہیں۔ دو چار دنوں بعد کچھ پتہ چل جائے گا۔

زرّیں کے اظہارِ محبت میں اچانک دیوانگی پیدا ہو گئی۔ اُس نے یحییٰ کو یہ کہنا شروع کر دیا کہ اس میں اب انتظار کی تاب نہیں رہی اور یحییٰ اُسے اپنے ساتھ لے چلے۔ یحییٰ نے اُسے ابھی تک نہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جا رہا تھا۔ زرّیں نے اس سے کئی بار پوچھا اور یحییٰ نے ہر بار اُسے جذبات میں الجھا کر ٹال دیا تھا۔

ایک رات زرّیں اس کے کمرے میں آئی تو اس نے اپنی چادر میں چھپائی ہوئی چھوٹی سی صراحی نکالی۔

"میں آج تمہارے لئے ایک خاص شربت لائی ہوں" — زرّیں نے صراحی یحییٰ کے ہاتھ میں دے کر کہا — "یہ احمد بن غطاش خود پیا کرتا ہے اور صرف یہ بزرگ عالم ہے جسے کبھی کبھی پلاتا ہے۔ میں اتنا ہی جانتی ہوں کہ اس میں شہد ملا ہوا ہے، اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اس میں ایسے پھولوں کا رس ڈالا گیا ہے جو کسی دُور کے ملک میں ہوتے ہیں۔ احمد کی بیویاں کہتی ہیں کہ اُس نے اس شربت کا مسئلہ بہت سے سونے کے عوض منگوایا ہے۔ سنا ہے یہ شربت پینے والا دو سو سال زندہ رہے تو بھی بوڑھا نہیں ہوتا۔ میں چُرا کے لائی ہوں۔ پی کے دیکھو"۔

یحییٰ نے صراحی ہی منہ سے لگا لی اور پھر آہستہ آہستہ اُس نے سارا شربت پی لیا۔ اس دوران زرّیں اس کے ساتھ پیار و محبت کی باتیں ایسے والہانہ انداز سے کرتی رہی جیسے وہ نشے میں ہو۔ زرّیں طلسم کی مانند یحییٰ پر طاری رہتی ہی تھی لیکن اُس رات یحییٰ کی جذباتی حالت کچھ اور ہی ہو گئی۔ وہ یوں محسوس کرنے لگا جیسے اُسے دنیا بھر کی حاکمیت مل گئی ہو۔

"آخر ہمارا انجام کیا ہو گا یحییٰ؟" — زرّیں نے کہا — "کیا تم میرے ساتھ یونہی محبت کا کھیل کھیلتے رہو گے؟ تم تو اتنا بھی نہیں بتاتے کہ تم ہو کہاں کے۔ میں کہتی ہوں کہ جہاں کہیں کے بھی ہو، یہاں سے نکلو اور مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ آج کی رات یہاں کی آخری رات ہونی چاہئے۔ میں تیار ہوں۔ مردانہ لباس پہن لوں گی"۔

یحییٰ نے قہقہہ لگا کر زرّیں کو اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ اُس نے اس طرح کا قہقہہ پہلے کبھی نہیں لگایا تھا۔ زرّیں نے مچل مچل کر اسے کہنا شروع کر دیا کہ وہ اُسے اپنے متعلق کچھ بتائے۔

"سن زرّیں!" — یحییٰ نے شگفتہ سی سنجیدگی سے کہا — "یہ بھی سن لے کہ میں کون ہوں اور کہاں سے آیا ہوں۔ اب مجھے تم پر اعتبار آ گیا ہے.... میں یہاں ایک فرض ادا کرنے آیا تھا۔ وہ ابھی ادا نہیں ہُوا۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے"۔

"پھر مجھے بتاتے کیوں نہیں!" — زرّیں نے بڑی پیاری سی جھنجھلاہٹ سے کہا — "میں کئی بار کہہ چکی ہوں کہ تمہاری محبت پر میں اپنی جان بھی قربان کر دوں گی"۔

"میں مَرو سے آیا ہوں" — یحییٰ نے اپنے راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہا — "میں سلجوقی سلطان ملک شاہ کا جاسوس ہوں۔ وہاں یہ شک پایا جاتا ہے کہ احمد بن غطاش اسماعیلی ہے اور یہاں شاہ در میں اہلِ سنت سلطنت کے خلاف اسماعیلی مرکز بن گیا ہے۔ میں یہ معلوم کرنے آیا ہوں کہ اس شک میں حقیقت کتنی ہے یا کچھ حقیقت ہے بھی یا نہیں"۔

"کچھ پتہ چلا؟" — زرّیں نے پوچھا۔

"میں ابھی شک میں ہوں" — یحییٰ نے جواب دیا — "یوں کہہ لو کہ میرا شک ابھی موجود ہے۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ احمد بن غطاش اسماعیلی ہے لیکن میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ شخص اہلِ سنت ہے۔ اس کے ساتھ جو عالم ہے، اس نے دینی مسائل کے مجھے بہت سبق دیئے ہیں۔ اس میں مجھے اسماعیلیوں والی کوئی بات نظر نہیں آئی لیکن میں نے ان دونوں کو کبھی نماز پڑھتے بھی نہیں دیکھا۔ میں نے یہ دیکھا ہے کہ اس شہر میں اسماعیلیوں کی اکثریت ہے"۔

"تمہارا یہ ساتھی سنان بھی جاسوس ہی ہو گا!" — زرّیں نے پوچھا۔

Scanned by iqbalmt

"ہاں!" ــــ یحیٰی نے کہا ــــ "اُسے میں نے دو تین دنوں بعد یہ بتا کر واپس بھیجنا ہے کہ میں نے اب تک یہاں کیا دیکھا ہے"۔

"یحیٰی!" ــــ زرّین نے یحیٰی کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لے کر جذباتی لہجے میں کہا ــــ "میری ایک بات مان لو... مَرو واپس نہ جاؤ۔ یہاں بھی نہ رہو۔ چلو آگے۔ ایران چلے چلتے ہیں۔ تم جہاں جاؤ گے تمہیں وہاں کے حاکم ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ تم جیسا تیرانداز اور شہسوار کہاں ملتا ہے۔ مذہب اور فرقوں کے چکر سے نکلو"۔

"میں تمہیں ایک بات صاف بتا دیتا ہوں زرّیں!" ــــ یحیٰی نے کہا ــــ "میرے دل میں تمہاری جو محبت ہے' اس میں کوئی دھوکہ یا بناوٹ نہیں۔ تم میری پہلی اور آخری محبت ہو لیکن میں اپنے فرض کو محبت پر قربان نہیں کروں گا"۔

"اگر میں تمہارے سامنے کسی اور آدمی کے ساتھ چل پڑوں تو..." ــــ زرّیں نے کہا۔

"تو میں نظریں پھیر لوں گا" ــــ یحیٰی نے کہا ــــ "اپنے فرض سے نظریں نہیں ہٹاؤں گا۔ سلجوقیوں نے ہزارہا جانیں قربان کر کے اور خون کے چڑھاوے چڑھا کر یہ سلطنت بنائی ہے۔ اسے وہ سلجوقی سلطنت نہیں اسلامی سلطنت کہتے ہیں۔ اسلام میں کوئی فرقہ نہیں۔ جو مسلمان یہ کہتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت سے ہے وہ اگر سنت سے منحرف ہے تو وہ رسولؐ کا اُمتی نہیں' وہ کچھ اور ہے۔ سلجوقی سلاطین اہلِ سنت والجماعت ہیں اس لئے وہ اللہ کے سچے دین کے پاسبان ہیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اور سلجوقی سلطان کا نمک حلال ملازم ہوں۔ یہ میرا ایمان ہے۔ اگر تم اس دعوے میں سچی ہو کہ میری محبت تمہاری روح میں اُتری ہوئی ہے تو میرے فرض کی ادائیگی میں میری مدد کرو۔ مجھے ان لوگوں کی اصلیت بتاؤ"۔

"کل!" ــــ زرّیں اٹھ کھڑی ہوئی اور یہ کہہ کر کمرے سے نکل گئی ــــ "کل اسی وقت تمہیں راز معلوم ہو جائے گا اور تم اپنے فرض سے فارغ ہو جاؤ گے"۔

○

یحیٰی پر فاتحانہ کیفیت طاری تھی۔ وہ بہت خوش تھا کہ کل اُس کا کام ختم ہو جائے گا۔ وہ یہاں سے ایک قیمتی راز اور ایک حسین لڑکی ساتھ لے کر رخصت ہو گا"۔

زرّیں اپنے کمرے میں گئی تو پلنگ پر اوندھے منہ گر کر ایسی روئی کہ اُس کی ہچکی بندھ گئی۔ لڑکی ایک حسین اور نشہ آور دھوکہ تھی لیکن یحیٰی کے ساتھ اُس کی محبت دھوکہ نہیں تھا۔ اُس کی

محبت کا سرچشمہ اُس کی روح تھی۔ وہ روحانی محبت کے نشے سے سرشار ہو گئی تھی مگر محبت ایسے بھنور میں آ گئی تھی جس سے اُس کا سلامت نکل آنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔

لڑکیوں نے احمد بن عطاش اور حسن بن صباح کو بتا دیا کہ زرّیں یحیٰی کے ساتھ عشق و محبت کا کھیل کھیل رہی ہے۔ احمد اور حسن نے اس اطلاع سے یہ رائے قائم کی کہ زرّیں کے اندر انسانی جذبات ابھی زندہ ہیں اور اس کی ذات میں ابھی وہ عورت زندہ ہے جو مرد کی محبت کی پیاسی ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ کہ زرّیں ایک ایسے شخص کی محبت میں گرفتار ہو گئی تھی جو ابھی مشکوک تھا۔ حسن بن صباح عالمِ دین کے بہروپ میں یحیٰی کو ہر روز اپنے پاس بٹھاتا اور اسے دینی امور سمجھاتا تھا لیکن اُس سے باتیں کروا کے یہ جاننے کی کوشش کرتا تھا کہ یہ شخص ہے کون؟ سلجوقیوں کا ہی تو نہیں؟... حسن کچھ جان تو نہ سکا تھا لیکن اُس نے وثوق سے کہہ دیا تھا کہ یہ شخص مشکوک ہے۔

اب حسن بن صباح کو پتہ چلا کہ زرّیں یحیٰی کی محبت میں مبتلا ہو گئی ہے تو اُس نے زرّیں کو اپنے پاس بلایا اور اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُس کے ذہن پر قابض ہو گیا۔ لڑکی کی جو تربیت آٹھ دس سال عمر سے شروع ہوئی اور جوانی میں آ کر بھی جاری تھی' وہ اُبھر آئی اور زرّیں کی عقل پر غالب آ گئی۔

"تم اس سے اگلواؤ گی وہ کون ہے' یہاں کیوں آیا ہے" ــــ حسن بن صباح نے کہا۔

"ہاں میں اُس سے اگلواؤں گی وہ کون ہے' یہاں کیوں آیا ہے" ــــ زرّیں نے یوں کہا جیسے اُس پر غنودگی طاری ہو۔

"وہ شربت تمہارے ساتھ ہو"۔

"وہ شربت میرے ساتھ ہو گا"۔

اس شربت میں جو زرّیں صراحی میں لے کر یحیٰی کے پاس گئی تھی' اس میں شہد تو ضرور ملا ہوا تھا لیکن اس میں کسی پھول کا رس نہیں تھا۔ اس میں حشیش ڈالی گئی تھی اور اس میں ایک خوشبو ملائی گئی تھی۔ یہ شربت پینے کے بعد یحیٰی نے جو قہقہہ لگایا تھا وہ حشیش کے زیرِ اثر تھا جسے وہ زرّیں کے حسن و شباب اور محبت کے والہانہ اظہارِ محبت کا خمار سمجھتا رہا۔ اس نشے نے اس کے سینے سے راز نکال کر زرّیں کے آگے رکھ دیا۔

یحیٰی کا ایمان اتنا پختہ تھا کہ اُسے یہ یاد رہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت سے

Scanned by iqbalmt

ہے اور لئیل سنت ہے' اور اُسے یہ بھی یاد رہا کہ اس کا فرض کیا ہے اور یہ جذبۂ ایثار بھی زندہ رہا کہ وہ محبت کو فرض پر قربان کر دے گا لیکن وہ یہ نہ سمجھ سکا کہ اُس نے زرّیں کو اس کا فرض یاد دلا دیا ہے۔ وہ یہ عزم لے کر یحییٰ کے کمرے سے نکلی تھی کہ یہ شخص فرض کا لمتا پکا ہے تو میں اپنے فرض کو کیوں قربان کروں؟

زرّیں رات بہت دیر تک روتی رہی۔ اُس کے اندر خونریز معرکہ بپا تھا۔ یہ اُس کی ذات کے دو حصے تھے جو ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے تھے — محبت اور فرض — اور اُس کی تربیت!

صبح طلوع ہوتے ہی زرّیں نے پہلا کام یہ کیا کہ احمد بن غطاش اور حسن بن صباح کو بتایا کہ یحییٰ ابن الہادی جاسوسی کے لئے یہاں آیا ہے اور سنان اُس کا ساتھی ہے۔ زرّیں نے یحییٰ کی ساری باتیں سنائیں۔ یہ باتیں سناتے ہوئے زرّیں کی زبان بار بار ہکلاتی تھی اور اُس کے آنسو بھی نکل آئے۔ یہ یحییٰ کی محبت کا اثر تھا ورنہ یہ وہ لڑکی تھی جس نے ذاکر کو اپنے ہاتھوں زہر پلایا تھا۔

زرّیں کو اُس کے کمرے میں بھیج دیا گیا۔

کچھ دیر بعد ایک ملازم روز مرّہ کی طرح یحییٰ کے کمرے میں ناشتہ لے کر گیا۔ ساتھ شہد ملا دودھ تھا۔ سنان کو بھی ایسا ہی دودھ بھیجا گیا۔ دونوں نے دودھ پیا اور کچھ ہی دیر بعد دونوں کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا' پھر ان آنکھوں نے دنیا کا اجالا کبھی نہ دیکھا۔

"ادھر آؤ.... زرّیں کو آکے دیکھو" — ایک ملازمہ زرّیں کے کمرے سے چیختی چلّاتی نکلی — "جلدی آؤ۔ زرّیں کو دیکھو"۔

احمد بن غطاش اور حسن بن صباح بھی زرّیں کے کمرے میں گئے۔ ایک تلوار زرّیں کے پیٹ میں داخل ہوئی اور پیٹھ سے باہر نکلی ہوئی تھی۔ وہ ابھی زندہ تھی۔

"تمہیں کس نے مارا ہے زرّیں؟" — احمد بن غطاش نے پوچھا۔

"میں نے خود!" — زرّیں نے کہا — "میں نے دو آدمی قتل کروائے ہیں... یحییٰ اور سنان... اور میں نے اپنی محبت کو بھی قتل کیا ہے۔ میں نے اپنے آپ کو موت کی سزا دی ہے۔ میں خود ہی جلّاد بن گئی تھی"۔

زرّیں بھی مر گئی۔

یحییٰ اور سنان کی لاشیں بوریوں میں بند کر کے دریا میں بہا دی گئیں۔

"ہمیں کوئی اور ڈھنگ کھیلنا پڑے گا" — حسن بن صباح نے کہا — "سلطان کو شک ہو

گیا ہے۔ مجھے عبیدیوں کی مدد حاصل کرنے کے لئے مصر جانا چاہئے"۔

"نہیں حسن!" — احمد بن غطاش نے کہا — "پہلے ہم دو تین اور قلعوں پر قبضہ کر لیں پھر ہماری کوشش یہ ہو گی کہ تمہیں سلطان کی حکومت میں کوئی بڑا عہدہ اور رتبہ مل جائے پھر ہم اس سلطنت کی بنیادیں کمزور کر سکتے ہیں"۔

Scanned by iqbalmt

سلطان ملک شاہ نے مرو میں اپنے سپہ سالار اور کوتوال کو بلا رکھا تھا اور باتیں یحیٰ ابن الہادی اور سنان کے متعلق ہو رہی تھیں۔

"میں کہہ رہا ہوں بہت دن گذر گئے ہیں" ــــ ملک شاہ کہہ رہا تھا ــــ "بلکہ مہینے گذر گئے ہیں۔ شاید یہ تیسرا چاند طلوع ہوا ہے۔ اُس نے کوئی اطلاع نہیں دی۔ اس کے ساتھ ایک اور آدمی گیا تھا"۔

"سنان!" ــــ کوتوال نے کہا ــــ "یہ دونوں میرے قابلِ اعتماد آدمی ہیں۔ زمین کے نیچے سے بھی راز نکال لاتے ہیں"۔

"یحیٰ کو چاہیے تھا کہ سنان کو ایک بار تو بھیج دیتا" ــــ سلطان ملک شاہ نے کہا ــــ "کہیں پکڑا نہ گیا ہو"۔

"ایک اور آدمی کو بھیج دیتے ہیں" ــــ سپہ سالار نے کہا ــــ "وہ انہیں ڈھونڈ لے گا"۔

"دو چار دن اور انتظار کر لو" ــــ ملک شاہ نے کہا۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ دربان نے اندر آکر اطلاع دی کہ قلعہ شاہ در سے ایک آدمی آیا ہے۔

"فوراً اندر بھیج دو" ــــ ملک شاہ نے کہا۔

ایک ادھیڑ عمر آدمی اندر آیا۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ لمبے سفر سے آیا ہے۔ ملک شاہ نے سلجوقی اندازِ میزبانی کے مطابق اسے بٹھایا' دربان کو بلا کر اس کے لئے پھل اور مشروب منگوائے پھر پوچھا کہ وہ کیوں آیا ہے۔

"آپ کا ایک آدمی یحیٰ ابن الہادی شاہ در گیا تھا" ــــ اس آدمی نے کہا ــــ "وہ میرا دوست ہے۔ اُسے آپ نے سنان نام کے ایک آدمی کے ساتھ جاسوسی اور مخبری کے لئے بھیجا تھا"۔

"اس کی کیا خبر لائے ہو؟" ــــ کوتوال نے بیتابی سے پوچھا ــــ "فوراً بولو"۔

"ٹھیک خبر لایا ہوں" ــــ اس نے کہا ــــ "اتنا پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اُس نے اپنا کام بہت ہی محنت اور جانفشانی سے کیا ہے۔ وہ اور اُس کا ساتھی میرے گھر میں ٹھہرے تھے۔ میں نے یحیٰ کی بہت مدد اور راہنمائی کی تھی"۔

"وہاں کی خبر کیا ہے!" ــــ ملک شاہ نے کہا ــــ "اس کے بعد ہم کوئی اور بات

سنیں گے"۔

"خبر یہ ہے" ــــ اُس نے کہا ــــ "آپ نے یحیٰ کو یہ دیکھنے کے لئے بھیجا تھا کہ والئ شاہ در احمد بن غطاش اسماعیلی ہے اور شاہ در اسماعیلیوں کا مرکز بن گیا ہے..... سلطان عالی مقام! آپ کا یہ شک صحیح نہیں۔ احمد بن غطاش اسماعیلیوں کو بالکل پسند نہیں کرتا"۔

"کیا یہ غلط ہے کہ اس نے شاہ در کا والی بنتے ہی اُن تمام اسماعیلیوں کو رہا کر دیا ہے جو اہلِ سنت کا جینا حرام کئے رکھتے تھے؟" ــــ ملک شاہ نے پوچھا ــــ "کیا مرحوم والی ذاکر نے انہیں اسی جرم میں قید میں نہیں ڈالا تھا؟"۔

"یہ صحیح ہے سلطانِ محترم!" ــــ اس آدمی نے کہا ــــ "احمد بن غطاش نے قید خانے میں پڑے ہوئے تمام اسماعیلیوں کو رہا کر دیا تھا لیکن اُس نے ان سب سے کہا تھا کہ انہیں بے گناہ سمجھ کر رہا نہیں کیا جا رہا بلکہ انہیں موقع دیا جا رہا ہے کہ اپنے دلوں سے مذہبی تعصب نکال دیں اور سُنی عقیدے کو سمجھنے اور اسے قبول کرنے کی کوشش کریں.. ...دراصل احمد بن غطاش پیار اور بھائی چارے کا حربہ استعمال کر رہا ہے اور اس حربے کے اثرات بھی دیکھنے میں آ رہے ہیں۔ احمد بن غطاش نے اسماعیلیوں میں اپنے مخبر چھوڑے ہوئے ہیں۔ ان مخبروں کی اطلاعیں امید افزا ہیں"۔

"اور یہ جو قافلے لُوٹے جا رہے ہیں!" ــــ ملک شاہ نے پوچھا ــــ "کیا اس میں احمد بن غطاش کا ہاتھ نہیں؟"

"سلطانِ عالی مقام!" ــــ اس آدمی نے کہا ــــ "احمد بن غطاش عالمِ دین ہے۔ یہ وہی احمد بن غطاش ہے جسے آپ عالمِ دین کی حیثیت سے ہی جانتے ہیں۔ قافلے شاہ در سے بہت دور لُوٹے گئے ہیں۔ احمد بن غطاش کے خلاف یہ افواہ اسماعیلیوں نے پھیلائی تھی کہ قافلوں کو احمد بن غطاش کے آدمی لُوٹتے ہیں۔ ایسے تین اسماعیلی پکڑے گئے تھے۔ انہیں پہلے کوڑے مارے گئے پھر انہیں قید خانے میں ڈال دیا گیا تھا"۔

"یحیٰ کہاں ہے؟" ــــ سپہ سالار نے پوچھا ــــ "اُس نے سنان کو کیوں نہیں بھیجا؟ تمہیں کیوں بھیجا ہے؟ اگر شک رفع ہو گیا تھا تو وہ اتنا عرصہ شاہ در کیوں رہا اور واپس کیوں نہیں آیا؟"

"ہمیں شک تھا کہ احمد بن غطاش در پردہ اسماعیلیوں کی پشت پناہی کر رہا ہو گا" ــــ

اس آدمی نے کہا — "یہ شک رفع کرنے کے لئے میں اور یحییٰ احمد بن غطاش کے اندرونی حلقوں تک پہنچنے کی کوشش کرتے رہے۔ دو عورتوں کو ہاتھ میں لیا اور ان سے معلوم کروایا۔ اس کام میں بہت وقت لگا۔ بہرحال ہمارا یہ شک بھی رفع ہو گیا..... یحییٰ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ میں آپ کو پوری اطلاع دے دوں۔ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے..... سلطانِ محترم! آپ کو شاہ در کی طرف سے مطمئن ہو جانا چاہئے۔ اگر احمد بن غطاش کی طرف سے آپ کے لئے کوئی خطرہ اٹھا تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہاں اہلِ سنت کی اور آپ کے وفاداروں کی تعداد زیادہ ہے"۔

"ہم تو مطمئن ہو گئے" — سلطان ملک شاہ نے کہا — "لیکن یحییٰ نے سنان کو کیوں نہیں بھیجا؟ اگر اس کا کام ختم ہو گیا تھا تو وہ خود کیوں نہیں آیا؟"

"وہ خود ہی ایک اور کام کے پیچھے پڑ گیا ہے" — اس آدمی نے جواب دیا — "وہ کہتا تھا کہ اُسے ایک ایسا اشارہ ملا ہے جس کے پیچھے وہ گیا تو وہ ان ڈاکوؤں تک پہنچ جائے گا۔ جنہوں نے پہلے قافلوں کو لوٹا ہے اور شاید یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اب ایک اور قافلے کو لوٹ لیا اور سب کو قتل کر دیا ہے..... سلطانِ عالی مقام! میں نے اُسے روکا تھا لیکن اس نے میری ایک نہیں سنی۔ میں جانتا ہوں کہ وہ کتنے بڑے خطرے میں سنان کو ساتھ لے کر چلا گیا ہے۔ مجھے یہ بھی شک ہے کہ ایک جواں سال عورت بھی اُس کے ساتھ گئی ہے۔ یحییٰ نے میرے ساتھ اس عورت کا ذکر نہیں کیا۔ اس سے مجھے شک ہو رہا ہے کہ وہ سیدھا کسی جال میں جا رہا ہے۔ میں حیران ہوں کہ اس عورت کو ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ چونکہ اُس نے مجھ سے اس عورت کو چھپائے رکھا تھا اس لئے مجھے خطرہ محسوس ہو رہا ہے کہ وہ کسی سازش کا شکار ہو جائے گا"۔

"ایک بات بتاؤ" — کوتوال نے پوچھا — "یہ سازش احمد بن غطاش نے ہی نہ تیار کی ہو!"۔

"نہیں!" — اس نے جواب دیا — "یہ مجھے یقین ہے کہ اگر یہ سازش ہی ہے تو احمد بن غطاش کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ مجھے ایک شک اور بھی ہے۔ یحییٰ نے مجھ سے بالا بالا کوئی اور تعلق پیدا کر لیا تھا۔ اگر ایسا ہی تھا تو اس سے صرف سنان واقف تھا"۔

"کیا تم بتا سکتے ہو وہ کہاں گیا ہے؟" — ملک شاہ نے پوچھا۔

"نہیں سلطانِ محترم!" — اُس نے جواب دیا — "اگر معلوم ہوتا تو میں چوری چھپے اس کے پیچھے چلا جاتا"۔

"تم یہ تو نہیں بتا سکتے کہ وہ کب تک واپس آئے گا" — ملک شاہ نے پوچھا۔

"نہیں سلطانِ عالی مقام!" — اُس نے جواب دیا — "ہمیں دعا کرنی چاہئے کہ وہ زندہ و سلامت واپس آجائے..... کیا اب مجھے جانے کی اجازت ہے؟..... میں نے پیغام آپ تک پہنچانا تھا وہ پہنچا دیا ہے۔ آپ کہیں یا نہ کہیں میں شاہ در میں آپ کے جاسوس کی حیثیت سے کام کرتا رہوں گا"۔

"ہاں، تم جا سکتے ہو" — سلطان نے کہا — "اگر ہمارے لئے کام کرتے رہو گے تو ہم تمہیں اس کا پورا معاوضہ دیں گے"۔

"نہیں سلطانِ محترم!" — اس شخص نے کہا — "میں یہ کام بلا معاوضہ کروں گا اور اپنا فرض سمجھ کر کروں گا"۔

یہ آدمی چلا گیا۔

جس وقت شاہ در سے آیا ہوا یہ آدمی سلطان ملک شاہ کو یحییٰ ابن الہادی کا پیغام دے رہا تھا، اُس وقت یحییٰ اور اس کے ساتھی سنان کی لاشوں کو دریا بہت دُور لے گیا تھا۔ مچھلیوں نے بوری پھاڑ کر لاشوں کو کھانا شروع کر دیا ہو گا۔

اس شخص کو حسن بن صباح نے بھجوایا تھا۔ زریں نے خودکشی سے پہلے یحییٰ ابن الہادی کے متعلق بتا دیا تھا کہ وہ سلطان ملک شاہ کا جاسوس ہے اور یہاں کیا معلوم کرنے آیا تھا۔ یحییٰ اور سنان کو زہر دے کر مار دیا گیا تھا لیکن حسن بن صباح کا خیال تھا کہ یہ خطرہ دونوں کو مار ڈالنے سے ختم نہیں ہوا۔

"ہمیں ان دو جاسوسوں کا تو پتہ چل گیا اور ہم نے انہیں ختم کر دیا ہے" — احمد بن غطاش نے کہا تھا — "مجھے شک ہے یہاں سلجوقیوں کے اور جاسوس اور مخبر بھی ہوں گے۔ ان کا سراغ لگانا بہت ضروری ہے۔ اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اپنے مخبروں سے کہہ دیا جائے کہ شہر میں کسی اجنبی کو دیکھیں تو اُس کا پیچھا کریں اور یقین کر لیں کہ وہ جاسوس نہیں اور یہ دیکھیں کہ وہ کس کام کے لئے یہاں آیا ہے"۔

"میں سلجوقیوں کو گمراہ کر سکتا ہوں" — حسن بن صباح نے کہا تھا — "ہم ایک

Scanned by iqbalmt

Scanned by iqbalmt

آدمی کو مَرو بھیجیں گے جو سلطان ملک شاہ کے پاس یحییٰ ابن الہادی کا پیغام لے کر جائے گا۔ اس آدمی کو پیغام میں بتاؤں گا۔ آدمی بڑا ہوشیار اور ذہین ہونا چاہئے"۔

"میں تمہیں ایک آدمی دوں گا" ــــ احمد بن غطاش نے کہا تھا ــــ "تم یہ بتاؤ کہ پیغام کیا دو گے!؟"

حسن بن صباح نے یہ سارا پیغام احمد بن غطاش کو سنایا۔

"زندہ باد" ــــ احمد بن غطاش نے بے اختیار کہا ــــ "تم میں اتنی اہلیت ہے کہ نبوّت کا دعویٰ کر سکتے ہو۔ یہ بات میرے ذہن میں نہیں آئی تھی"۔

"نہیں استادِ محترم!" ــــ حسن بن صباح نے کہا تھا ــــ "پیرو مرشد آپ ہی ہیں۔ میں جو کچھ بھی ہوں وہ آپ کی شخصیت کا معمولی سا عکس ہوں..... یہ پیغام میرے دماغ میں اس لئے آیا ہے کہ اس سے سلجوقیوں کو اطمینان ہو جائے گا کہ شاہ در میں سب ان کے وفادار ہیں اور یہاں سلجوقی سلطنت کے خلاف کوئی سازش یا کوئی گڑبڑ نہیں ہو رہی۔ ان دونوں جاسوسوں کی غیر حاضری کے متعلق سلطان ملک شاہ کو یہ شک نہیں ہو گا کہ انہیں غائب کر دیا گیا ہے۔ انہیں اس پیغام سے یقین ہو جائے گا کہ وہ آگے نکل گئے ہیں اور وہ شاہ در میں نہیں"۔

احمد بن غطاش نے اُسی وقت ایک آدمی کو بلا لیا تھا اور حسن بن صباح نے اُسے یہ پیغام دے کر کہا تھا کہ وہ احمد بن غطاش کو سلطان ملک شاہ کے پاس بھیجے اور یہ پیغام اُسے دے۔

اس آدمی نے ویسے ہی کیا۔ حسن بن صباح نے کئی مقامات پر اس کی تصحیح کی اور اچھی طرح مشق کرائی اور اسے یہ بھی بتایا کہ چہرے پر کس طرح کا تاثر رکھے اور اس کی آواز کا اتار اور چڑھاؤ کس طرح ہو۔

یہ ایک بڑا ہی ذہین اور ہوشیار آدمی تھا جو اس پیغام کی غرض و غایت سمجھ گیا اور ایک دو دفعہ بولنے سے حسن بن صباح کی تسلی ہو گئی اور اس شخص کو اگلی صبح مَرو کو روانہ کر دیا گیا تھا۔

ایک روز یہ آدمی سلطان ملک شاہ کو حسن بن صباح کا یاد کرایا ہُوا پیغام دے کر واپس آ گیا۔

"وہاں کیا تاثر چھوڑ آئے عابدین؟" ــــ احمد بن غطاش نے پوچھا۔

"وہی جو آپ پیدا کرنا چاہتے تھے" ــــ عابدین نے کہا ــــ "اگر آپ وہاں ہوتے تو آپ بھی اس پیغام کو سچ مان لیتے۔ میں اُنہیں یقین دلا آیا ہوں کہ اپنے جاسوس یحییٰ ابن الہادی اور اس کے ساتھی سنان کا انتظار نہ کریں۔ وہ مجھے یہ بتا گئے ہیں کہ انہیں ڈاکوؤں کا سراغ ملا ہے اور وہ دیکھیں گے کہ وہ کون ہیں اور کتنے ہیں لیکن مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ ایک عورت کو ساتھ لے گئے ہیں۔ میں نے سلطان ملک شاہ کو یہ بھی کہا ہے کہ وہ سیدھے کسی جال میں چلے گئے ہیں جہاں سے ان کی واپسی ممکن نظر نہیں آتی' اور میں نے یہ بھی کہا تھا کہ میں سلجوقی سلطنت کے لئے شاہ در میں جاسوسی کرتا رہوں گا.....

سلطان ملک شاہ کے پاس ایک سپہ سالار اور کوتوال بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ ان دونوں نے بھی ہمارے پیغام کو سچ مان لیا ہے"۔

"ہاں عابدین!" ــــ حسن بن صباح نے کہا ــــ "اگر وہ ہمارے جھوٹ کو سچ نہ مان لیتے تو تم اس وقت یہاں نہ ہوتے۔ مَرو کے قید خانے میں ہوتے یا تمہارا یہ سر تمہارے جسم کے ساتھ نہ ہوتا"۔

حسن بن صباح نے احمد بن غطاش کی طرف دیکھا۔ احمد اشارہ سمجھ گیا۔ وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں گیا۔ واپس آیا تو اُس کے ہاتھ میں سونے کے چند ایک سکے تھے جو اس نے عابدین کو دیئے۔ عابدین نے اٹھ کر اور جھک کر یہ انعام وصول کیا۔

"اب تمہارے ذمے ایک کام اور ہے عابدین!" ــــ احمد بن غطاش نے کہا ــــ "اس شہر میں سلجوقیوں کے اور جاسوس بھی ہو سکتے ہیں۔ انہیں تلاش کرو۔ کوئی اجنبی یا مشکوک آدمی نظر آئے' اُس کے پیچھے اپنا ایک مخبر سائے کی طرح لگا دو۔ اپنے آدمیوں کو اچھی طرح سمجھا دو۔ میں اس کا کچھ اور انتظام بھی کروں گا"۔

"آپ اپنا انتظام کریں پیرو مرشد!" ــــ عابدین نے کہا ــــ "میرا اپنا انتظام ہے۔ میں ایسا جال بچھاؤں گا کہ اس میں سے کوئی مشکوک آدمی نکل کر نہیں جائے گا۔ سلجوقیوں کے ان دو جاسوسوں نے مجھے چوکنّا کر دیا ہے"۔

○

حسن بن صباح انسان سے ابلیس کس طرح بنا؟

اس سوال کا جواب تقریباً تمام مؤرخوں نے اور اُس دَور کے بعد آنے والے تاریخ نویسوں نے اپنی اپنی بساط اور اپنی اپنی تحقیق کے مطابق دیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ احمد بن غطاش اور حسن بن صباح نے شاہ در سے آگے جو قلعے تھے' ان پر قبضہ

Scanned by iqbalmt

کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس علاقے میں اپنے عقیدے کی اور اپنے فرقے کے نظریات کی تبلیغ شروع کر دی اور لوگوں کو اپنا ہم خیال ہی نہیں بلکہ اپنا مرید بنا لیا۔

کیا یہ کام اتنا سہل تھا کہ دو چار باتیں کہیں اور سننے والے اپنے باپ دادا کے عقیدوں سے منحرف ہو گئے اور نئے عقیدے اور ایک نئے ہی فرقے کے پیروکار بن گئے؟

داستان گو سے پوچھئے جو اُس دور کے داستان گوؤں کے حوالے سے بات کرے گا۔ مؤرخوں میں ابنِ اثیر کی "تاریخ کامل" کو پڑھ لیں' ابو القاسم رفیق دلاوری کی "آئمہ تلبیس" کی' ابنِ جوزی کی "تلبیسِ ابلیس" کی ورق گردانی کر لیں' "دبستان مذاہب" کا' "سنینِ اسلام" کا اور ابنِ خلدون کی "تاریخ ابنِ خلدون" کا مطالعہ کر لیں۔ سب نے ایک دوسرے کی تصدیق اور تائید کی ہے کہ حسن بن صباح نے اپنے فرقے کے عقائد اور نظریات کی تبلیغ کر کے لوگوں کو اپنا پیروکار بنا لیا تھا۔

لیکن کیسے؟

اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھٹکی ہوئی انسانیت کو صراطِ مستقیم دکھانے کے لئے پیغمبر مبعوث کئے لیکن لوگوں نے ان کے مذاق اڑائے' ان پر پھبتیاں کسیں' بعض کو ذلیل و رسوا کیا' دھتکارا' اور پھر کچھ لوگ ان سے متاثر ہو گئے۔

حضرت موسیٰؑ پر کیا کیا ظلم و ستم نہ ہوئے۔

حضرت عیسیٰؑ کے پیروکاروں کو رومیوں نے شیروں کے آگے ڈال کر چیر پھڑوایا۔

حضرت عیسیٰؑ کو صلیب کے ساتھ کھڑا کر کے ہاتھوں اور پاؤں میں کیل گاڑ دیئے گئے۔

خاتم النبیین' محبوبِ خدا' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننے اور سمجھنے کی بجائے آپؐ کے قتل کے منصوبے بنے۔ حضرت بلالؓ کو کوڑے مار مار کر تپتی ریت پر تڑپایا گیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنی پڑی۔ اللہ کے عظیم دین کی مقبولیت کو کچھ وقت لگا تھا۔

پھر حسن بن صباح اتنی جلدی لوگوں کے دلوں میں کس طرح سما گیا؟

گزری ہوئی صدیوں کے کھنڈرات میں اُس دور کے قصہ گوؤں کی سرگوشیاں سنئے۔

یہ تو سنایا جا چکا ہے کہ احمد بن غطاش حسن بن صباح کا استاد اور پیر و مرشد تھا اور عالم و فاضل تھا' دانشمندوں کا دانشمند تھا لیکن اُس نے علم و فضل کو خیر کی بجائے شر کے

لئے استعمال کیا۔ انسان کو نفس پر قابو پانے کے سبق دینے کی بجائے اسے نفس کا غلام بنایا۔ ابلیس سے بچنے کی بجائے اپنے آپ میں ابلیسی اوصاف پیدا کئے۔

وحی کی آواز سنئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں:

"بھلا دیکھو اُس شخص کو جس نے اپنی خواہشات کو پوجنا زیادہ پسند کیا۔ اے رسولؐ کیا تو ایسے شخص (کی نجات کی) ذمہ داری لے سکتا ہے؟ کیا تُو یہ توقع رکھتا ہے کہ ایسے اشخاص میں بہت سے ایسے ہوں گے جو سنتے اور سمجھتے ہوں گے؟ نہیں۔ یہ حیوانوں کے برابر ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں راہ سے"۔ (الفرقان-43'44)

یہ تو اللہ کی آواز تھی کہ وہ لوگ انسان نہیں حیوان ہیں جو خواہشات کے پجاری ہوتے ہیں لیکن حسن بن صباح نے انسان کو نہایت دلکش خواہشات دے کر حیوان بنایا۔ یہ سبق اسے اس کے استاد نے دیا تھا۔

○

"اب بتاؤ حسن!" ــــ عابدین کے جانے کے بعد احمد بن غطاش نے حسن بن صباح سے پوچھا ــــ "اس صورتِ حال میں ہمیں کیا پیش بندی یا تحفظ کرنا چاہئے!"

"ہاں استادِ محترم!" ــــ حسن بن صباح نے کہا ــــ "ہمارے پاس کوئی فوج نہیں کہ ہم اپنا تحفظ کر سکیں۔ اگر آپ پسند کریں تو میں یہ کہوں گا کہ ہمیں اس علاقے پر چھا جانا چاہئے۔ تبلیغ کا سلسلہ صرف شروع ہی نہیں کرنا بلکہ اسے بہت تیز کرنا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہماری لڑکیوں میں ابھی جذبات زندہ ہیں۔ انہیں تربیت کی ضرورت ہے' لیکن اس سے زیادہ ضروری تبلیغ ہے۔ ہم لوگوں کو زیرِ اثر لے کر ان کی فوج بنائیں گے"۔

"لوگوں سے کیا کہو گے؟" ــــ احمد بن غطاش نے پوچھا۔

"ہم ان کے سامنے اپنے عقیدے رکھیں گے" ــــ حسن نے کہا ــــ "اور انہیں بتائیں گے کہ دوسرے تمام مذہب اور اُن کے نظریات باطل ہیں"۔

"پیغمبروں نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا تھا" ــــ احمد بن غطاش نے کہا ــــ "ان کی کسی نے نہیں سنی تھی۔ ہمیں کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا جس سے لوگوں کے

Scanned by iqbalmt

دلوں پر قبضہ کیا جا سکے"۔

"کیا آپ کے سامنے کوئی ایسا طریقہ ہے؟"۔۔۔ حسن بن صباح نے پوچھا۔

"ہاں حسن!"۔۔۔ احمد بن غطاش نے کہا۔۔۔ "تم مجسم وہ طریقہ ہو۔ تم میں وہ اوصاف موجود ہیں جو کسی بھی انسان کو گرویدہ کر سکتے ہیں"۔

"ہاں استادِ محترم!"۔۔۔ حسن نے کہا۔۔۔ "یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ مجھ میں کوئی ایسی طاقت ہے جو ہر انسان میں نہیں ہوتی۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ میں سیدھے راستے پر چلنے والے لوگوں کو جس راستے پر ڈالنا چاہوں ڈال سکتا ہوں"۔

"ضرورت یہ ہے کہ تمہاری اس قوت کو ابھارا جائے"۔۔۔ احمد بن غطاش نے کہا۔۔۔ "دوسرے مذاہب نے انسان کو بدی سے ہٹنے کے سبق دیئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں نے کسی بھی مذہب کو یا کسی بھی عقیدے کو قبول کرنے میں بہت دیر لگائی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بدی میں لذت ہوتی ہے اور انسان میں خدا نے یہ کمزوری رکھ دی ہے کہ اسے لذت پرست اور عیش پسند بنا دیا ہے"۔

"لیکن استادِ محترم!"۔۔۔ حسن بن صباح نے کہا۔۔۔ "میرے استاد ابنِ عطاش نے مجھے بتایا تھا کہ انسان میں یہ کمزوری خدا نے نہیں بلکہ ابلیس نے پیدا کی ہے اور انسان کی بدنصیبی یہ ہے کہ اس کی ذات نیکی اور بدی کی معرکہ آرائی کا میدانِ جنگ بنی رہتی ہے"۔

"یوں ہی سہی!"۔۔۔ احمد بن غطاش نے کہا۔۔۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ انسانوں میں بدی کو ابھارا جائے..... انسانی فطرت کا یہ بنیادی اصول یاد رکھو حسن! اسے تم انسان کی کمزوری بھی کہہ سکتے ہو۔ وہ یہ ہے کہ ہر انسان بہشت میں جانا چاہتا ہے لیکن مرنا کوئی بھی نہیں چاہتا..... ان کی ضرورت یہ ہے کہ انہیں دنیا میں ہی بہشت دکھا دی جائے۔ پھر دیکھنا کہ یہ لوگ کس طرح تمہیں نبی اور پیغمبر ماننے ہیں"۔

"میں انہیں دنیا میں بہشت دکھا سکتا ہوں"۔۔۔ حسن نے کہا۔۔۔ "یہ بہشت میرے خیالوں میں ہے جو میں سب کو دکھا دوں گا۔ میں اگر انسانی فطرت کو غلط نہیں سمجھا تو میری رائے یہ ہے کہ انسان اسراریت کے پیچھے زیادہ بھاگتا ہے۔ ایک چیز اس کے سامنے رکھ دی جائے تو وہ اسے ذرا مشکل سے ہی قبول کرتا ہے۔ اگر اسی چیز کو پُر اسرار بنا دیا جائے تو انسان اس کی طرف لپکتا ہے، پردے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے، پردوں کے

پیچھے جھانکتا ہے اور جب یہ چیز اس کے سامنے آجاتی ہے تو وہ اسے گوہرِ نایاب سمجھ کر سینے سے لگا لیتا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنا طریقہ استعمال کروں"۔

"ہاں حسن!"۔۔۔ احمد بن غطاش نے کہا۔۔۔ "اگر تم انسانی فطرت کی بنیادی کمزوریاں سمجھ گئے ہو تو اس میدان میں اُترو۔ میں اس شہر کا والی ہوں۔ مجھ سے جو بھی اور جیسی بھی مدد مانگو گے وہ میں دوں گا۔ تم کتنا ہی انتہائی اقدام کر گزرو مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے..... یہ یاد رکھو کہ انسان خدا کے حکم کو نظر انداز کر کے ابلیس کی بات مان لیتا ہے۔ یہ انسانی فطرت کی کمزوری ہے کہ وہ شجرِ ممنوعہ کو زیادہ پسند کرتا ہے۔ میں نے تمہیں سحر کی طاقت بھی دے دی ہے۔ تم کسی بھی انسان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگو تو وہ آدمی مسحور ہو جائے گا۔ میں نے تمہیں علمِ نجوم بھی دیا ہے۔ تم ستاروں کی گردش اور چال دیکھ کر صحیح فیصلہ کر سکتے ہو کہ تمہارا اگلا قدم آگے بڑھنا چاہئے یا پیچھے ہٹنا چاہئے"۔

دونوں نے مل کر ایک ایسا منصوبہ تیار کیا جس نے انسانیت کو ہلا کر رکھ دیا اور تاریخ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ تاریخ نے اس کی ہر ایک تفصیل کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا تاکہ رہتی دنیا تک انسان اپنی تاریخ کا یہ حیرت انگیز، سنسنی خیز اور شرمناک باب پڑھتا رہے۔ انسان نے آج تک عبرت حاصل نہیں کی۔ آج بھی انسان اسراریت اور بدی کی دلکشی کا رسیا ہے۔ وہ اپنے خیالوں میں حسن بن صباح کی جنّت آباد کیے رکھتا ہے اور اس کا زیادہ تر وقت اسی جنت میں گزرتا ہے۔

○

قلعہ شاہ در سے آگے خلجان نام کا ایک اور قلعہ تھا۔ اس وسیع و عریض خطّے میں ایسے چند اور قلعے بھی تھے جن میں سب سے زیادہ مشہور قلعہ الموُت تھا جو کچھ عرصے بعد حسن بن صباح کا مرکز بنا اور یہیں اُس نے اپنی جنّت بنائی جس کی تفصیلات تاریخ میں آج تک محفوظ ہیں۔ احمد بن غطاش اور حسن بن صباح کے منصوبے کی پہلی کڑی یہ تھی کہ ان تمام قلعوں پر قبضہ کیا جائے۔ ان کے پاس کوئی فوج تو تھی نہیں۔ پھر بھی انہیں یقین تھا کہ وہ اپنے عزائم میں کامیاب ہو جائیں گے۔

قلعہ شاہ در سے بارہ چودہ کوس دُور ایک بڑا خوبصورت کوہستانی خطّہ تھا جس میں اونچی نیچی ٹیکریاں اور ان سے اونچی پہاڑیاں تھیں۔ یہ ایک سبزہ زار تھا جو قدرت کے

Scanned by iqbalmt

ہاتھوں نے بڑی محنت اور بڑی محبت سے تیار کیا تھا۔ اس میں ایسے درخت تھے جو کسی اور خطّے میں نظر نہیں آتے تھے۔ بعض ٹیکریوں اور پہاڑیوں پر شاہ بلوط کے گھنے درخت تھے۔ شفاف پانی کی ندیاں بہتی تھیں۔ درختوں میں سے گزرتی ہوئی ہوا اور ندیوں کا جل ترنگ یہاں سے گزرنے والوں پر سحر طاری کر دیا کرتا تھا۔

کچھ دنوں سے اس علاقے میں رہنے والے لوگوں میں یہ خبر پھیل گئی تھی کہ رات کے وقت کبھی کبھی شاہ بلوط کے ایک درخت میں سے ایک ستارہ سا چمکتا ہے جو بجھتا ہے اور کچھ دیر بعد پھر چمکتا ہے۔ یہ خبر شاہ ور تک پہنچی اور پھر یہ اس تمام علاقے میں پھیل گئی۔

اس کی شہرت ایسی پھیلی کہ لوگ دور دور سے آنے لگے۔ وہ اس ہرے بھرے جنگل میں اس ستارے کی چمک کے انتظار میں تین تین چار چار دن وہاں قیام کرتے۔ ستارہ چمکتا تو کسی پر خوف اور کسی پر تقدّس کا تاثر طاری ہو جاتا۔ کوئی کہتا کہ یہ کسی پیغمبر کے ظہور کی نشانی ہے اور اکثر لوگ یہ کہتے تھے کہ اس خطّے پر خدا کی نوازشیں اور رحمتیں نازل ہوں گی۔ زیادہ تر کا خیال یہی تھا کہ یہ کوئی برا شگون نہیں۔

کچھ دن اور گزرے تو ستارے کی چمک سے پہلے نقارہ اور شہنائیاں بجتیں اور پھر شاہ بلوط کی گھنی شاخوں میں سے ستارے کی چمک دکھائی دیتی۔

کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ آگے بڑھتا اور دیکھتا کہ یہ چمک کیسی ہے۔ دن کے وقت لوگوں نے اس درخت سے دُور رہنا پسند کیا۔ بزرگوں اور دانشمندوں نے بھی لوگوں سے یہی کہا کہ اُدھر نہ جانا کیوں کہ یہ جنّات بھی ہو سکتے ہیں اور یہ کوئی خدائی اشارہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جنّات ناراض ہو کر اس سارے علاقے پر قہر نازل کریں یا خدا ہی ناراض نہ ہو جائے۔

کچھ دن اور گزرے تو سبز ریشمی چُغوں میں ملبوس آدمی لوگوں کے ہجوم میں نظر آنے لگے۔ ان کے ہاتھوں میں تسبیحیں تھیں اور ان کے ہونٹ یوں ہلتے تھے جیسے کچھ پڑھ رہے ہوں۔ لباس، چال ڈھال اور انداز سے وہ عالم فاضل لگتے تھے۔ وہ جو کوئی بھی تھے، ایک ایک کر کے لوگوں میں بکھر گئے۔

''خدائے بزرگ و برتر اس علاقے کو بارانِ نعمت سے نواز رہا ہے'' —— ان میں سے ہر ایک آدمی یہی کہتا پھرتا تھا۔

''خدا کی طرف سے کوئی برگزیدہ ہستی اس جگہ اُتر رہی ہے''۔

''یہ حضرت عیسیٰؑ بھی ہو سکتے ہیں''۔

''ہو سکتا ہے حضرت موسیٰؑ ہی ہوں''۔

''یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہو سکتے ہیں''۔

''کوئی نبی یا پیغمبر نہ ہوا تو خدا کا ایلچی ہو گا''۔

''راتوں کو جاگتے رہو۔ ستارہ چمکے تو سجدے میں گر پڑو''۔

''چمک کی طرف دیکھتے نہ رہا کرو کہ یہ خدا کے مقدّس ایلچی کی توہین ہو گی''۔

اور اس قسم کی اور بھی بہت سی قیاس آرائیاں، پیشین گوئیاں اور ہدایتیں تھیں جو سبز چغوں والوں کی زبانوں کا وِرد بن گئی تھیں۔ لوگ ان کے گرد اکٹھے ہونے لگے۔ انہوں نے بڑی ہی پُر اثر آواز میں وعظ شروع کر دیئے۔ ان کا انداز ایسا تھا کہ ہر کوئی ان سے متاثر ہو جاتا تھا۔

○

ایک رات نقارہ اور اس کے ساتھ شہنائیاں بجیں تو لوگوں نے اُدھر دیکھنا شروع کر دیا جدھر ستارے کی چمک دکھانے والا شاہ بلوط کا درخت تھا۔ رات تاریک تھی۔ نقارہ اور شہنائیاں بجتی رہیں لیکن ستارے کی چمک نظر نہ آئی۔

''بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھو'' —— سبز چغے والے ایک آدمی نے بلند آواز سے کہا۔

وہاں اب ہزاروں انسانوں کا ہجوم تھا۔ ان میں مسلمان زیادہ تھے۔ باقی عیسائی، یہودی اور دوسرے عقیدوں کے لوگ تھے۔ مسلمانوں نے کلمہ طیبہ کا وِرد شروع کر دیا۔ دوسروں نے اپنے اپنے مذہب کے مطابق کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔

''سجدے میں گر پڑو'' —— ایک آواز آئی۔

تمام لوگ سجدے میں چلے گئے۔ جو مسلمان نہیں تھے وہ بھی سربسجدہ ہو گئے۔

''اے خدائے ذوالجلال!'' —— ایک بڑی ہی بلند آواز ابھری —— ''یہ سب تیرے گناہ گار اور عاجز بندے ہیں۔ ان کے گناہ بخش دے اور ہمیں اپنی خدائی کا جلوہ دکھا دے۔ ہم سے اپنے نور کے نزول کا اتنا انتظار نہ کرا''۔

پُراسرار رات خاموش ہو گئی۔ لوگ جو کلمہ طیبہ کا وِرد کر رہے تھے وہ اس آواز پر

Scanned by iqbalmt

خاموش ہو گئے تھے۔ ہر آدمی کا دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا جیسے پسلیاں توڑ کر باہر آجائے گا۔

"اٹھو اور دیکھو" ——ایک اور آواز ابھری۔

لوگوں نے شاہ بلوط کے درخت کی طرف دیکھا۔ وہاں ستارہ تو نہیں تھا لیکن ایک روشنی آہستہ آہستہ اوپر سے نیچے آئی جس میں درخت کی گھنی شاخوں کا کچھ حصہ نظر آتا تھا۔ یہ روشنی زیادہ پھیلی ہوئی نہیں تھی' یہ تقریباً" تین فٹ لمبی اور اتنی ہی چوڑی تھی۔ یہ پہلے درخت پر گھومتی پھرتی رہی پھر نیچے آئی۔ دُور سے شاہ بلوط کا یہ درخت یوں لگتا تھا جیسے بہت بڑی چھتری ہو۔

روشنی اس وسیع و عریض چھتری پر گھومتے گھومتے آہستہ آہستہ نیچے آئی تو ایک انسان کا ہیولہ نظر آیا جو سر سے پاؤں تک سفید کپڑوں میں ملبوس تھا۔ کبھی تو یوں لگتا تھا جیسے یہ کفن میں لپٹی ہوئی لاش ہو۔ روشنی اس کے سر سے پاؤں تک آئی اور پھر پاؤں سے سر تک چلی گئی۔ غور سے دیکھنے سے معلوم ہُوا کہ اس نے بڑا لمبا سفید چغہ پہن رکھا ہے اور اس کے سر پر دستار ہے۔

اُس نے اپنے بازو پھیلا دیئے۔ تھوڑی دیر بعد روشنی بجھ گئی اور یہ آدمی غائب ہو گیا۔

لوگوں پر خوف و ہراس بھی اور تقدّس بھی طاری ہوا اور وہ پہلے سے زیادہ بے تاب ہونے لگے کہ کوئی انہیں بتائے کہ یہ کون ہے اور یہ سب کیا ہے۔

سبز چغوں والے آدمی رات ہی رات کہیں غائب ہو گئے۔ اگلی رات وہ پھر وہاں موجود تھے۔ لوگوں نے انہیں گھیر لیا اور ان سے پوچھنے لگے کہ یہ سب کیا ہے۔

"صرف ایک شخص ہے جو ہم سب کی راہنمائی کر سکتا ہے"۔ چغوں والوں میں سے ایک نے کہا—— "لیکن اسے یہاں لانا بہت مشکل ہے"۔

"ہمیں بتا وہ کون ہے!" ——ایک آدمی نے پوچھا اور اُس نے کہا—— "وہ جہاں کہیں بھی ہُوا ہم اُسے لے آئیں گے۔ ہمیں جو بھی قیمت دینی پڑی ہم دیں گے"۔

"وہ قلعہ شاہ در کا والی ہے" ——ایک سبز پوش نے کہا—— "اس کا نام احمد بن عطاش ہے۔ اُس کے پاس کوئی ایسا علم ہے جس کے زور پر وہ غیب میں چھپے ہوئے راز بھی بتا دیا کرتا ہے"۔

"ہمیں اس کے پاس لے چلو" ——لوگوں نے سبز پوشوں سے کہنا شروع کر دیا۔

"لیکن ایک بات سوچ لو" ——ایک بزرگ سبز پوش نے انہیں کہا—— "وہ تمہیں سب کچھ بتا دے گا لیکن تمہیں اس کی بات ماننی پڑے گی"۔

"وہ کیا بات منوائے گا؟"

"وہ تم سے جان کی قربانی نہیں مانگے گا" ——سبز پوش نے کہا—— "پہلے وہ یہ دیکھے گا کہ جس ہستی کا ہیولہ نظر آیا ہے' وہ کون تھا اور کیا تھا اور کیا وہ پھر بھی نظر آئے گا؟ اس کے بعد وہ بتائے گا کہ لوگوں کو کیا کرنا چاہئے"۔

"ہم اُس کے پاس جائیں گے" ——کئی ایک آوازیں اٹھیں۔

○

اس علاقے میں تھوڑے سے گھروں کی ایک بستی تھی جن میں زیادہ تر گھر عیسائیوں کے تھے اور دو یا تین گھر یہودیوں کے تھے۔ اس بستی کے لوگ بھی شاہ بلوط میں چمکنے والے ستارے کو دیکھنے جایا کرتے تھے اور ان میں کچھ تو ایسے تھے جو کئی دنوں سے وہیں جا بیٹھے تھے جہاں سے شاہ بلوط کا وہ درخت نظر آتا تھا۔

یہودیوں میں ایک بوڑھا مذہبی پیشوا بھی تھا اور عیسائیوں کا ایک بوڑھا پادری بھی تھا۔ ایک روز پادری یہودیوں کے رِبّی (مذہبی پیشوا) کے پاس گیا اور اسے بتایا کہ اس ستارے کے معاملے میں وہ خاصا پریشان ہے۔

"میں خود پریشان ہوں فادر!" ——رِبّی نے کہا—— "یہ کوئی شعبدہ بازی ہے اور یہ لوگوں کے عقیدے خراب کرنے کے لئے تخریب کاری ہو رہی ہے۔ نبی اور پیغمبر اس طرح ظاہر نہیں ہُوا کرتے نہ ہی خدا عام بندوں کو یوں اپنا نور دکھایا کرتا ہے جس طرح ہم یہ تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ خدا نے اپنا جلوہ حضرت موسیٰؑ کو کوہِ طور پر دکھایا تھا۔ وہ بھی صرف ایک بار۔ اسے آپ بھی مانتے ہیں' ہم بھی مانتے ہیں اور مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے"۔

"کچھ سوچیں محترم رِبّی!" ——پادری نے کہا—— "مجھے شک ہے کہ یہ مسلمانوں کا ناٹک ہے۔ میرے خیال میں یہ ناٹک اس لئے کھیلا جا رہا ہے کہ اسلام کی گرتی ہوئی عمارت کو سہارا دیا جا سکے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اسلام میں کتنے فرقے پیدا ہو گئے ہیں"۔

Scanned by iqbalmt

"میں بڑے غور اور دلچسپی سے دیکھ رہا ہوں فادر!" ——ربّی نے کہا—— "میرا خیال یہ ہے کہ مسلمانوں میں ایک فرقہ اور پیدا ہو رہا ہے۔ اگر ایسا ہے تو ہم اپنے آدمی مسلمانوں کے روپ میں اس فرقے میں داخل کریں گے تاکہ یہ نیا فرقہ پھلے پھولے اور اسلام مزید کمزور ہو۔ ہمارے آدمی مسلمان مولویوں اور خطیبوں کے بہروپ میں دُور دراز آبادیوں میں بکھر جائیں گے اور اس نئے فرقے کی حمایت میں قرآن اور احادیث کے حوالے دے دے کر مسجدوں میں وعظ کرتے پھریں گے، لیکن یہ معلوم کرنا ضروری ہو گیا ہے کہ یہ کیسی شعبدہ بازی ہو رہی ہے"۔

"یہ پُراسرار سلسلہ مسلمانوں کا ہی معلوم ہوتا ہے" ——پادری نے کہا—— "یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ جس رات روشنی میں ایک سفید پوش آدمی دکھایا گیا، اُسی رات سبز چغوں میں ملبوس کچھ آدمیوں نے لوگوں سے کہا تھا کہ وہ کلمہ پڑھیں اور سجدہ ریز ہو جائیں۔ یہ کلمہ مسلمانوں کا ہے اور سجدے بھی مسلمان ہی کیا کرتے ہیں..... لوگ پسماندہ ہیں اس لئے وہ شعبدہ بازی کو بھی خدا کا معجزہ سمجھ لیتے ہیں۔ اگر مسلمانوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے تو یہ ہمارا مسئلہ نہیں"۔

"بلکہ ہمیں خوش ہونا چاہئے کہ مسلمانوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔ ہمیں اپنی قوم کا خیال رکھنا چاہئے کہ انہیں کوئی گمراہ نہ کرے"۔

"لیکن کیا کیا جائے!" ——پادری نے کہا—— "میں ایک دو عقل اور جرأت والے جوان دے سکتا ہوں جو دن یا رات کے وقت پہاڑیوں کے اندر جا کر دیکھ لیں گے کہ یہ روشنی مصنوعی دکھائی جا رہی ہے یا یہ کوئی مافوق الفطرت روشنی ہے"۔

"میں نے ستارے کی چمک خود جا کے دیکھی ہے" ——ربّی نے کہا—— "وہ چراغ کی یا مشعل کی روشنی نہیں۔ روشنی سفید ہوتی ہے جو چمکتی ہے اور یک لخت بجھ جاتی ہے۔ اگر مشعل ہو تو صاف پتہ چل جائے کہ یہ شعلہ ہے، اِدھر سے آیا ہے اور اُدھر چلا گیا۔ شاہ بلوط کی چمک میں شعلہ نہیں ہوتا..... آپ صرف ایک آدمی تیار کریں اور ایک آدمی میں تیار کر لوں گا۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ اسلام کا خاتمہ اور اس کے لئے ہر وقت مصروفِ عمل رہنا ہمارا مذہبی فریضہ ہے۔ میں آپ کے آدمی کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا، میں اپنے آدمی کے متعلق بتا سکتا ہوں کہ میرے حکم پر جان قربان کر دے گا"۔

"پھر ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے" ——پادری نے کہا۔

"آج رات اپنے آدمی کو ساتھ لے کر میرے پاس آ جائیں" ——ربّی نے کہا

○

رات کو جب ہزارہا لوگ شاہ بلوط سے دُور ستارے کی چمک کے انتظار میں گھروں سے دُور بیٹھے تھے، اُس وقت دو جواں سال آدمی یہودیوں کے مذہبی پیشوا کے گھر اُس کی اور پادری کی باتیں سن رہے تھے۔ ان دونوں نے بھی شاہ بلوط میں ستارے کو چمکتے دیکھا تھا اور وہ بھی قائل ہو گئے تھے کہ یہ آسمان کا ستارا ہے جو شاہ بلوط کے اس پرانے درخت کی گھنی شاخوں میں اتر آیا ہے۔

"آسمان کے ستارے زمین پر نہیں اُترا کرتے" ——ربّی نے ان دونوں سے کہا—— "اگر یہ مان لیا جائے کہ خدا اپنا جلوہ دکھا رہا ہے تو یہ سوچو وہ کسے دکھا رہا ہے۔ کیا حضرت موسیٰؑ پھر دنیا میں آ گئے ہیں یا حضرت عیسیٰؑ پھر زمین پر اُتر آئے ہیں؟..... نہیں..... بار بار اپنا جلوہ دکھانے کی خدا کو کیا ضرورت پیش آ گئی ہے؟ کیا یہاں کے انسانوں نے خدا کو رَد کر کے کسی اور کی عبادت شروع کر دی ہے؟ کوئی مسلمان ہے یا عیسائی یا کوئی یہودی ہے، یہ سب اپنے اپنے طور طریقے سے خدا کو یاد کر رہے ہیں..... میری بات غور سے سنو میرے بچو! جس پہاڑی پر یہ درخت ہے اس کے پیچھے کہیں روشنی کا انتظام نہیں تو یہ کوئی شعبدہ بازی ہے۔ تم نے چُھپ چُھپ کر وہاں پہنچنا ہے اور دیکھنا ہے۔ اگر تمہیں کوئی ایسی چیز نظر آئے اور پتہ چل جائے کہ یہ کیا راز ہے تو تم نے وہاں کوئی کارروائی نہیں کرنی۔ خاموشی سے واپس آ جانا ہے"۔

"یہ ہمارا ذاتی کام نہیں" ——پادری نے کہا—— "یہ ہمارا مذہبی معاملہ ہے۔ یہ کوئی نیا فرقہ اٹھ رہا ہے جس سے لوگ بڑی تیزی سے متاثر ہوئے جا رہے ہیں۔ اگر لوگوں کی عقیدت مندی کا یہی حال رہا تو یہ عیسائیت اور یہودیت کے لئے بہت ہی نقصان دہ ہو گا۔ اگر یہ مسلمانوں کا کوئی فرقہ ہے تو ہم اسے مزید ہوا دیں گے۔ یہ اب تمہاری ذمہ داری ہے کہ ہمیں صحیح خبر لا کر دو"۔

"ہم کل سورج غروب سے کچھ پہلے روانہ ہو جائیں گے" ——یہودی جوان نے کہا۔

"جگہ دُور ہے" ——عیسائی جوان بولا—— "ہم سیدھے تو جا نہیں سکتے۔ سیدھے

Scanned by iqbalmt

جائیں تو ہمارے لئے یہ فاصلہ کچھ بھی نہیں۔ ہمیں پیدل جانا پڑے گا۔ گھوڑوں پر جائیں گے تو گھوڑوں کو چھپائیں گے کیسے! گھوڑا کہیں بھی ہنہنا کر اپنی نشاندہی کر دے گا"۔

"میں ایک بات صاف کر دوں" — یہودی جوان نے کہا — "میں یہ وعدہ نہیں کرتا کہ یہ کام ایک ہی رات میں ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے دو یا تین راتیں ہم واپس ہی نہ آسکیں"۔

"ایسی کوئی پابندی نہیں" — ربّی نے کہا — "تم نے اپنے آپ کو بچا کر رکھنا ہے اور پوری کوشش کرنی ہے کہ زندہ واپس آجاؤ تاکہ ہمیں صحیح صورتِ حال معلوم ہو جائے اور ہم اس کا کوئی سدّباب کر سکیں"۔

"آپ کو یہ وہم نہیں ہونا چاہئے کہ ہم آپ کو دھوکہ دیں گے" — یہودی جوان نے کہا — "ہم آپ کا مقصد سمجھ گئے ہیں"۔

"اب تم دونوں چلے جاؤ" — ربّی نے کہا — "پانی کا تو کوئی مسئلہ نہیں ہو گا کھانے کے لئے کھجوریں ساتھ لے جاؤ"۔

باہر آکر ان دونوں جوانوں نے آپس میں طے کر لیا کہ وہ کہاں ملیں گے۔ یہودی جوان اپنے گھر سیدھا جانے کی بجائے ایک اور طرف سے گیا۔ ایک گھر کے سامنے بچے کھیل رہے تھے۔ ایک بچے سے اس نے پوچھا کہ اُس کی بہن میرا کہاں ہے۔ بچے نے اسے بتایا کہ تھوڑی دیر ہوئی وہ بکریوں کو لے کر نکلی ہے۔

یہودی اپنے گھر جانے کی بجائے اُس طرف چلا گیا جس طرف میرا گئی تھی۔ گاؤں سے کچھ دور بڑی اچھی چراگاہ تھی جہاں چھوٹی گھاس بھی تھی اور اونچی بھی۔ یہ دونوں اسی جگہ ملا کرتے تھے۔ وہاں سے چھوٹی سی ایک ندی گزرتی تھی۔ ندی کے کنارے گھنی جھاڑیاں تھیں اور خودرَو بیلیں درختوں پر چڑھی ہوئی تھیں۔ یہودی اُدھر جا رہا تھا کہ میرا نے اسے دیکھ لیا اور وہ اس کی طرف دوڑ پڑی۔ یہودی جوان نے بھی اپنے قدم تیز کر لئے اور دونوں اس طرح ملے جیسے بے خیالی میں ان کی ٹکر ہو گئی ہو۔ دونوں نے ایک دوسرے کو بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ انہیں ایسی کوئی پرواہ نہیں تھی کہ کوئی انہیں دیکھ رہا ہو گا۔ سب جانتے تھے کہ یہ ایک دوسرے کو چاہتے ہیں اور ان کی شادی ہو جائے گی۔ وہ اس لئے بھی بے حجاب تھے کہ یہودی تھے۔ کسی کو بے حیا کہنے کی بجائے یہودی کہہ دینا ہی کافی ہوتا تھا۔ یہودی کی تمام تر تاریخ فتنہ و فساد، فریب کاری اور عیاری کی تاریخ ہے

اور یہودی نے ہمیشہ اسلام کو اپنا ہدف اور مسلمانوں کو دشمن نمبر ایک بنائے رکھا ہے۔ آج بھی یہ قوم اسلام کی بیخ کنی میں مصروف ہے۔

اپنے ان ابلیسی عزائم کی کامیابی کے لئے یہودی اپنی لڑکیوں کو بڑے فخر سے استعمال کیا کرتے تھے اور اپنی بیٹیوں کا شعور بیدار ہوتے ہی انہیں بے حیائی کے سبق دینے لگتے تھے۔ سرِعام فحش حرکتیں کرنا اور مردوں کے ساتھ قابلِ اعتراض اور شرمناک حالت میں دیکھے جانا ان کے ہاں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اپنی بیٹی، بہن یا بیوی کو کسی غیر مرد کے ساتھ دیکھ کر اعتراض کرنا قابلِ اعتراض فعل سمجھا جاتا تھا۔ البتہ ایسی نوجوان لڑکی یا عورت کے پیشِ نظر ذاتی عیاشی نہیں بلکہ قومی مقصد ہونا ضروری سمجھا جاتا تھا۔

اس جواں سال یہودی اور ایک نوجوان لڑکی کا یوں ملنا کہ ان کے جسموں کے درمیان سے ہوا بھی نہ گذر سکے، قابلِ اعتراض فعل نہیں تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی کمر میں بازو ڈالے ندی تک گئے اور وہاں بیٹھ گئے۔

"میں تمہیں الوداع کہنے آیا ہوں میرا!" — یہودی جوان نے کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو اسحاق؟" — میرا نے بدک کر اس سے الگ ہوتے ہوئے پوچھا "کہاں جارہے ہو؟"

"ایک مہم پر!" — اسحاق نے کہا۔

"کیسی مہم؟ کون سی مہم؟" — میرا نے پوچھا — "کیا یہ کوئی خطرناک کام ہے؟"

"خطرناک ہو سکتا ہے" — اسحاق نے کہا — "اور آسان اتنا کہ ہو سکتا ہے میں کل ہی واپس آجاؤں..... تم نے وہ ستارہ دیکھا ہے نا جو دُور پہاڑی پر چمکتا ہے۔ ہم دونوں نے اکٹھے دو تین بار دیکھا ہے۔ میں دیکھنے جارہا ہوں یہ کیا ہے۔ میرے ساتھ بنو تغلب کا ایک عیسائی آسر بن جوئل بھی جارہا ہے"۔

اسحاق نے میرا کو اپنے ربّی اور پادری کی ساری باتیں سنائیں اور بتایا کہ یہ راز معلوم کرنا کیوں ضروری ہے۔

"اگر یہ جنّات ہوئے" — میرا نے کہا — "یا کوئی اور غیر انسانی مخلوق ہوئی تو پھر کیا کرو گے؟"

"ہم دُور سے دیکھ کر واپس آجائیں گے" — اسحاق نے کہا — "ہم نے ان پر حملہ تو نہیں کرنا، صرف دیکھنا ہے کہ وہاں ہم جیسے انسان ہیں یا یہ کوئی خدائی اشارہ ہے"۔

Scanned by iqbalmt

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی" ——میرا نے کہا —— "میں تمہیں اکیلا نہیں جانے دوں گی"۔

"جذباتی نہ بنو میرا!" ——اسحاق نے کہا —— "وہاں تمہارا کوئی کام نہیں۔ میں دو تین دنوں بعد واپس آجاؤں گا"۔

"مجھے ساتھ نہیں لے جانا تو تم بھی نہ جاؤ" ——میرا نے روتے ہوئے کہا —— "میں جذباتی بات نہیں کر رہی۔ میرا دل خوف کی گرفت میں آگیا ہے" ——اس نے اسحاق کے گلے میں باہیں ڈال کر رندھی ہوئی آواز میں کہا —— "نہ جاؤ اسحاق! جانا ہے تو مجھے بھی ساتھ لے چلو"۔

اسحاق کو اُس نے اتنا مجبور کر دیا کہ اسحاق نے اُسے کہا کہ وہ رَبّی کے پاس جائے اگر رَبّی اجازت دے دے تو وہ اسے ساتھ لے جائے گا۔

یہ لڑکی اسحاق کو اس قدر چاہتی تھی کہ اُسی وقت رَبّی کے گھر کی طرف دوڑی اور اسے بھی جا کر کہا کہ وہ اسحاق کے ساتھ جانا چاہتی ہے۔

"اسحاق اپنے فرض کے لئے جا رہا ہے" ——رَبّی نے کہا —— "اور تم محبت کے لئے جا رہی ہو۔ فرض آدمی کو آگے ہی آگے دھکیلتا ہے لیکن محبت پاؤں کی زنجیر بن جایا کرتی ہے..... نہیں میرا! تم ان لڑکوں کے ساتھ نہ جاؤ۔ یہ دو تین دنوں تک واپس آجائیں گے"۔

"مجھے معلوم ہے وہ کیوں جا رہے ہیں" ——میرا نے کہا —— "وہاں انہیں بڑی ضرورت ہو گی۔ اسحاق نے مجھے بتا دیا ہے کہ وہ مہم کیا ہے جس پر وہ جا رہے ہیں"۔

"نادان لڑکی!" ——رَبّی نے کہا —— "یہ کام آدمی کر سکتے ہیں۔ یہ کسی عورت کے کرنے کا کام نہیں"۔

لڑکی ہنس پڑی۔ رَبّی اور زیادہ سنجیدہ ہو گیا۔

"جو کام میں کر سکتی ہوں وہ اسحاق اور آسر نہیں کر سکتے" ——میرا نے کہا —— "دیکھنا یہ ہے کہ وہاں کوئی ہم جیسے انسان ہیں یا یہ کوئی مافوق الفطرت مظاہرہ ہے۔ اگر وہ دو آدمی آگے گئے تو وہ مارے بھی جا سکتے ہیں۔ اگر میں آگے چلی گئی تو وہاں اگر آدمی ہوئے تو ایک خوبصورت اور نوجوان لڑکی کو دیکھ کر اس طرح دوڑے آئیں گے جس طرح پرندہ دانے کو دیکھ کر جال میں آتا ہے۔ پھر ہمارے آدمی انہیں پکڑ لیں گے

دیکھ کر واپس آجائیں گے کہ وہاں جنات یا کوئی آسمانی مخلوق نہیں بلکہ ہم جیسے انسان ہیں"۔

"وہ تمہیں پکڑ لیں گے" ——رَبّی نے کہا —— "کیا تم نہیں جانتی کہ وہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟"

"جانتی ہوں رَبّی!" ——میرا نے کہا —— "کچھ قربانی تو دینی پڑے گی لیکن میں انہیں دھوکہ دے کر وہاں سے نکل آؤں گی۔ میں اس مقصد کو سمجھتی ہوں جس مقصد کے لئے آپ ان دونوں آدمیوں کو بھیج رہے ہیں۔ یہ ہمارا قومی مقصد ہے..... اور محترم رَبّی! جہاں تک جذبات کا تعلق ہے، میں اسحاق کا ساتھ نہیں چھوڑوں گی۔ اگر اس نے مرنا ہے تو میں بھی اس کے ساتھ مروں گی۔ اگر آپ مجھے نہیں جانے دیں گے تو میں اسحاق کو بھی نہیں جانے دوں گی"۔

رَبّی کے بوڑھے چہرے کی لکیریں سکڑنے لگیں۔ وہ گہری سوچ میں کھو گیا تھا۔ میرا اسے چپ چاپ دیکھتی رہی۔ کچھ دیر بعد ربی نے میرا کی طرف دیکھا۔

"ہاں لڑکی!" ——رَبّی نے کہا —— "اگر تم محبت کی بجائے فرض کو ترجیح دیتی ہو تو اسحاق کے ساتھ چلی جاؤ۔ تم ان کی کامیابی کا باعث بن سکتی ہو اور تم انہیں ناکام بھی کر سکتی ہو۔ اگر تم نے عقل سے کام لیا اور ذاتی جذبات کو دبائے رکھا تو تم اس قومی مقصد میں کامیاب لوٹو گی"۔

میرا وہاں سے اٹھ دوڑی اور سیدھی اسحاق تک پہنچی۔

میرا کے باپ کو پتہ چلا تو وہ رَبّی کے ہاں دوڑا گیا۔ رَبّی نے اُسے مطمئن کر دیا۔

○

سورج غروب ہو گیا تھا جب اسحاق، آسر اور میرا گاؤں سے نکلے۔ وہ اکٹھے نہیں نکلے تھے۔ انہیں چوری چھپے نکلنا تھا کیونکہ گاؤں میں مسلمان بھی رہتے تھے جنہیں اس مہم سے بے خبر رکھنا تھا۔ وہ اکیلے اکیلے نکلے تھے اور بہت دور جا کر اکٹھے ہوئے تھے۔ تینوں کے پاس خنجر تھے۔ اسحاق اور آسر کے پاس تلواریں بھی تھیں۔ وہ بہت دُور کا چکر کاٹ کر جا رہے تھے۔

وہ دیکھ رہے تھے کہ لوگ اُس جگہ اکٹھے ہونے شروع ہو گئے تھے جہاں سے شاہ بلوط کا درخت نظر آتا تھا۔ جس کم اونچی پہاڑی پر وہ درخت تھا، اُس تک وہ سیدھے

Scanned by iqbalmt

تھوڑے سے وقت میں پہنچ سکتے تھے لیکن انہیں اس پہاڑی کے پیچھے جانا تھا۔ وہ اس ہجوم سے دُور ہی دُور رہتے تھے جو اس انتظار میں وہاں جمع ہو گیا تھا کہ آج رات بھی ستارہ چمکے گا یا وہ سفید پوش آدمی روشنی میں نظر آئے گا جو ایک بار نظر آ چکا ہے۔

اسحاق، آسر اور میرا اُس ندی تک پہنچ گئے جو ان کے گاؤں کے قریب سے گزرتی تھی۔ وہاں یہ ندی گہری بھی تھی اور اس کا بہاؤ تیز بھی تھا کیونکہ یہ پہاڑی ندی تھی۔ وہاں کوئی پل نہیں تھا۔ تینوں ندی میں اُتر گئے اور بازو ایک دوسرے میں الجھا لئے۔ پانی یخ تھا اور بہت ہی تیز۔ ان کے پاؤں اٹھنے لگے۔ تینوں نے اپنا ایک ایک بازو ایک دوسرے سے آزاد کر کے تیرنا شروع کر دیا۔ پانی کا بہاؤ اتنا تیز تھا کہ اگلے کنارے کی بجائے پانی انہیں اپنے ساتھ لئے جا رہا تھا اور پانی یخ اتنا کہ ان کے جسم اکڑنے لگے۔ ندی بہت چوڑی تو نہیں تھی لیکن یوں پتہ چلتا تھا جیسے یہ میلوں چوڑی ہو گئی ہو۔

وہ آگے جانے کی بجائے خاصا پیچھے کنارے پر لگے۔ تینوں نے کپڑے اتار دیئے اور انہیں نچوڑا۔ رات کی یخ ہوا نے ان کے جسموں کو لکڑیوں کی طرح اکڑا دیا۔ میرا کو ایسا کوئی خیال نہ آیا کہ وہ دو جوان سال آدمیوں کے سامنے برہنہ ہو گئی ہے۔ تینوں نے نچوڑے ہوئے کپڑے پہن لئے اور اسحاق کے کہنے پر تینوں نے ناچنا کودنا شروع کر دیا تاکہ جسم گرم ہو جائیں۔ میرا آخر عورت تھی۔ قدرتی طور پر اس کا جسم مردوں جیسا سخت جان نہیں تھا اس لئے اُس نے محسوس کیا کہ وہ چل نہیں سکے گی۔ اسحاق اور آسر نے اُسے اپنے درمیان کھڑا کر کے ٹخنوں سے کندھوں تک اُس کے جسم کو دبانا اور ملنا شروع کر دیا اور اس طرح کچھ دیر بعد وہ چلنے کے قابل ہو گئی۔

وہ تینوں ندی کے ساتھ ساتھ چلتے گئے۔ وہ پہاڑی قریب آ گئی تھی جس پر شاہ بلوط کا درخت تھا لیکن یہ اس پہاڑی کا ایک سرا تھا۔ شاہ بلوط کا درخت اس کے دوسرے سرے پر تھا۔ جو سرا ان تینوں کے قریب تھا وہاں یہ پہاڑی ختم ہو جاتی تھی۔ پھر وہاں سے ذرا پیچھے ہٹ کر ایک اور پہاڑی شروع ہوتی تھی۔ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان سے یہ تینوں شاہ بلوط والی پہاڑی کے پیچھے جا سکتے تھے۔

وہ چلتے گئے۔ چونکہ ان کی رفتار تیز تھی اس لئے ان کے جسم گرم ہو گئے اور اکڑن ختم ہو گئی۔ انہیں یہ تو معلوم تھا کہ پہاڑی کے پیچھے جانا ہے لیکن اس علاقے میں وہ پہلے کبھی نہیں آئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ جس طرح دُور سے یہ خطّہ سر سبز اور خوبصورت

نظر آتا ہے اسی طرح سفر کے معاملے میں بھی یہ سہل اور خوبصورت ہو گا، لیکن آگے گئے تو انہیں پتہ چلا کہ اس خطے نے اپنے حسن میں کیسے کیسے خطرے چھپا رکھے ہیں۔

وہ جب دونوں پہاڑیوں کے درمیان پہنچے تو انہیں یوں محسوس کیا کہ وہ کسی اور ہی دنیا میں جا نکلے ہوں۔ ان کے سامنے تین طرف پہاڑیاں دیواروں کی طرح کھڑی تھیں۔ یہ دیواریں کسی پرانے قلعے کی پتھروں کی دیواروں جیسی تھیں۔ اندھیرے کے باوجود نظر آ رہا تھا کہ ان کے درمیان گدلا پانی جمع ہے۔ ایک طرف اس پانی اور دیوار کے درمیان اتنی جگہ خالی تھی کہ دو تین آدمی پہلو بہ پہلو آرام سے گزر سکتے تھے لیکن کچھ دُور آگے پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ راستہ آگے جاتا ہے یا پانی میں ہی کہیں ختم ہو جاتا ہے۔ یہ خوفناک سی جگہ تھی۔ صرف یہی ایک راستہ تھا جو پہاڑی کے پیچھے جاتا تھا۔ پہاڑی کے اوپر سے تو وہ جا ہی نہیں سکتے تھے کیونکہ اوپر جا کر وہ نظر آ سکتے تھے۔

وہ اس راستے پر اس طرح چلے کہ میرا ان کے پیچھے تھی۔ ذرا ہی آگے گئے ہوں گے کہ انہیں اپنے پیچھے پانی میں ہلچل سی محسوس ہوئی۔ انہوں نے اس کی طرف دھیان نہ دیا۔ اچانک میرا کی چیخ بلند ہوئی۔ اسحاق اور آسر نے پیچھے دیکھا۔ میرا گر پڑی تھی اور چیخ چلا رہی تھی۔ انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ ایک مگرمچھ کا سر اور اگلی ٹانگیں پانی سے باہر ہیں اور میرا کا پاؤں ٹخنے تک مگرمچھ کے منہ میں ہے۔ مگرمچھ میرا کو پانی میں گھسیٹ رہا تھا۔

قدرت نے مگرمچھ کے دانت نوکیلے اور ایسے تیکھے نہیں بنائے کہ وہ انسان یا جانور کے گوشت میں اُتر جائیں۔ اُس کے دانتوں کے نیچے والے سرے گول ہوتے ہیں جو شکار کو صرف پکڑتے ہیں اور اوپر نیچے کے دانت بڑا مضبوط شکنجہ بن جاتے ہیں۔

اسحاق اور آسر نے صرف ایک بار مگرمچھ دیکھا تھا۔ وہ دونوں اُس وقت کم سن لڑکے ہوا کرتے تھے۔ دو آدمی ان کے گاؤں کے قریب سے گزرتے وہاں رک گئے تھے۔ انہوں نے ایک مرا ہوا مگرمچھ گھوڑے پر ڈال رکھا تھا۔ اسحاق اور آسر نے دیکھا تھا اور ان دونوں آدمیوں نے بتایا بھی تھا کہ مگرمچھ کے سر اور پیٹھ پر تیر برچھی اثر کرتی ہے نہ تلوار۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اس کا پیٹ اتنا نازک ہوتا ہے کہ ایک خنجر بھی پیٹ میں اتر جاتا ہے۔ اس کا دوسرا نازک حصہ اس کا منہ ہے۔ اگر اس کے کھلے ہوئے منہ کے اندر برچھی ماری جائے تو مگرمچھ مرتا تو نہیں زخمی ہو کر بھاگ جاتا ہے یا اس کی آنکھوں میں برچھی یا تلوار ماری جائے تو بھی یہ بھاگ جاتا ہے۔

مگرمچھ میرا کو پانی میں گھسیٹ رہا تھا۔ اسحاق نے بڑی تیزی سے تلوار نکالی۔ اندھیرا تو تھا لیکن پانی کی چمک میں مگرمچھ کا ہیولا نظر آ رہا تھا۔ اسحاق نے مگرمچھ کی آنکھ کا اندازہ کر کے تلوار کا زوردار وار کیا۔ آمر نے یہ دلیری کر دکھائی کہ پانی میں اتر گیا جو اُس کے گھٹنوں تک گہرا تھا۔ اُس نے مگرمچھ کے قریب جا کر نیچے سے تلوار برچھی کی طرح مگرمچھ کے پیٹ میں اتار دی۔

یہ دونوں وار ایسے ٹھکانے پر پڑے کہ مگرمچھ کے منہ سے بڑی خوفناک آواز نکلی اور وہ میرا کا پاؤں چھوڑ تڑپتا پھڑپھڑاتا ہوا پانی میں ڈبکی لگا گیا۔ میرا بڑی تیزی سے اٹھی۔ اسحاق اور آمر نے اسے ہاتھوں پر اٹھا لیا اور دوڑ پڑے۔ آگے انہیں راستہ ملتا گیا۔ پانی میں بڑی زور کی ہلچل ہو رہی تھی یہ یقیناً زخمی مگرمچھ تھا جو تڑپ رہا تھا۔ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے مگرمچھ بھی ڈر کر اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ رہے تھے۔

یہ راستہ کچھ دُور تک چلا گیا۔ پانی پیچھے رہ گیا تھا۔ پانی سے کچھ دُور جا کر وہ رکے اور میرا کے پاؤں کا جائزہ لینے لگے۔ جس جگہ مگرمچھ نے اس کا ٹخنہ پکڑا تھا' وہاں ہاتھ پھیرا تو صاف پتہ چلتا تھا کہ خون بہہ رہا ہے۔ اگر مگرمچھ کے دانت درندوں کی طرح نوکیلے ہوتے تو میرا کی ہڈی بھی کٹ جاتی اور اُس کا پاؤں مگرمچھ کے ساتھ ہی چلا جاتا۔ چونکہ اس لڑکی کا پاؤں مگرمچھ کے جبڑوں کے شکنجے میں آیا تھا اور لڑکی زور لگا کر اپنا پاؤں کھینچ رہی تھی اور مگرمچھ اسے پانی میں کھینچ رہا تھا اس لئے لڑکی کے ٹخنے سے تھوڑی سی کھال اُتر گئی تھی اور ہڈی پر اچھی خاصی ضرب لگی تھی۔

اسحاق نے اپنے سر پر ڈالا ہوا کپڑا اتارا اور کس کر میرا کے ٹخنے پر باندھ دیا۔ میرا کے لئے درد ناقابلِ برداشت ہو رہا تھا اور وہ چلنے میں دشواری محسوس کر رہی تھی۔

"میری ایک بات غور سے سنو" — میرا نے کہا — "یہ اچھا شگون نہیں۔ میرا دل کہتا ہے کہ یہیں سے واپس چلے چلو"۔

"ہوش ٹھکانے رکھو میرا!" — اسحاق نے کہا — "یہاں تک آ کر ہم واپس نہیں جائیں گے"۔

"ربی اور فادر ہمیں بزدل کہیں گے" — آمر نے کہا — "وہ کہیں گے کہ ... جھوٹ بول رہے ہیں۔ بہتر تو یہ ہے کہ تم یہیں کہیں چھپ کر بیٹھ جاؤ اور ہم اپنا کام کر کے واپس آئیں اور تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے"۔

"نہیں!" — میرا نے خوفزدہ آواز میں کہا — "میں یہاں اکیلی نہیں رہوں گی۔ میں کہہ رہی ہوں واپس چلو۔ میں اتنا زیادہ کبھی بھی نہیں ڈری تھی"۔

"تمہیں مگرمچھ نے ڈرا دیا ہے" — اسحاق نے کہا — "یہ خوف دل سے اتار دو"۔

"میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں!" — میرا نے کہا — "میرے دل پر کوئی خوف نہیں۔ اگر ہم ویسے گھومنے پھرنے آئے ہوتے اور مگرمچھ مجھے یوں پکڑ لیتا تو میں اتنا نہ ڈرتی۔ میں یہ کہہ رہی ہوں کہ یہ شگون اچھا نہیں۔ مگرمچھ نے کسی غیبی طاقت کے اشارے پر مجھے پکڑ لیا تھا۔ یہ تمہارے لئے اشارہ ہے کہ یہیں سے واپس چلے چلو ورنہ آگے موت ہے"۔

"اسحاق بھائی!" — آمر نے کہا — "وقت ضائع نہ کرو۔ اگر تم اس لڑکی کی باتوں میں آ گئے تو ہم اپنا کام کس طرح کریں گے۔ ربی اور فادر کو کیا جواب دیں گے؟ تم جانتے ہو کہ انہیں ہم دونوں پر کتنا بھروسہ ہے"۔

"میری بات سنو میرا!" — اسحاق نے کہا — "تم نے ربی کے ساتھ جو باتیں کی تھیں وہ نہ بھولو۔ تم نے کہا تھا کہ تم ہماری مدد کرو گی۔ تم نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر یہاں کوئی آدمی ہوئے تو تم انہیں اپنے حسن و جوانی کے جال میں لے لو گی۔ تمہاری ان باتوں سے متاثر ہو کر ربی نے تمہیں ہمارے ساتھ آنے کی اجازت دی تھی۔ ربی نے تمہیں کہا تھا کہ تم ہمارے پاؤں کی زنجیر بن جاؤ گی۔ تم وہی کام کر رہی ہو جس کا ربی نے خدشہ پہلے ہی دیکھ لیا تھا۔ ہم تو اب اپنا فرض ادا کر کے ہی جائیں گے"۔

"مجھے صاف نظر آ رہا ہے اسحاق!" — میرا نے کہا — "تم یہاں سے زندہ واپس نہیں جاؤ گے"۔

اسحاق اور آمر جھنجلا اٹھے۔ اسحاق نے میرا کا بازو پکڑا اور اسے اٹھا کر کہا کہ وہ اس کے ساتھ چلے۔

میرا اُن کے ساتھ چل پڑی۔ وہ چلنے میں دشواری اور درد محسوس کر رہی تھی۔ اس کی وجہ سے اسحاق اور آمر کی رفتار بھی سست ہو گئی تھی۔ وہ اب [illegible]

Scanned by iqbalmt

میں وہ اوپر سے کسی کو نظر نہیں آ سکتے تھے۔ اس پہاڑی کے اوپر جو کچھ بھی تھا' اسے دیکھنے کے لئے پچھلی پہاڑی پر جانا ضروری تھا۔ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان کم و بیش ساٹھ قدم فاصلہ تھا۔ نیچے میدان تھا جس میں اونچی گھاس تھی اور درخت بھی تھے۔ پیچھے والی پہاڑی ایسی نہیں تھی کہ اس کی صرف ڈھلوان ہوتی۔ یہ پہاڑی اونچی نیچی چٹانوں کا جھرمٹ تھی جن پر چڑھنا ذرا دشوار تھا۔

تھوڑا اور آگے گئے تو انہیں دونوں پہاڑیوں کے درمیان روشنی سی نظر آئی جو سامنے والی پہاڑی پر کہیں اوپر تھی۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ کسی نے آگ جلا رکھی ہے۔ وہ جوں جوں آگے بڑھتے گئے، روشنی زیادہ ہوتی گئی اور اس کے ساتھ ہی انہیں کسی کی باتوں کی آواز سنائی دینے لگی۔ کچھ آدمی بہت دور باتیں کر رہے تھے۔

اسحاق اور آسر نے آپس میں مشورہ کیا اور اس فیصلے پر پہنچے کہ وہیں سے پچھلی پہاڑی پر چڑھ جائیں کیونکہ پیچھے بلندی پر جا کر ہی پتہ چل سکتا تھا کہ یہ آگ کہاں جل رہی ہے اور باتیں کرنے والے کہاں ہیں۔ وہ کچھ اور آگے جا کر پچھلی پہاڑی پر چڑھنے لگے۔ وہ پہاڑی کچھ عجیب سی تھی۔ کہیں ننگی اور سیدھی کھڑی چٹان آجاتی تھی اور کہیں دوسری پہاڑیوں کی طرح سبزہ زار اور درخت آجاتے تھے۔ ایسی ایک چٹان پر چڑھتے چڑھتے اسحاق کا پاؤں پھسل گیا اور وہ چٹان سے گر کر نیچے والی چٹان پر جا پڑا اور وہاں سے لڑھکتا ہوا نیچے جا رکا۔

میرا اس کے پیچھے اُترنے لگی لیکن آسر نے اُس کا بازو پکڑ لیا۔

"نہیں زہرا!" — آسر نے کہا — "تم بھی پھسل کر گر وگی۔ وہ تو مرد ہے' برداشت کر لے گا۔ تم پہلے ہی زخمی ہو"۔

اسحاق اتنا اُسے چوٹ تو آئی تھی لیکن وہ چوٹ سے بے نیاز پہاڑی پر چڑھنے لگا اور اپنے ساتھیوں سے جا ملا۔ میرا نے ایک بار پھر اپنے اسی وہم کا اظہار کیا کہ یہ دوسرا شگون ہے اور یہ کسی آسمانی مخلوق کے اشارے ہیں کہ واپس چلے جاؤ اور ان کے مظاہر میں دخل نہ دو..... اسحاق نے جیسے اُس کی بات سنی ہی نہ ہو۔ وہ اس طرح پہاڑی کے اوپر اوپر چل پڑا جیسے اُس نے آسمانی مخلوق کا چیلنج قبول کر لیا ہو۔ اُس کے چلنے کے انداز میں قہر اور عتاب تھا۔

اُدھر پہاڑی سے کچھ دور لوگوں کا ہجوم اس امید پر پہاڑی کی طرف دیکھ رہا تھا کہ آج پھر شاہ بلوط میں ستارہ چمکے گا یا وہ سفید پوش نظر آئے گا جو ایک بار نظر آ چکا ہے۔ تین چار دن نہ ستارہ چمکا تھا نہ سفید پوش نے جلوہ دکھایا تھا۔ یہ خبر اس علاقے میں دور دور تک پھیل گئی تھی اس لئے تماشائیوں کا ہجوم بہت ہی زیادہ ہو گیا تھا۔

اُس رات لوگوں کی مراد بر آئی۔ پہلے نقارہ بجا۔ اس کی آواز آہستہ آہستہ مدھم ہوتے ہوتے رات کی تاریکی میں تحلیل ہو گئی' پھر ایک سے زیادہ شہنائیوں کی ایسی لَے ابھری جس میں سحر انگیز سوز تھا۔ ہجوم کا شور و غل ایسے سکوت میں دم توڑ گیا جیسے وہاں کوئی ذی روح' کوئی جاندار زندہ ہی نہ ہو۔ زمین و آسمان پر' پیڑ پودوں اور پہاڑیوں پر جیسے وجد طاری ہو گیا ہو۔

لوگوں کو اندھیرے میں شاہ بلوط کیا نظر آتا' وہ پہاڑ بھی نظر نہیں آ رہا تھا جس پر وہ درخت کھڑا تھا۔ لوگ نغمے میں محو تھے کہ کئی آوازیں اٹھیں — "وہ چمکا" — اور اس کے ساتھ ہی لوگوں نے کلمۂ طیبہ کا ورد شروع کر دیا۔ ایک گونج تھی جس میں وجد آفریں تاثر' محویت اور تقدس تھا۔ اس کے ساتھ رات کی تاریکی میں ہوا کی لہروں پر شہنائیوں کی تیرتی ہوئی لے ایسا سماں باندھ رہی تھی جس کا تعلق اس دنیا سے معلوم نہیں ہوتا تھا۔

ستارہ بجھ گیا اور پھر پہلے کی طرح ایک روشنی چھتری نما شاہ بلوط پر چلنے لگی' پھر یہ ایک مقام پر رک گئی اور نیچے آنے لگی۔ جیسا پہلے ایک رات ہوا تھا' روشنی نیچے آئی تو سفید پوش کا سر' کندھے اور سینہ نظر آیا۔ اُس کے بازو کچھ باہر کو اور کچھ آگے کو یوں پھیلے ہوئے تھے جیسے دعا مانگ رہا ہو۔ روشنی آہستہ آہستہ نیچے گئی اور سفید پوش کے پاؤں تک چلی گئی۔

ہجوم میں جو چند ایک سبز پوش تھے' انہوں نے کہنا شروع کر دیا — "سجدے میں چلے جاؤ..... ہمارا نجات دہندہ زمین پر اُتر آیا ہے"۔

کچھ لوگ تو پہلے ہی سجدے میں چلے گئے تھے۔ باقی بھی سجدہ ریز ہو گئے۔

لوگ سجدے سے اٹھے اور انہوں نے سامنے دیکھا۔ وہاں نہ ستارہ تھا نہ سفید پوش۔

"خدا کے ایلچی کا ظہور ہو گیا ہے" — پہاڑ کی طرف سے ایک بڑی ہی بلند آواز ہجوم تک پہنچی — "وہ دو چار دنوں میں تمہارے سامنے آجائے گا..... خدا کا پیغام لائے

Scanned by iqbalmt

گا..... خدا کا شکر ادا کرو لوگو!"

اُس وقت جب ستارہ ابھی نہیں چمکا تھا' اسحاق' آسر اور میرا پچھلی پہاڑی پر اتنا آگے چلے گئے تھے کہ انہیں شاہ بلوط والی پہاڑی کی پچھلی ڈھلان پر ایک خاصا کشادہ غار دکھائی دیا۔ اس کے اندر لکڑیوں کے ایک بہت بڑے ڈھیر کو آگ لگی ہوئی تھی۔ اس کے شعلے غار کی چھت تک پہنچ رہے تھے۔ اس آگ کی روشنی چونکہ پیچھے والی ڈھلان میں تھی اس لئے اس کی روشنی پہاڑی کی اُس جانب نہیں جا سکتی تھی جس جانب لوگوں کا ہجوم ستارہ دیکھنے کے لئے اکٹھا ہو گیا تھا۔

اسحاق اور اس کے ساتھیوں نے وہاں پانچ چھ آدمی گھومتے پھرتے دیکھے۔ ایک آدمی تھوڑے تھوڑے وقفے سے آگ میں لکڑیاں پھینک رہا تھا۔ غار سے کچھ دور تقریباً" ایک گز لمبی اور اسی قدر چوڑی کسی دھات کی ایک چادر سی رکھی ہوئی تھی۔ کبھی تو شک ہوتا تھا کہ یہ آئینہ ہے اور کبھی یوں لگتا جیسے یہ کسی ایسی دھات کا چادر نما ٹکڑا ہے جو آئینے کی طرح چمکتا ہے یا اس پر چاندی کا پانی چڑھایا گیا ہے یا ابرق جیسی چمکنے والی کوئی چیز چپکائی گئی ہے۔

اسحاق وغیرہ دو درختوں کے تنوں کے پیچھے کھڑے دیکھ رہے تھے۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ انہیں ہر آدمی اور ہر چیز اچھی طرح نظر آ رہی تھی۔

سامنے والی پہاڑی کی پچھلی ڈھلان پر شاہ بلوط کے درخت کے قریب وہ چمکتی چادر پڑی تھی۔ دو آدمیوں نے آ کر یہ چادر اٹھائی اور اِدھر اُدھر سے پکڑ کر ایسے زاویے پر کر لیا کہ اس کی چمک سیدھی پچھلی پہاڑی پر اُن دو درختوں پر پڑی جہاں اسحاق وغیرہ چھپے دیکھ رہے تھے۔ چمک فلڈ لائٹ جیسی تھی۔ اتنی تیز کہ ان تینوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ وہ فوراً" تنوں کے پیچھے ہو گئے۔

یہ چادر رکھ دی گئی۔ ایک آدمی نہ جانے کہاں سے سامنے آیا۔ وہ سر سے پاؤں تک سفید لبادے میں ملبوس تھا۔

"چلو بھائی آ جاؤ" — سفید پوش نے کہا — "اوپر کون جائے گا!"

ایک آدمی آگے آیا۔ اُس نے ایک جگہ سے ایک چیز اٹھائی یہ یقیناً" آئینہ تھا جس کی لمبائی تقریباً" ایک فٹ اور چوڑائی اس سے کچھ کم تھی۔ اُس نے پہلے تو یہ اپنے

سامنے کر کے یوں دیکھا جس طرح آئینہ دیکھا جاتا ہے' پھر اُس نے اسے آگ کی طرف کر کے اِدھر اُدھر ہلایا۔ اس کی چمک پہاڑی کی ڈھلان پر اسی طرح دکھائی دی جس طرح آئینہ سورج کے آگے رکھو تو سامنے کی اشیاء پر اس کی چمک دکھائی دیتی ہے۔

یہ آدمی آئینہ اٹھائے ہوئے پہاڑی پر شاہ بلوط کی طرف چڑھ گیا۔ اب وہ اندھیرے میں تھا۔ غار کی آگ کی روشنی اُس تک نہیں پہنچتی تھی۔ اسحاق اور اس کے ساتھیوں کا صرف اندازہ تھا کہ یہ آدمی درخت پر چڑھ گیا ہے۔ کچھ دیر بعد انہیں درخت کے اندر چمک دکھائی دی جو فوراً" ختم ہو گئی۔

"جانتے ہو درخت میں کیا ہو رہا ہے؟" — اسحاق نے آسر سے پوچھا۔

"تمہارے زبّی کا شک غلط نہیں نکلا" — آسر نے کہا — "میں بتا سکتا ہوں اوپر کیا ہو رہا ہے۔ اس آگ کی چمک اس آئینے پر پڑ رہی ہے جو وہ آدمی اوپر لے گیا ہے اور آئینے کی چمک اُن لوگوں کو دکھائی دے رہی ہے جو پہاڑی کے اُس طرف ہجوم کی صورت میں موجود ہیں"۔

"دیکھو آگ کتنی زیادہ ہے" — اسحاق نے کہا — "اگر اتنی آگ پہاڑی کی چوٹی پر جلائی جائے تو یہ سارا علاقہ روشن ہو جائے..... اب تصور میں لاؤ کہ شاہ بلوط کی شاخوں میں تم نے ستارہ چمکتا دیکھا ہے..... سمجھنا کوئی مشکل نہیں..... یہ سب انسان ہیں"۔

"لیکن یہ ہیں کون؟" — میرا نے پوچھا — "یہ کیسے معلوم کرو گے؟"

"ہم تین ہیں" — اسحاق نے کہا — "بلکہ ہم دو ہیں۔ میرا کو شامل نہ کرو۔ وہ پانچ چھ ہیں۔ ہم ان پر حملہ نہیں کر سکتے۔ اگر ہمارے ساتھ دو تین آدمی اور ہوتے تو کسی اور طرف سے اس پہاڑی پر جا کر ان میں سے ایک دو کو زندہ پکڑ لیتے"۔

"ٹھہرو اسحاق!" — آسر نے کہا — "وہ آدمی درخت سے اتر آیا ہے..... وہ دیکھو ..... سفید پوش اوپر جا رہا ہے"۔

"میں بتاتا ہوں اب کیا ہو گا" — اسحاق نے کہا — "یہ سفید لبادے والا آدمی درخت کے نیچے جا کھڑا ہو گا اور اس پر چمکتی ہوئی دھات کی چادر کی روشنی ڈالی جائے گی۔ لوگ سمجھیں گے کہ کسی پیغمبر کا ظہور ہوا ہے"۔

ایسے ہی ہوا۔ وہ آدمی درخت کے نیچے چلا گیا۔ اُدھر وہ چادر آگ کے سامنے ایسے زاویے پر رکھی گئی کہ اس کی چمک اس آدمی پر پڑنے لگی۔ پہلے اس روشنی کو

Scanned by iqbalmt

درخت پر گھمایا گیا پھر اسے اُس آدمی پر مرکوز کر دیا گیا۔ اُدھر ہجوم نے کلمۂ طیبہ کا بلند ورد شروع کیا تو اس کی گونج ان پہاڑیوں تک سنائی دینے لگی۔

کچھ دیر بعد یہ پلیٹ یا چادر رکھ دی گئی اور ایک آدمی انتہائی بلند آواز سے اعلان کرنے لگا:

"خدا کے ایلچی کا ظہور ہو گیا ہے"۔

"وہ دو چار دنوں میں تمہارے سامنے آجائے گا"۔

"خدا کا پیغام لائے گا"۔

خدا کا شکر ادا کرو لوگو"۔

○

پھر وہ سفید پوش واپس آ گیا۔

"ہم نے یہ تو دیکھ لیا ہے کہ یہ ہماری طرح انسان ہیں" ––– اسحاق نے کہا ––– "ہم ربی اور فادر کو بتائیں گے۔ معلوم نہیں وہ کیا کریں گے۔ میں انہیں مشورہ دوں گا کہ جس طرح ہم تینوں یہاں تک پہنچ گئے ہیں اسی طرح کل شام بیس پچیس آدمی سامنے والی پہاڑی کے ایک طرف چھپ کر بیٹھ جائیں اور ان سب کو موقعہ پر پکڑ لیں پھر لوگوں کو رات کو ہی اس پہاڑی پر لے آئیں اور انہیں دکھائیں کہ یہ شیطان لوگ کس طرح انہیں گمراہ کر رہے تھے..... مجھے یقین ہے یہ مسلمان ہیں"۔

اسحاق یہ بات کر ہی رہا تھا کہ میرا کی دلدوز اور بڑی ہی بلند چیخ سنائی دی۔ اسحاق اور آمر نے گھبرا کر ادھر دیکھا۔ غار میں جلتی ہوئی آگ کی روشنی ان تک پہنچ رہی تھی۔ اس روشنی میں انہوں نے دیکھا کہ جس درخت کی اوٹ میں میرا چھپی ہوئی تھی اس کے تنے پر ایک خاصا لمبا سانپ نیچے کو آ رہا تھا۔ میرا کا شاید ہاتھ سانپ کو لگ گیا۔ سانپ نے اُسے بازو پر کاٹا تھا۔

اسحاق نے بڑی تیزی سے تلوار نکالی اور سانپ کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ میرا اپنے بازو پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی۔ اُس کے منہ سے عجیب سی چیخیں نکل رہی تھیں۔ اسحاق اور آمر اس کے پاس بیٹھ گئے اور دیکھنے لگے کہ سانپ نے کہاں کاٹا ہے۔ سانپ کی دہشت نے اور میرا کی بگڑتی ہوئی حالت نے ان کے ہوش و حواس اس حد تک گم کر دیئے کہ انہوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ سامنے والی پہاڑی پر سفید پوش اور اُس کے ساتھی ان کی

طرف دیکھ رہے ہیں اور انہوں نے ان تینوں کو دیکھ لیا ہے۔ میرا کی چیخ اتنی بلند تھی کہ سامنے والی پہاڑی کے لوگوں نے سن لی تھی اور انہوں نے چونک کر اس طرف دیکھا تھا۔

سانپ کا زہر میرا کے جسم میں سرایت کر رہا تھا۔ وہ تڑپنے لگی۔ تکلیف کی شدت سے اٹھی اور چکرا کر گری اور ایسی گری کہ اوپر سے لڑھکتی ہوئی نیچے جا پڑی۔ اسحاق اور آمر یہ فراموش کر کے کہ وہ کہاں ہیں' اس کے پیچھے بڑی تیزی سے پہاڑی سے اُترے۔ میرا تڑپ رہی تھی۔ اُس کے چہرے کا رنگ گہرا نیلا بلکہ سیاہ ہوتا جا رہا تھا اور وہ بُری طرح تڑپ رہی تھی۔ اسحاق اور آمر اس پر قابو پانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"اسے اٹھاؤ اسحاق!" ––– آمر نے کہا ––– "کچھ تم اٹھاؤ کچھ میں اٹھاتا ہوں اور یہاں سے نکلتے ہیں"۔

"یہ تو راستے میں مر جائے گی" ––– اسحاق نے کہا ––– "مر گئی تو اسے مگرمچھوں والے پانی میں پھینک جائیں گے"۔

وہ دونوں میرا کو اٹھانے ہی لگے تھے کہ انہیں قدموں کی آہٹیں سنائی دیں۔ انہوں نے بدک کر پیچھے دیکھا تو ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ سات آٹھ آدمیوں کے نرغے میں آ گئے تھے۔ ان میں سفید پوش بھی تھا۔ ان میں سے کسی کے پاس تلوار تھی اور کسی کے پاس برچھی۔ سفید پوش نے آگے بڑھ کر ان دونوں کی نیاموں میں سے تلواریں نکال لیں۔ ان میں سے ایک اور آدمی آگے بڑھا اور اس نے ان کے کمربندوں میں اڑسے ہوئے خنجر بھی لے لئے۔

میرا کا تڑپنا خاصا کم ہو گیا تھا۔ اسے مرنا تھا۔ وہ ہوش میں نہیں تھی۔ غار کی آگ کی روشنی نیچے تک آ رہی تھی۔

"انہیں اوپر لے چلو" ––– سفید پوش نے کہا اور اسحاق اور آمر سے کہنے لگا ––– "اس لڑکی کو یہیں پڑا رہنے دو۔ یہ چند لمحوں کی مہمان ہے۔ میں نے دیکھ لیا ہے کہ اسے سانپ نے ڈسا ہے۔ اس جگہ کے سانپ جسے ڈس لیں اسے زندہ نہیں رہنے دیا کرتے۔ یہ جوان تھی اس لئے ابھی تک اس کا جسم ذرا ذرا حرکت کر رہا ہے"۔

"کیا تم لوگ ہمیں رہا نہیں کر دیتے؟" ––– اسحاق نے التجا کے لہجے میں کہا۔

"اگر ہم اتنے احمق ہوتے تو اتنی زیادہ مخلوقِ خدا سے یہ نہ منوا سکتے کہ شاد بلوط کے

Scanned by iqbalmt

تھے ایک نبی کا ظہور ہو رہا ہے"۔۔۔ سفید پوش نے کہا۔۔۔ "جن کے پاس ہمارا اتنا نازک راز ہے انہیں ہم رہا نہیں کر سکتے"۔

"ہم دونوں آپ کے ساتھ ہو جائیں گے"۔۔۔ آسر نے کہا۔۔۔ "اور آپ جو بھی کام بتائیں گے کریں گے"۔

"تم کون ہو؟"۔۔۔ سفید پوش نے اسحاق سے پوچھا۔۔۔ "تمہارا مذہب کیا ہے؟ سچ سچ بتا دو تو شاید ہم تم پر رحم کر دیں"

"میرا نام اسحاق ہے"۔۔۔ اسحاق نے جواب دیا۔۔۔ "اور میں یہودی ہوں"۔

"میرا نام آسر ہے"۔۔۔ آسر نے کہا۔۔۔ "اور میں عیسائی ہوں"۔

"یہاں کیوں آئے تھے؟"۔۔۔ سفید پوش نے پوچھا اور کہا۔۔۔ "مجھے یہ نہ بتانا کہ تم دونوں اس لڑکی کو ساتھ لے کر یہاں سیر اور تفریح کے لئے آئے تھے۔ یہاں تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ ایک طرف مگرمچھوں نے راستہ بند کر رکھا ہے اور دوسری طرف ایک دلدل ہے جس میں سے کوئی گزر نہیں سکتا"۔

اسحاق نے اسے بالکل سچ بتا دیا کہ وہ دونوں یہاں کیوں آئے تھے اور یہ لڑکی کس طرح ساتھ چل پڑی تھی۔

"تمہارے ربی اور پادری کو ہم ایک سبق دیں گے"۔۔۔ سفید پوش نے کہا۔۔۔ "اب یہودیوں کا جادو نہیں چل سکتا۔ اب حسن بن صباح کا جادو چلے گا"۔

اسحاق اور آسر کو اوپر لے گئے۔ وہ اب بھی منت سماجت کر رہے تھے کہ انہیں چھوڑ دیا جائے۔ انہیں باتوں باتوں میں آگ کے قریب لے گئے۔ تپش اتنی زیادہ تھی کہ وہاں کھڑا نہیں رہا جا سکتا تھا۔ مشکیزوں والے آدمی آگ پر پانی پھینکنے لگے تھے کیونکہ اب آگ کی ضرورت نہیں تھی۔ سفید پوش نے اشارہ کر کے انہیں پیچھے ہٹا دیا پھر اس نے دوسرے آدمیوں کو ایسا اشارہ دیا کہ دو تین نے اسحاق کو اور دو تین نے آسر کو پکڑ لیا اور انہیں دھکیلتے گھسیٹتے ہوئے آگ کے قریب لے گئے۔ دونوں نے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ انہیں آگ میں دھکیلا جا رہا ہے۔ سفید پوش کے آدمیوں نے دونوں کو اتنی زور سے دھکے دیئے کہ وہ آگ میں جا پڑے۔ آگ اس قدر زیادہ تھی کہ وہ اس میں گرے اور پھر ان کی آواز بھی نہ نکلی۔

جب وہ جل کر کوئلہ ہو گئے تو سفید پوش نے مشکیزوں والوں سے کہا کہ اب آگ

پر پانی پھینک دو۔ اس رات کا ناٹک ختم ہو چکا تھا اس لئے اب آگ کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

○

اگلے روز شاہ در میں احمد بن عطاش اپنے خاص کمرے میں بڑی بے تابی سے حسن بن صباح کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے دو بار اپنا آدمی اُسے بلانے کے لئے بھیجا تھا اور دونوں بار وہ یہ جواب لے کر آیا تھا کہ حسن رات بہت دیر سے آیا تھا اس لئے بڑی گہری نیند سویا ہوا ہے۔

وہ سفید پوش جو شاہ بلوط کے نیچے لوگوں کو نظر آیا تھا وہ حسن بن صباح ہی تھا۔ رات اسحاق اور آسر کی وجہ سے حسن کو وہاں زیادہ وقت رہنا پڑا تھا اس لئے صبح وہ دیر سے اٹھا۔ وہ جگہ شاہ در سے خاصی دور تھی۔ شاہ در سے وہاں تک یہ لوگ اونٹوں پر جاتے اور صبح طلوع ہونے سے پہلے واپس آ جاتے تھے۔ اونٹوں پر آنے جانے کی وجہ یہ تھی کہ اس کے قدموں کی آہٹ نہیں ہوتی۔ رات کے سناٹے میں گھوڑے کے ٹاپ دور دور تک سنائی دیتے ہیں اس لئے پتہ چل جاتا ہے کہ فلاں جگہ سے ایک یا ایک سے زیادہ گھوڑ سوار گزرے تھے۔

سورج سر پر آ گیا تھا جب حسن بن صباح کی آنکھ کھلی اور وہ بڑی تیزی سے غسل وغیرہ کر کے احمد بن عطاش کے ہاں جا پہنچا۔

"آؤ حسن!"۔۔۔ احمد بن عطاش نے کہا۔۔۔ "مجھے تمہارے ساتھی بتا چکے ہیں کہ رات ایک یہودی اور ایک عیسائی نے نبی کے ظہور کا راز اپنی آنکھوں دیکھ لیا تھا..... تم نے اچھا کیا کہ دونوں کو آگ میں پھینک دیا"۔

"ان کی ساتھی لڑکی کو تو سانپ نے پہلے ہی ختم کر دیا تھا"۔۔۔ حسن بن صباح نے کہا۔۔۔ "ان دونوں آدمیوں میں جو عیسائی تھا اُس نے مجھے بتایا تھا کہ اس لڑکی کو پہلے ایک مگرمچھ نے پاؤں سے پکڑ لیا تھا اور ان دونوں نے تلواروں سے مگرمچھ کو زخمی کر کے لڑکی کو مگرمچھ کے منہ سے نکال لیا تھا"۔

"یہ اُس سحر کا اثر تھا جو میں نے تمہارے ہاتھوں کروایا تھا"۔۔۔ احمد بن عطاش نے کہا۔۔۔ "میں نے اس سحر میں یہ اثر پیدا کیا تھا کہ تمہارے راز تک پہنچنے والے خیریت سے نہ پہنچ سکیں اور اگر پہنچ جائیں تو تمہیں ان کی موجودگی کا اشارہ مل جائے۔ ہمارا جادو

Scanned by iqbalmt

کامیاب رہا"۔

"محترم استاد!" ۔۔۔ حسن بن صباح نے کہا ۔۔۔ "میں نے اس ربّی اور پادری کا پتا معلوم کر لیا ہے جنہوں نے ان دونوں آدمیوں کو بھیجا تھا۔ انہیں ہمیشہ کے لئے غائب کر دیا جائے تو بہتر ہے' ورنہ ان کا خطرہ موجود رہے گا کہ یہ کسی اور طرح ہمارا راز پا لیں گے۔ ہمیں یہ اطمینان ہوا ہے کہ یہ جاسوس سلجوقیوں کے نہیں تھے"۔

"ہاں حسن!" ۔۔۔ احمد بن عطاش نے کہا ۔۔۔ "ہمارا منصوبہ ایسا ہے کہ کسی سے ذرا سے بھی خطرے کا صرف شک ہی ہو' اسے بالکل ہی غائب کر دینا ضروری ہے۔ تمہارے پاس آدمی ہیں۔ انہیں استعمال کرو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم ان دونوں کو کس طرح غائب کرتے ہو"۔

"یہ میں کر کے بتاؤں گا کہ میں نے یہ کام کس طرح کیا ہے" ۔۔۔ حسن بن صباح نے ہنستے ہوئے کہا ۔۔۔ "آپ کی شاگردی میں مجھے اتنی سوجھ بوجھ مل گئی ہے کہ میں اس گاؤں کے بچوں سے بوڑھوں تک کو ایسا لاپتہ کر سکتا ہوں جیسے کبھی وہ دنیا میں آئے ہی نہیں تھے"۔

"اب میری ایک دو باتیں غور سے سنو" ۔۔۔ احمد بن عطاش نے کہا ۔۔۔ "ہمارا یہ طریقہ سو فیصد سے کچھ زیادہ کامیاب رہا ہے۔ اب تم نے ان لوگوں کے سامنے آنا ہے۔ یہ ہزاروں لوگ تمہارے مرید ہو چکے ہیں۔ اب ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اگلے دو قلعے بھی ہمارے ہیں۔ یہ تمہیں میں بتاؤں گا کہ تم لوگوں کے سامنے کس طرح آؤ گے۔ دوسری بات یہ ذہن میں رکھ لو کہ سحر اور جادو پر بھروسہ نہیں رکھنا۔ بھروسہ اپنی عقل اور فہم و فراست پر کرنا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ طلسم سامری کو توڑنے والا اب کوئی موسیٰ نہیں رہا اور نہ ہی کوئی موسیٰ آئے گا لیکن یہ یاد رکھ لو کہ سحر اور جادو ہر قسم کے حالات میں تمہاری مدد نہیں کر سکے گا۔ اپنی عقل کا جادو چلاؤ۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو میں تمہیں بعد میں بھی سمجھاؤں گا......

"تم نے دیکھ لیا ہے کہ میری اس بات میں کتنی حقیقت ہے کہ لوگوں کو تم نیکی کا سبق دو گے تو وہ تمہارے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو ہم سے پہلی قوموں نے اپنے پیغمبروں کے ساتھ کیا تھا۔ لوگوں کو اپنا مرید بنانے کا طریقہ یہی ہے کہ بڑے پُراسرار طریقے استعمال کرو جو مافوق الفطرت نظر آئیں اور جن میں ایسا تاثر ہو

یوں بلا سوچے سمجھے تمہاری اسراریت سے متاثر ہو کر سجدہ ریز ہو جائیں۔ تم نے دیکھ لیا ہے ہزاروں لوگوں نے تمہارے آگے سجدہ کیا ہے...... میں پیغمبر نہیں حسن! لیکن میں آنے والے وقت کے متعلق پیشین گوئی کر سکتا ہوں کہ لوگ جادوگروں اور ساحروں کے پاس جایا کریں گے اور ان سے اپنی مشکلات حل کروائیں گے اور سحر کے ذریعے ایک دوسرے کو نقصان پہنچائیں گے اور کچھ لوگ لوگوں کو ساحری کا دھوکہ دے کر لوٹیں گے۔ آج کے لوگوں کی یہ کمزوری ان کی نسلوں در نسلوں تک جائے گی..... یہ باتیں بعد میں ہوں گی۔ تم اس یہودی ربّی اور عیسائی پادری کا بندوبست کرو"۔

دو ہی دن گزرے' سورج غروب ہونے کے بعد دو اجنبی اس یہودی ربّی کے ہاں گئے جس نے اسحاق کو بھیجا تھا۔ انہوں نے نہایت پُراثر انداز میں ربّی کو بتایا کہ اسحاق اور آبرہام کے دو آدمی اور میرا نام کی ایک لڑکی وہ راز معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں جس کے لئے انہیں بھیجا گیا تھا لیکن ایک جگہ پھنس گئے ہیں۔ جہاں وہ پھنسے ہیں وہاں کے سرکردہ آدمی اپنے ہی ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ جب تک ربّی اور پادری خود نہیں آئیں گے' وہ ان تینوں کو نہیں چھوڑیں گے۔ وہ لوگ ہماری پوری مدد کریں گے لیکن ربّی اور پادری کا وہاں تک جانا ضروری ہے۔

ان دو آدمیوں نے زبان کے ایسے جادو چلائے کہ ربّی اور پادری اُن کے ساتھ چل پڑے۔ ان دو آدمیوں نے انہیں اپنے گھوڑوں پر سوار کر لیا تھا اور خود پیدل چل رہے تھے۔

وہ ایک اور راستے سے دو پہاڑیوں کے درمیان سے اُس جگہ پہنچے جہاں پانی جمع تھا اور ایک مگرمچھ نے میرا کا پاؤں پکڑ کر اسے پانی میں گھسیٹا تھا۔ اُس رات بھی ہزارہا لوگوں کا ہجوم شاہ بلوط والی پہاڑی سے کچھ دور اس امید پر بیٹھا تھا کہ ستارہ چمکے گا اور پیغمبر کا ظہور ہو گا لیکن اُس رات حسن بن صباح نے یہ ناٹک نہیں دکھانا تھا۔

پانی کے قریب جا کر ان دونوں آدمیوں نے ربّی اور پادری کو یہ کہہ کر گھوڑوں سے اتارا کہ گھوڑے پانی پی لیں۔ جونہی یہ دونوں مذہبی پیشوا گھوڑوں سے اُترے ان دونوں آدمیوں میں سے ایک نے پادری کو اور دوسرے نے ربّی کو اتنی زور سے دھکا دیا کہ وہ پانی میں جا پڑے۔ دونوں بوڑھے تھے۔ دونوں آدمیوں نے دیکھ لیا کہ وہ پانی میں خاصا دور جا پڑے تھے۔

Scanned by iqbalmt

پانی میں ... ست ٹوٹ پڑی۔ تین چار مگرمچھ بڑی تیزی سے آئے اور ربی اور پادری کو جبڑوں میں جکڑ کر اس قدرتی تالاب کی تہہ میں لے گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں ان دونوں کے جسموں کے ٹکڑے مگرمچھوں کے پیٹ میں جا چکے تھے اور وہ دونوں اجنبی گھوڑوں پر سوار شاہ در کے راستے پر جا رہے تھے۔

اس خطے کے لوگ ابلیسیت کے جال میں آ گئے تھے۔

یہودیوں کا ربی اور عیسائیوں کا پادری جس بستی کے رہنے والے تھے اُس بستی میں ہر کسی کی زبان پر یہی سوال تھے:

"ربی کہاں گیا؟"

"فادر کہاں گیا؟"

"اسحاق اور آسر کہاں گئے؟"

"میرا کہاں گئی؟"

چند گھروں کی یہ بستی تھی۔ ربی اور پادری تو مذہبی پیشوا تھے کوئی نہایت معمولی سا فرد بستی سے تھوڑی سی دیر کے لئے غیر حاضر ہوتا تو ساری بستی اُس کی غیر حاضری کو محسوس کر لیتی تھی۔ ربی اور فادر کا لاپتہ ہو جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اسحاق، آسر اور میرا بھی اس بستی کے اہم نوجوان تھے۔ لوگ ان کے متعلق کچھ پریشان ہونے لگے۔

ایک صبح ایک مجذوب سا آدمی جس نے سبز چغہ پہن رکھا تھا اور سر پر سبز پگڑی لپیٹی ہوئی تھی، بستی میں داخل ہُوا۔ وہ "حق ہُو، حق ہُو" کے دھماکہ خیز نعرے لگا رہا تھا۔ اُس کی داڑھی بڑی لمبی تھی سر کے بال بھی اتنے لمبے کہ شانوں سے نیچے چلے گئے تھے اور اس کی آنکھیں گوشت کی طرح سرخ تھیں۔ وہ بستی کے وسط میں جا کر رک گیا۔ پہلے بچے اُس کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے پھر دوسرے لوگ بھی اس کے قریب آنے لگے۔

"کچھ نہیں رہے گا" ـــ اُس نے دایاں ہاتھ آسمان کی طرف کر کے کہا ـــ "سب گم ہو جائیں گے ..... کچھ نہیں رہے گا ..... نام و نشان مٹ جائے گا ..... مانو اُسے جو روشنی دکھاتا ہے ..... حق ہُو، حق ہُو"

وہ توہم پرستی اور ذہنی پسماندگی کا زمانہ تھا۔ داستان گو نے پہلے سنایا ہے کہ لوگ ہر اُس چیز کے پیچھے دوڑ پڑتے تھے جو اسراریت کے سیاہ پردوں میں ڈھکی ہوئی ہوتی تھی، اور لوگ اُسے مانتے تھے جس کی زبان میں چاشنی اور کشش ہوتی تھی۔ مانا اُسے جاتا تھا جو الفاظ اور اداکاری کا ماہر ہوتا تھا۔ اس مجذوب کے الفاظ اور اُس کا انداز ایسا تھا کہ ساری بستی اُس کے ارد گرد اکٹھی ہو گئی۔ وہ اور زیادہ اونچی آواز میں نعرے لگانے لگا۔ ایک بوڑھا آدمی آگے بڑھا۔

"کیا تو بتائے گا نہیں کہ اس کا مطلب کیا ہے؟" ـــ بوڑھے نے اُس سے پوچھا۔

"جو مطلب نہیں سمجھے گا وہ نہیں رہے گا" ـــ مجذوب نے کہا ـــ "سمجھو.....

Scanned by iqbalmt

لوگو! سمجھو"۔

"کیا تو ہمارے پاس بیٹھے گا نہیں؟" —— بوڑھے نے پوچھا۔

"ہم سمجھنا چاہتے ہیں" —— ایک اور بولا۔

"بیٹھ جا" —— بوڑھے نے کہا —— "ہمیں اپنی کچھ خدمت کرنے دے"۔

مجذوب وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا کہ سب بیٹھ جائیں۔ سب اُس کے سامنے بیٹھ گئے۔

"حق ہُو' حق ہُو" —— مجذوب نے آسمان کی طرف منہ کر کے ہُوک لگانے کے انداز سے نعرے لگائے اور بولا —— "جو نہیں ماننے وہ گم ہو گئے"۔

"تو کس کی کہہ رہا ہے کہ وہ گم ہو گئے؟" —— بوڑھے نے پوچھا۔

"اس بستی کے باپ گم ہو گئے ہیں" —— مجذوب نے کہا —— "بچے بھی گم ہو گئے ہیں"۔

"کیا تو ہمارے پادری کی بات کرتا ہے؟" —— ایک عیسائی نے پوچھا۔

مجذوب چپ چاپ آسمان کی طرف دیکھتا رہا۔

"کیا تُو ہمارے رَبّی کی بات کرتا ہے؟" —— ایک یہودی نے پوچھا۔

مجذوب پھر بھی چپ رہا۔

"کیا تیرا اشارہ میرے بیٹے اسحاق کی طرف ہے؟" —— ایک آدمی نے پوچھا۔

مجذوب کچھ بھی نہ بولا۔

"کیا تُو میرے بیٹے آسر کی بات کر رہا ہے؟" —— ایک اور آدمی نے پوچھا۔

"میری بیٹی میرا بھی تو لاپتہ ہے" —— پیچھے کھڑی ایک عورت بولی۔

"ان سب کی بات ایک ہے" —— مجذوب بولا —— "وہ نہیں مانتے تھے..... اور وہ جو تمہارے مذہبی باپ تھے' وہ بھی نہیں مانتے تھے..... سب گم ہو گئے ہیں"۔

"کیا نہیں مانتے تھے؟" —— بوڑھے نے پوچھا۔

"اُسے نہیں مانتے تھے جو روشنی میں سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ اُس روشنی کو بھی نہیں مانتے تھے جو خدا اپنے بندوں کو دکھاتا ہے"۔

وہ یک لخت اٹھ کھڑا ہوا اور پھر "حق ہُو' حق ہُو" کے دھماکہ نما نعرے لگاتا ایک طرف چل پڑا۔

"وہ آ رہا ہے" —— وہ کہتا جا رہا تھا —— "وہ اُتر رہا ہے۔ جو نہیں مانے گا وہ گم ہو جائے گا"۔

لوگ کچھ دور تک اُس کے پیچھے گئے۔ وہ چلتا گیا۔ آگے ایک گھاٹی آ گئی جو ندی میں اترتی تھی۔ مجذوب گھاٹی اتر کر ندی میں چلا گیا اور پانی میں یوں چلتا گیا جیسے میدان میں جا رہا ہو۔ درمیان میں پہنچا تو پانی اس کے سینے تک گہرا ہو گیا پھر بھی وہ اس طرح چلتا گیا جیسے میدان میں چل رہا ہو۔ لوگ اوپر کھڑے اسے دیکھتے رہے اور وہ ندی پار کر کے چلا گیا۔ اپنے پیچھے وہ ایک دہشت اور تذبذب کی کیفیت چھوڑ گیا۔

وہ جب نظروں سے اوجھل ہو گیا تو لوگ واپس ہونے لگے۔ اُن پر خاموشی طاری تھی۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ بات کرنے سے ڈر رہے تھے۔ اگر ان کے دونوں مذہبی پیشوا موجود ہوتے تو وہ ان سے پوچھتے کہ یہ سب کیا ہے لیکن مذہبی پیشوا ہی تو لاپتہ ہو گئے تھے۔

"ربّی اور فادر کہتے تھے کہ یہ جو روشنی نظر آتی ہے یہ سب ایک پُراسرار ڈھونگ ہے" —— بستی میں آ کر بوڑھے نے کہا —— "میں تو کہتا ہوں کہ انہیں اسی کی سزا ملی ہے"۔

"میں راز کی ایک بات بتاتا ہوں" —— ایک جواں سال آدمی بولا —— "اسحاق میرا گہرا دوست تھا۔ اُس نے مجھے کہا تھا کہ میں کسی کو نہ بتاؤں۔ اُسے اور آسر کو ربّی اور فادر نے کہا تھا کہ وہ اس پہاڑی کے پیچھے جائیں جس پر یہ روشنی اور پھر روشنی میں ایک سفید پوش نظر آتا ہے۔ میرا بھی ان کے ساتھ گئی تھی"۔

"اس پہاڑی کے پیچھے؟" —— ایک اور معمر آدمی نے کہا —— "کیا کبھی کسی سے سنا ہے کہ کوئی اس پہاڑی کے پیچھے گیا ہے۔ کبھی کوئی گیا ہے تو اُسے کسی نے واپس آتا نہیں دیکھا وہ موت کی وادی ہے۔ وہاں خونخوار اور آدم خور مگرمچھ ہیں' وہاں ایسے زہریلے سانپ ہیں کہ ڈستے ہیں تو پلک جھپکتے آدمی مر جاتا ہے۔ زمین پر سانپ' درختوں پر سانپ' پانی میں سانپ' وہاں تو کوئی جنگلی جانور اور کوئی درندہ بھی نہیں جاتا"۔

"اب بات سمجھ میں آتی ہے" —— دوسرے بوڑھے نے کہا —— "اگر روشنی انسان دکھاتے ہیں اور روشنی میں ظاہر ہونے والا سفید پوش بھی انسان ہے تو وہ اس پہاڑی پر جاتے کدھر سے ہیں؟..... نہیں..... وہ انسان نہیں ہو سکتے"۔

Scanned by iqbalmt

"میں مانتا ہوں" ــــ ایک اور آدمی بولا ــــ "وہ انسان نہیں ہو سکتے۔ کیا تم نے سنا نہیں کہ جس سانپ کی عمر ایک سو سال ہو جاتی ہے وہ انسان کے روپ میں آجاتا ہے؟... میں کہتا ہوں یہ انسانوں کے روپ میں سانپ ہیں' اور روشنی میں وہ جو سفید پوش نظر آتا ہے وہ شیش ناگ ہو گا"۔

کچھ لوگوں نے اس آدمی کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا جن میں تائید تھی اور خوف بھی۔

"لوگ کہتے ہیں یہ ایک اور نبی ہے" ــــ معمر آدمی نے کہا ــــ "اُسے صرف ہم ہی نہیں دیکھ رہے' یہ ہزارہا لوگ اتنی دُور دُور سے آکر اسے دیکھ رہے ہیں۔ وہ ظاہر ہوتا ہے تو سب سجدے میں چلے جاتے ہیں۔ تم نے وہاں درویش صورت انسان دیکھے ہوں گے' وہ بھی سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ یہ سمجھ لو کہ یہ کوئی نیا عقیدہ یا نیا پیغام آرہا ہے۔ اس کی کوئی مخالفت نہ کرے ورنہ پوری بستی کو نقصان ہو گا"۔

○

یہ کیفیت صرف اس بستی میں ہی پیدا نہیں ہوئی تھی کہ لوگ خوفزدہ بھی تھے اور "آنے والے" کے منتظر بھی۔ اس علاقے میں جتنی بستیاں تھیں' ان سب میں یہی کیفیت تھی۔ یہ مجذوب جو اس بستی میں گیا تھا' کئی اور بستیوں میں گیا اور اپنے مخصوص مجذوبانہ انداز میں یہ خبر سناتا گیا کہ ایک عیسائی اور ایک یہودی مذہبی پیشوا نے روشنی والے کے خلاف بات کی تھی اور دونوں کو آسمان کی غیر مرئی مخلوق اٹھا کر لے گئی ہے۔

اور ایک روز "وہ" زمین پر اُتر آیا۔

داستان گو پہلے سنا چکا ہے کہ جس پہاڑی پر شاہ بلوط کا درخت تھا' اس کے سامنے وسیع و عریض میدان میں جو سرسبز تھا اور جہاں درختوں کی بہتات تھی' خیموں کی ایک بستی آباد ہو گئی تھی۔ یہ قبیلوں کے سرکردہ افراد اور سرداروں کے خیمے تھے۔ ہزاروں لوگ کھلے آسمان کے نیچے وہاں موجود رہتے تھے۔

ایک صبح لوگ جاگے تو انہوں نے دیکھا کہ پہاڑی کے دامن میں جو ٹیکری تھی' اس پر پلنگ کی طرح کا ایک تخت رکھا تھا۔ اس کے پائے رنگین اور خوشنما تھے۔ اس پر بڑا قیمتی قالین بچھا ہوا تھا۔ ٹیکری ہری بھری تھی۔ تخت کے دائیں' بائیں اور پیچھے درخت تھے۔ ان درختوں کے ساتھ پھولدار بیلیں باندھ کر خوشنما چھت بنا دی گئی تھی۔

لوگوں نے دیکھا تو وہ آہستہ آہستہ اُس طرف چل پڑے۔ وہاں ابھی کوئی آدمی نظر نہیں آرہا تھا۔ لوگ جب قریب پہنچے تو ٹیکری پر ایک آدمی نمودار ہوا۔ وہ عقب سے اوپر چڑھتا آرہا تھا۔ اُس کے ایک ہاتھ میں برچھی اور دوسرے ہاتھ میں سبز جھنڈا تھا۔ اُس کا لباس شاہی چوبداروں جیسا تھا۔ تخت کے ایک طرف سے گذرتا وہ تخت سے آگے آکر لوگوں کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ اُس نے جھنڈا ٹیکری پر گاڑ دیا۔

"وہ جو مسجودِ برحق ہے' آرہا ہے" ــــ چوبدار نے بڑی ہی بلند آواز میں اعلان کیا۔

"خوش نصیب ہو تم کہ وہ تمہارے سامنے آرہا ہے۔ وہ آئے تو سجدے میں چلے جاؤ"۔

لوگوں پر سناٹا طاری ہو گیا۔

"قبیلوں کے سردار آگے آجاؤ" ــــ چوبدار نے اعلان کیا ــــ "سرکردہ آدمی سب سے آگے آکر بیٹھ جاؤ"۔

لوگوں میں سے کئی ایک آدمی آگے چلے گئے اور بیٹھ گئے۔ ان کے لباس اور رنگ ڈھنگ بتا رہے تھے کہ وہ سرکردہ افراد ہیں۔

ہوا کچھ تیز چل رہی تھی۔ ٹیکری پر چھ آدمی نمودار ہوئے۔ ان کے لباس معمولی سے تھے۔ وہ ملازم لگتے تھے۔ ہر ایک نے ایک ایک دیگچہ نما برتن اٹھا رکھا تھا۔ وہ ٹیکری از آئے اور ہجوم کے اُس پہلو کو چلے گئے جدھر سے ہوا آرہی تھی۔ انہوں نے یہ برتن تھوڑے تھوڑے فاصلے پر رکھ دیئے۔ یہ لوگوں سے دور رکھے گئے تھے۔ پھر ان میں آگ لگا دی گئی لیکن شعلہ کسی میں سے بھی نہ نکلا۔ ہر برتن میں سے ہلکا ہلکا دھواں اٹھنے لگا۔ ہوا کا رخ لوگوں کی طرف تھا اس لئے یہ دھواں ہجوم میں سے گذرنے لگا۔

وہ آدمی وہیں کھڑا رہے۔

"خدا کی رحمتیں نازل ہو رہی ہیں" ــــ ٹیکری سے چوبدار کی آواز آئی۔

لوگوں نے ایسی خوشبو محسوس کرنی شروع کر دی جو انہوں نے پہلے کبھی نہیں سونگھی تھی۔ پُرکیف اور روح پرور خوشبو تھی۔ یہ اُس دھوئیں کی خوشبو تھی جو برتنوں سے اٹھ رہا تھا۔

نقارہ بجنے لگا اور اس کے ساتھ تین چار شہنائیوں کی لَے اُبھری۔ یہ صحرائی نغمے کی لَے تھی جس میں وجد طاری کر دینے والا سوز تھا۔ تخت کے عقب سے ایک آدمی

Scanned by iqbalmt

بکھرنے لگا جو ایک شاہانہ کرسی پر بیٹھا تھا۔ کرسی اس آدمی کو اٹھائے اوپر ہی اوپر اٹھتی آئی پھر چار آدمیوں کے سر ابھرے اور فوراً ہی یہ چاروں آدمی پورے اوپر آ گئے۔ کرسی بڑی تھی اور چوڑی تھی۔ ان چار آدمیوں نے کرسی کو اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔ چاروں آدمی عربی لباس میں ملبوس تھے اور جو کرسی پر بیٹھا تھا' لباس اُس کا بھی عربی تھا لیکن کپڑا ریشمی اور چمکدار تھا۔

"سجدہ!" — ایک آواز گرجی — "سجدہ!"

وہاں جتنے لوگ تھے' سب سجدہ ریز ہو گئے۔

چار آدمیوں نے بڑے آرام سے کرسی تخت پر رکھ دی جس پر قالین بچھا ہوا تھا۔ کرسی پر جو بیٹھا ہوا تھا' وہ بادشاہ لگتا تھا۔ داڑھی سلیقے سے تراشی ہوئی تھی۔ اُس کے چہرے کا رنگ سفیدی مائل گندمی تھا۔ نقش و نگار میں مردانہ حسن' آنکھوں میں ایسی چمک اور ایسا تاثر کہ کوئی بڑی مضبوط شخصیت والا ہی ان آنکھوں کا سامنا کر سکتا تھا۔ زیرِ لب تبسم چہرے کی جاذبیت میں اضافہ کرتا تھا۔

اس نے سجدہ ریز ہجوم پر نگاہ دوڑائی۔ اس کا زیرِ لب تبسم مسکراہٹ کی صورت کھل گیا۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ لوگ سجدے سے اٹھیں۔

"اللہ اکبر!" — ایک آواز گرجی۔

ہجوم نے سجدے سے سر اٹھائے۔ ہجوم میں عیسائی بھی' یہودی بھی اور مسلمان بھی تھے اور چند ایک بے دین بھی تھے۔ اللہ اکبر کا مطلب یہ تھا کہ یہ جو شاہانہ مسند پر بیٹھا ہے' مسلمان ہے پھر بھی سب لوگ اسے دیکھنے اور اسے سننے کو بیتاب ہوئے جا رہے تھے۔ اسلام کے سب سے بڑے دشمن یہودی تھے لیکن اللہ اکبر کی صدا پر ان کے دلوں میں تعصب نے سر نہیں اٹھایا تھا۔

لوگ اپنے آپ میں ایک پُرلطف سی تبدیلی محسوس کر رہے تھے۔ اُن کے دلوں سے خوف نکل گیا تھا۔ وہ ہلکے پھلکے ہو گئے تھے۔ اُن کے دلوں میں پیار اور محبت کی لہریں اٹھنے لگی تھیں۔

○

وہ جو شاہانہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا وہ حسن بن صباح تھا۔ وہ اٹھا اور اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے۔

"میں تم میں سے ہوں" — اُس نے کہا — "میری روح اُس نور سے پیدا ہوئی ہے جو تم شاہ بلوط کے درخت میں دیکھتے رہے ہو..... میں تم میں سے ہوں..... مجھے خدا نے اپنا ایلچی منتخب کیا ہے۔ میں تمہارے لئے خدا کا پیغام لے کر آیا ہوں لیکن ابھی پورا پیغام سنانے کا وقت نہیں آیا۔ ابھی اتنی سی بات بتاؤں گا کہ خدا کا منشا ہے کہ اُس کی زمین پر اُس کے بندوں کی حکومت ہو۔ جس طرح خدا نے فرعونوں کا خاتمہ کر دیا تھا اسی طرح خدا بادشاہوں کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے۔ اللہ کی رضا اب اس میں ہے کہ کھیتی کا پورا حق اُسے ملے جو اس میں ہل چلاتا اور بیج پھینکتا ہے..... خدا نے مجھے اپنی رضا کی تکمیل کے لئے تمہارے درمیان اتارا ہے..... کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے جیسے بندوں کی غلامی سے آزاد ہو جاؤ؟"

"ہاں..... ہاں!" — ہجوم سے بے شمار آوازیں اٹھیں — "ہم آزاد ہونا چاہتے ہیں"۔

"لیکن یہ کام آسان نہیں" — حسن بن صباح نے کہا — "تمہیں متحد ہو کر میرے پیچھے چلنا پڑے گا"۔

"ہم تمہارے پیچھے چلیں گے" — ہجوم سے پُرجوش آوازیں اٹھیں۔

"یاد رکھو" — حسن بن صباح نے کہا — "تم یہ وعدہ میرے ساتھ نہیں' اُس خدا کے ساتھ کر رہے ہو جس نے مجھے ایلچی بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے۔ تم وعدے سے پھر گئے تو تم پر خدا کا عذاب نازل ہو گا۔ اگر تم نے خدا سے وعدہ نبھایا تو تم دنیا میں جنت دیکھ لو گے"۔

"ہم خدا کو ناراض نہیں کریں گے" — ہجوم میں سے آوازیں اٹھیں۔

یہ حسن بن صباح کی رُونمائی تھی۔ اس روپ میں وہ پہلی بار لوگوں کے سامنے آیا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ اتنا بڑا ہجوم اُس کا ہمنوا ہو گیا ہے تو اُس نے نہایت پُراثر الفاظ میں وعظ شروع کر دیا۔ مؤرخوں کا بیان ہے کہ حسن بن صباح کی اس تقریر میں زبان کا جادو اور خطابت کا کمال تھا' علم و فضل کا نام و نشان نہ تھا۔ وہ لوگوں کے دلوں کی بات کر رہا تھا۔

لوگوں کو اُس کے اندازِ خطابت نے تو متاثر کرنا ہی تھا کیونکہ اس فن میں اُس نے کمال حاصل کیا تھا' لوگوں کے ذہنوں کو اُس نے اس دھوئیں کے ذریعے بھی اپنے قابو

Scanned by iqbalmt

میں کر لیا تھا جو دیگچہ نما برتنوں سے اٹھ رہا تھا۔ یہ ایک یا ایک سے زیادہ جڑی بُوٹیوں کی دُھونی تھی جن کے اثرات ویسے ہی تھے جیسے آج کل مسکّن (ٹرانکو لائزر) گولیوں کے ہوتے ہیں۔ حسن بن صباح نے آگے چل کر قلعہ الموت میں جو جنت بنائی تھی اُس میں ان جڑی بُوٹیوں کا بے دریغ استعمال ہُوا تھا۔

بعض مؤرخوں نے یہی لکھا ہے کہ اُس نے ہجوم پر اس دُھونی کا نشہ طاری کر دیا تھا لیکن دو مؤرخوں نے لکھا ہے کہ وہاں پانی کے بہت سے مٹکے رکھ دیئے گئے تھے جن میں تھوڑا سا سرور پیدا کرنے والی دوائی ملا دی گئی تھی اور لوگوں سے کہا گیا تھا کہ اس پانی میں آبِ کوثر ملا ہُوا ہے' سب یہ پانی پئیں۔ لوگوں پر اس پانی نے ایسا نشہ طاری کر دیا تھا کہ ان کے ذہن حسن بن صباح کے ایک ایک لفظ کو دل و جان سے قبول کرتے جا رہے تھے۔

البتہ تاریخوں میں یہ واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ حسن بن صباح نے قبیلوں اور بستیوں کے سرکردہ افراد اور سرداروں کو پہلے ہی الگ کر لیا تھا۔ اُس نے لوگوں کے ہجوم کو وہاں سے چلتا کیا اور سرداروں وغیرہ کو اوپر ٹیکری پر بلا لیا۔ ٹیکری کے اوپر جگہ اتنی سرسبز اور خوشنما تھی جیسے انسانوں نے اپنے بادشاہ کے بیٹھنے کے لئے یہ جگہ بڑی محنت سے تیار کی ہو۔

ان سرکردہ افراد کی تعداد کوئی زیادہ نہیں تھی' بارہ چودہ ہی تھے۔ انہوں نے حسن بن صباح کے سامنے جا کر اس طرح تعظیم دی کہ رکوع کی حالت میں چلے گئے۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی کہ یہ کوئی انسان ہے یا آسمان سے اُتری ہوئی مخلوق ہے یا یہ کوئی فریب کار ہی تو نہیں۔ یہ سب اس سے مرعوب ہو گئے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جڑی بُوٹیوں کی دھونی کے ذریعے لوگوں کے ذہنوں پر قبضہ کیا گیا تھا لیکن حسن بن صباح کے پاس لوگوں پر چھا جانے کا ایک ذریعہ اور بھی تھا۔ یہ تھا سحر یعنی جادو۔ اس کے استاد اور پیرو مرشد نے اسے سحرکاری کی خصوصی تربیت دی تھی۔ بعض مؤرخوں نے وثوق سے لکھا ہے کہ حسن بن صباح نے لوگوں کے ہجوم پر نظر ڈالی تو تمام کا تمام ہجوم ہپناٹائز ہو گیا تھا۔ سردار وغیرہ اوپر گئے تو وہ بھی ہپناٹائز کر دیئے گئے تھے۔ اسے اجتماعی ہپناٹزم کہا جاتا ہے۔

حسن بن صباح کی ابلیسیّت کی داستان کو بعض لوگ محض افسانہ سمجھتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ انہیں یقین نہیں آتا کہ ایک انسان کی ایسی فریب کاری جو لاکھوں انسانوں کو اپنی زد میں لے لے اور لوگ اسے پیغمبر تسلیم کر لیں' من گھڑت قصہ ہی ہو سکتی ہے۔ یہ بھی صحیح کہ حسن بن صباح اور اس کے گروہ کے بعض کارنامے اور کمالات ایسے ہیں جو قابلِ یقین نہیں لگتے لیکن حسن بن صباح نے جو ذرائع استعمال کئے تھے وہ حیران کن کمالات دکھا سکتے تھے۔ سحرکاری اُس دور میں کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ اتنا ضرور ہے کہ اُس دور میں سحر یا کسی بھی قسم کا جادو ہر کسی کے ہاتھ میں نہیں آ سکتا تھا۔ مثال کے طور پر فرعونوں کے پاس جادوگر موجود تھے۔ یہودیوں نے اس فن میں کمال حاصل کیا لیکن یہ فن ایسا عام اور سہل نہیں تھا کہ ہر کوئی سیکھ لیتا۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حسن بن صباح کے ہاتھ کوئی ایسی جڑی بُوٹی لگ گئی تھی جس کی بُو یا دُھونی انسان کو بڑے دلکش تصورات میں لے جاتی تھی' مثلاً" اس بُوٹی کی بُو کے زیرِ اثر کوئی آدمی کنکریاں اور مٹی کھا رہا ہوتا تو وہ پورے یقین کے ساتھ یہ سمجھتا تھا کہ وہ من و سلویٰ کھا رہا ہے۔ پتھروں پر لیٹ کر اُسے نرم و گداز بستر کا لطف آتا تھا۔

آگے چل کر جب داستان گو آپ کو حسن بن صباح کی جنّت میں لے جائے گا تو آپ دیکھیں گے کہ وہ جنّت کس طرح آباد کی گئی تھی۔ وہ ایک جہنم تھا جسے لوگ جنّت سمجھتے تھے۔

یہ بھی انسانی فطرت کی ایک حقیقت ہے کہ انسانی ذہن نیکی کو سوچ سوچ کر اور خاصا وقت لگا کر قبول کرتا ہے لیکن بدی کی دلکشی کو وہ فوراً" قبول کر لیتا ہے۔ کوئی بھی انسان اپنے آپ میں ابلیسی اوصاف پیدا کرنے شروع کر دے اور ذرا سی بھی اچھائی کو قبول نہ کرے تو تھوڑے سے وقت میں وہ مکمل ابلیس بن جاتا ہے۔ اُس کی زبان میں ایسی چاشنی پیدا ہو جاتی ہے جو پتھروں سے بھی دودھ نکال لیتی ہے۔ ایسا شخص جھوٹ کا سہارا لیتا ہے اور اتنی خوبصورتی سے جھوٹ بولتا ہے کہ لوگ دل و جان سے اُس کے جھوٹ کو سچ مان لیتے ہیں۔ مختصریات یہ ہے کہ انسان انسانیت کے درجے سے دستبردار ہو جائے اور یہ ذہن میں بٹھا لے کہ وہ اشرف المخلوقات نہیں تو وہ شخص شیطانیت کے میدان میں معجزہ کر کے دکھا سکتا ہے۔ جو شخص اپنی ماں بہن' بہو بیٹی کی عزت اور آبرو سے دستبردار ہو جائے وہ حیران کن کارنامے کر کے دکھا سکتا ہے۔

Scanned by iqbalmt

اگر بات حسن بن صباح کی نفسیات کی لے بیٹھیں تو اسی پر ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے لیکن بات سمجھانے کے لئے بہتر یہ ہے کہ واقعات بیان کر دیئے جائیں اور یہ پڑھنے والے پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ سمجھنے کی کوشش کرے کہ یہ سب کیا تھا۔ سمجھنے والی اصل بات یہ ہے کہ حسن بن صباح اور اُس کے استادوں اور اُس کے گروہ کا وجود اور ان کی یہ طلسماتی کارستانیاں اسلام کی سچائی پر بڑا ہی شدید حملہ تھا اور اسلام کے لئے یہ بڑا چیلنج جو صلیبیوں کے چیلنج سے بھی بڑا اور خطرناک تھا۔

صلیبی تو میدان میں آ کر لڑے تھے' انہوں نے زمین دوز کارروائیاں اگر کی تھیں تو وہ اتنی سی تھیں کہ انہوں نے اپنی اور یہودیوں کی انتہائی خوبصورت لڑکیاں جاسوسی اور اخلاقی تخریب کاری کے لئے مسلمان امراء اور سالاروں کے درمیان مسلمان لڑکیوں کے روپ میں چھوڑ دی تھیں۔ اس کے برعکس حسن بن صباح جو اسماعیلی مسلک کا علمبردار تھا' اس لئے خطرناک تھا کہ وہ میدان میں لڑنے والا نہیں تھا۔ اُس کے حربے اتنے حسین تھے جنہیں نہ صرف عام لوگ بلکہ ذمہ دار لوگ بھی قبول کر لیتے تھے۔

○

اب داستان گو کے ساتھ آئیں وہ آپ کو اُس ٹیکری پر لے چلتا ہے جہاں بارہ چودہ سرکردہ افراد حسن بن صباح کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ لوگوں کے ہجوم کو حکم دے دیا گیا تھا کہ وہ بہت دور چلے جائیں۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ یہ سرکردہ افراد مرعوبیت کی کیفیت میں تھے اور ان پر دُھونی کا اور حسن بن صباح کی نظروں کا بھی اثر تھا۔ ان پر مجموعی طور پر ایسی کیفیت طاری تھی جیسے وہ اس لئے سانس لے رہے ہیں کہ حسن بن صباح سانس لے رہا تھا۔ اگر حسن بن صباح کے سانسوں کا سلسلہ رک جاتا تو یہ لوگ بھی اپنی سانسیں روک لیتے۔

"تم ان لوگوں کے سردار ہو" ــــ حسن بن صباح نے کہا ــــ "یہ گھوڑے ہیں اور یہ مویشی ہیں۔ تم جدھر چاہو انہیں ہانک کر لے جا سکتے ہو۔ میں تمہارے لئے اور مخلوقِ خدا کے لئے خوش بختی اور خوش حالی لے کر آیا ہوں۔ آج تک جتنے مذہب آئے ہیں انہوں نے انسانوں کو نظریئے' عقیدے اور پابندیاں دی ہیں لیکن خوش بختی اور خوشحالی کوئی مذہب نہیں دے سکا۔ مذہب صرف اسلام ہے لیکن اسلام بھی تم تک صحیح شکل میں نہیں پہنچا۔ میں تمہیں اس عظیم مذہب کی صحیح شکل دکھاتا ہوں۔ تم نے صرف یہ

کرنا ہے کہ اپنے اپنے قبیلے کو لگام ڈال کر اُس راستے پر چلانا ہے جو راستہ خدا نے مجھے دکھا کر زمین پر اتارا ہے"۔

حسن بن صباح نے اسماعیلی مسلک کی تبلیغ شروع کر دی اور ان سرداروں کو ایسے سبز باغ دکھائے کہ وہ اس کے قائل ہو گئے۔

"اب تمہارے پاس میرے مبلغ آئیں گے" ــــ حسن بن صباح نے کہا ــــ "تمہارا فرض ہے ان مبلغوں کی مدد کرنا اور لوگوں کو اس مسلک پر متحد کرنا..... کیا تم یہ کام کرو گے؟"

"ہاں اے قابلِ احترام ہستی!" ــــ ایک معمر سردار نے کہا ــــ "ہم یہ کام کریں گے"۔

"ہم تمہارے حکم پر جانیں قربان کر دیں گے"۔

"ہمیں آزما کے دیکھ!"

ایسی ہی آوازیں تھیں جو ان بارہ چودہ سرداروں کے سینوں سے پُرجوش طریقے سے نکلیں۔ حسن بن صباح پہلی ہی بار بغیر کسی دِقت کے کامیاب ہو گیا۔ یہ صرف اس علاقے اور چند ایک بستیوں کا معاملہ تھا۔ اگلے ہی روز اُس نے چند ایک مبلغ جنہیں احمد بن غطاش نے پہلے ہی تیار کر رکھا تھا' ان بستیوں میں پھیلا دیئے اور ایک نئے فرقے کی تبلیغ شروع ہو گئی۔

لوگ یہ مطالبہ کرنے لگے کہ حسن بن صباح ان کے علاقے میں آئے' اپنی زیارت کرائے اور انہیں خدا کی باتیں سنائے۔ حسن بن صباح ایک اور علاقے میں اسی شان و شوکت سے جس شان و شوکت سے اس نے پہلی بار زیارت کروائی تھی ایک اور علاقے میں بڑے ہی ڈرامائی اور پُراسرار طریقے سے اپنی زیارت کروائی۔ اُس کی شہرت دُور دُور تک پہنچ گئی تھی۔ لوگوں نے حسبِ عادت اس کے متعلق ایسی ایسی باتیں مشہور کر دیں تھیں جو محض زیبِ داستان تھیں۔

بھولے بھالے لوگوں نے جب بھی دھوکہ کھایا ہے وہ اپنی اسی فطری عادت کی وجہ سے کھایا ہے کہ جس سے متاثر ہوئے اُسے پیغمبری کا درجہ دے دیا اور اُس کی عام سی باتوں کو اس طرح پھیلایا جیسے یہ باتیں ان سے براہِ راست خدا نے کی ہوں۔ لوگ ان کے من گھڑت معجزے بھی بیان کرتے ہیں۔ یہ پسماندگی کے اُس دور میں بھی ہُوا اور یہ

Scanned by iqbalmt

آج بھی ہو رہا ہے جب انسان ترقی کی انتہائی بلندیوں پر پہنچ گیا ہے۔

پاکستان کے پیر اور عامل حسن بن صباح کے پیروکار ہیں۔ اپنے مریدوں اور اپنے سائلوں کو خیالی جنت دکھا کر ان کے مال و دولت اور ان کی عزت و آبرو بھی لوٹ لیتے ہیں۔

○

داستان گو پہلے سنا چکا ہے کہ قلعہ شاہ در پر احمد بن عطاش نے کس طرح قبضہ کیا تھا۔ اب آگے ایک اور قلعہ تھا جس کا نام خلجان تھا۔ اس قلعے کے امیر کا نام صالح نمیری تھا۔ اُس وقت اُس کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ تھی۔ وہ بہت دنوں سے سن رہا تھا کہ اس علاقے میں ایک شخصیت کا ظہور ہُوا ہے۔ شاہ بلوط کے درخت میں چمکنے والے ستارے کے متعلق بھی خبریں صالح نمیری تک پہنچی تھیں۔

یہ ساری باتیں خلجان کے لوگوں تک بھی پہنچی تھیں اور کئی لوگ اس جگہ گئے بھی تھے جہاں ستارہ دیکھنے کے لئے لوگ موجود رہتے تھے۔ حسن بن صباح جب لوگوں کے سامنے آیا تو خلجان کے کچھ لوگ اُس کی زیارت کو آئے تھے۔ وہ بھی وہی مرعوبیت لے کر گئے تھے جو ہر کسی پر طاری ہو گئی تھی۔ انہوں نے خلجان میں جا کر لوگوں کو ایسے دلفریب انداز میں حسن بن صباح کا ظہور اور اس کی باتیں سنائیں کہ لوگ حسن بن صباح کو دیکھنے کے لئے بے تاب ہونے لگے۔ کچھ اور لوگ حسن بن صباح کی زیارت کو چل پڑے۔

صالح نمیری اپنے دوستوں اور مشیروں سے پوچھتا رہتا تھا کہ یہ سب کیا ہے۔ ابتدا میں اُسے یہی بتایا جاتا رہا کہ یہ کوئی ویسا ہی آدمی معلوم ہوتا ہے جیسے پہلے بھی نبی اور ولی بن کر آ چکے ہیں۔ یہ کوئی نیا نبی ہو گا لیکن شہر میں حسن بن صباح کے چرچے زبان زد ہونے لگے کہ یہ آوازیں صالح نمیری کے کانوں تک پہنچیں۔ اُس نے اپنے مشیروں کو بلایا۔

"یہ میں کیا سن رہا ہوں" ــــ صالح نمیری نے کہا ــــ "مجھے اطلاع ملی ہے کہ شہر کے بچے بچے کی زبان پر اس کا نام ہے جو آسمان سے اُترا ہے اور اُس کی روح میں ستاروں کی روشنی ہے"۔

"ہاں آقا!" ــــ ایک مشیر نے کہا ــــ "آپ کو جو خبریں ملی ہیں وہ بالکل ٹھیک

ہیں۔ لوگ اُسے دیکھ بھی آئے ہیں۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ زمین کی نہیں آسمان کی مخلوق ہے"۔

"ایک خبر میں نے بھی سنی ہے" ــــ محفل میں بیٹھے ہوئے ایک اور آدمی نے کہا "میں نے سنا ہے کہ اس کے مبلغ اس سارے علاقے میں پھیل گئے ہیں' اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ اس کے دو تین مبلغ کل یہاں بھی پہنچ رہے ہیں"۔

"خیال رکھو" ــــ صالح نمیری نے حکم کے لہجے میں کہا ــــ "یہ مبلغ آئیں تو انہیں سیدھا میرے پاس لے آؤ۔ شہر کا کوئی شخص ان مبلغوں کو اپنے گھر میں جگہ نہ دے۔ بہتر ہے اعلان کرا دو کہ مبلغ سب سے پہلے والئ قلعہ سے ملے بغیر کسی کے ساتھ بات نہ کریں"۔

"حکم کی تعمیل ہو گی آقا!" ــــ اس آدمی نے کہا ــــ "ہم خود بھی ان مبلغوں کو لوگوں سے دور رکھنا چاہیں گے۔ پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ یہ ہیں کون اور یہ کس عقیدے اور کس مسلک کی تبلیغ کر رہے ہیں"۔

"یہ اسلام کا ہی کوئی اور فرقہ پیدا ہو گیا ہو گا" ــــ صالح نمیری نے کہا ــــ "میں تمہیں سختی سے کہتا ہوں کہ کسی اور فرقے کو سر اٹھانے کی اجازت نہیں ہو گی۔ اسلام چھوٹے چھوٹے فرقوں میں تقسیم ہوتا جا رہا ہے اور سلطنتِ اسلامیہ چھوٹی چھوٹی بادشاہیوں میں تقسیم ہوتی جا رہی ہے۔ مجھے جانتے ہو کہ میں بڑی سختی سے اہلِ سُنّت ہوں۔ مجھے یہ دیکھ کر یہ خوشی ہوتی ہے کہ سلجوقیوں نے اسلام کی گرتی ہوئی عمارت کو سہارا دے دیا ہے۔ ان کی سلطنت میں کوئی شخص سُنّی عقیدے کے خلاف بات بھی نہیں کر سکتا۔ مجھے ایک شک یہ بھی ہے کہ اسماعیلی در پردہ اپنے فرقے کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ یہ ہم سب کا فرض ہے کہ اس تبلیغ کو روکیں"۔

"ہاں آقا!" ــــ مشیر نے کہا ــــ "ہم اسلام کی صداقت اور اسلام کی اصل روح کو قائم رکھنے کے لئے اپنی جان و مال قربان کر دیں گے۔ ہماری کمزوری یہ ہے کہ ہمارے پاس فوج نہیں"۔

"ہم فوج کیسے رکھ سکتے ہیں!" ــــ صالح نمیری نے کہا ــــ "فوج کو کھلائیں گے کہاں سے اور اسے تنخواہ کہاں سے دیں گے...... ہم نے کسی سے لڑنا نہیں۔ اگر ہم پر

Scanned by iqbalmt

حملہ ہو گیا تو سلجوقی ہماری مدد کو پہنچیں گے..... یہ بھی ذہن میں رکھو کہ کسی نئے عقیدے یا باطل نظریئے کو تلواروں اور برچھیوں سے نہیں روکا جا سکتا۔ باطل کی تبلیغ کا جواب حق کی تبلیغ سے ہی دیا جا سکتا ہے۔ اگر بہت سے لوگ سچ بولنے کے عادی ہوں تو ایک جھوٹا آدمی فوراً پکڑا جاتا ہے اور اس کا جھوٹ نہیں چل سکتا..... ان مبلّغوں کو آنے دو اور انہیں سیدھا میرے پاس لے آؤ"۔

○

دوسرے ہی دن صالح نمیری کو اطلاع ملی کہ دو مبلّغ آ گئے ہیں۔ اُس نے انہیں اُسی وقت اندر بلا لیا۔ ان کے ساتھ صالح نمیری کا اپنا ایک اہل کار تھا۔ مبلّغوں کی وضع قطع شریفانہ اور پُروقار تھی۔ چال ڈھال اور بات چیت سے وہ خاصے معزز لگتے تھے۔ صالح نمیری نے انہیں بڑے احترام سے بٹھایا اور ان سے پوچھا کہ وہ کس عقیدے کی تبلیغ کر رہے ہیں۔

"اس کا نام حسن بن صباح ہے" ——ایک مبلّغ نے بتایا —— "وہ اسلام کا علمبردار ہے"۔

"کیا وہ نبوّت کا دعویٰ کرتا ہے؟" ——صالح نمیری نے پوچھا۔

"نہیں!" —— مبلّغ نے جواب دیا —— "وہ اللہ کا ایلچی بن کر آیا ہے۔ وہ پہلے ایک ستارے کی طرح شاہ بلوط کے درخت میں چمکتا رہا پھر آسمان کی ایک روشنی میں اس کا ظہور ہوا اور ایک روز وہ زمین پر اُتر آیا"۔

"میری ایک بات غور سے سن لو" ——صالح نمیری نے کہا—— "جس علاقے میں تم تبلیغ کرتے پھر رہے ہو اور جس علاقے میں تمہارے خدا کے اس ایلچی کا ظہور ہوا ہے اُس علاقے پر میرا کوئی عمل دخل نہیں لیکن ایک اہلِ سُنّت مسلمان کی حیثیت سے میں خدا کے اس ایلچی کا راستہ روکنے کی پوری کوشش کروں گا۔ اس وقت تم دونوں کے لئے میرا حکم یہ ہے کہ اس شہر میں جس طرح داخل ہوئے تھے اسی طرح اس شہر سے نکل جاؤ۔ کبھی کوئی نبی یا خدا کا کوئی ایلچی شاہ بلوط کے درخت کے ذریعے آسمان سے نہیں اُترا۔ نبوّت کا سلسلہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکا ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ یہ حسن بن صباح کوئی درویش، دانش ور یا عالم ہے تو میں آگے بڑھ کر اُس کا استقبال کروں گا"۔

"امیرِ قلعہ!" ——ایک مبلّغ نے کہا—— "اگر آپ صرف ایک بار تھوڑی سی دیر کے لئے اسے مل لیں تو آپ کا شک رفع ہو جائے گا۔ یہ تو ہم کہہ رہے ہیں کہ وہ خدا کا ایلچی ہے۔ ہم اُس کے اس پیغام سے متاثر ہوئے ہیں جو اُس نے ہمیں دیا ہے۔ وہ مسلمان ہے اور اہلِ سُنّت ہے۔ ہو سکتا ہے آپ انہیں ملیں تو آپ کو صحیح اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کوئی دانا عالم ہے یا اس کے دل و دماغ میں کوئی باطل نظریہ ہے"۔

"اور یہ بھی ہو سکتا ہے" ——دوسرا مبلّغ بولا—— "آپ جیسا عالم اور دانش مند امیرِ قلعہ اس کے ساتھ گفتگو کرے تو ہمیں بھی اس کی اصلیت معلوم ہو جائے گی ہو سکتا ہے ہم ہی غلطی پر ہوں اور ویسے ہی اس کی شخصیت سے متاثر ہو گئے ہوں"۔

"کیا وہ یہاں آئے گا؟" ——صالح نمیری نے پوچھا۔

"شاید نہیں!" ——ایک مبلّغ نے جواب دیا—— "ہم ابھی چلے جاتے ہیں اور اُن سے بات کر کے آپ کو بتائیں گے کہ وہ آپ کے پاس آئیں گے یا آپ کو اُن کے پاس جانا پڑے گا..... اگر وہ آپ کو کسی جگہ بلائیں تو کیا آپ وہاں آ جائیں گے؟"

"ہاں!" ——صالح نمیری نے کہا—— "میں آؤں گا"۔

دونوں مبلّغ چلے گئے۔

○

اُن دنوں حسن بن صباح قلعہ شاہ در میں تھا۔ شاہ در میں بھی وہ لوگوں کے سامنے خدا کے ایلچی کے روپ میں آ گیا تھا۔ دونوں مبلّغ ایک دن اور ایک رات کی مسافت طے کر کے شاہ در پہنچے اور حسن بن صباح سے ملے۔ یہ مبلّغ اُس کے اپنے گروہ کے آدمی تھے۔ انہیں خصوصی تربیت دی گئی تھی۔ انہوں نے حسن بن صباح کو خلجان کے امیر قلعہ صالح نمیری کی باتیں سنائیں اور بتایا کہ وہ اسے ملنا چاہتا ہے۔

"میں اُسے ملوں گا" —— حسن بن صباح نے کہا۔

"میں صالح نمیری کو کچھ کچھ جانتا ہوں" ——پاس بیٹھے ہوئے احمد بن عطاش نے کہا۔

اکھڑ سا آدمی ہے اور بڑا پکا اہلِ سُنّت ہے۔ وہ ذرا مشکل سے ہی مانے گا۔

"استادِ محترم!" —— حسن بن صباح نے کہا—— "آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں اس کے اکھڑپن کو توڑ نہیں سکوں گا؟"

"میں تمہاری حوصلہ شکنی نہیں کر رہا حسن!" ——احمد بن عطاش نے کہا—— "میں

Scanned by iqbalmt

یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ شخص ایک پتھر ہے جسے ذرا طریقے سے ہی توڑنا پڑے گا"۔

"آپ نے اچھا کیا کہ مجھے بتا دیا ہے" ــــ حسن بن صباح نے کہا ــــ "مجھے یہ معلوم ہونا چاہئے تھا کہ یہ کس قسم کا آدمی ہے..... ہمیں اس شخص کی نہیں بلکہ اس کے قلعے کی ضرورت ہے۔ مجھے پوری امید ہے کہ میں خلجان کا قلعہ اور یہ پورے کا پورا شہر آپ کی جھولی میں ڈال دوں گا"۔

"اُسے ملو گے کہاں؟" ــــ احمد بن غطاش نے پوچھا

"نہ میں اُسے یہاں ملوں گا نہ اُس کے پاس جاؤں گا" ــــ حسن بن صباح نے کہا

"میں اسے چشمے پر ملوں گا جہاں میں دوسری بار لوگوں سے ملا تھا"۔

وہ علاقہ بہت ہی سرسبز اور روح افزا تھا وہاں ایک چشمہ تھا اور چھوٹی سی ایک جھیل تھی۔ پانی اتنا شفاف کہ تہہ میں پڑی ہوئی کنکریاں بھی نظر آتی تھیں۔ چشمے کے اردگرد تھوڑا سا کھلا میدان تھا جس میں مخمل جیسی قدرتی گھاس تھی۔ چشمے کی نمی کی وجہ سے وہاں پھولدار پودوں کی بہتات تھی۔ بعض پھول بھینی بھینی خوشبو دیتے تھے۔ ذرا پیچھے ہٹ کر چھوٹی چھوٹی ٹیکریاں تھیں جو اونچی نیچی گھاس سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ ان ٹیکریوں پر بڑے خوبصورت درخت تھے۔ بڑے خوشنما درخت چشمے کے اردگرد بھی تھے۔ یہ چھوٹا سا خطہ اس قدر دلنشیں اور عطربیز تھا کہ جاں بلب مریض بھی وہاں جا کر اپنے وجود میں روحانی تازگی محسوس کرتا تھا۔

حسن بن صباح اس جگہ آچکا تھا اور اُسے یہ جگہ بہت ہی اچھی لگی تھی۔ اُس نے احمد بن غطاش سے کہا کہ اُس جگہ وہ بڑے خیمے لگا دے اور کھانا پکانے کا انتظام بھی وہیں کر دے۔ اس نے بتایا کہ خیمے کس ترتیب میں گاڑے جائیں۔

یہ جگہ شاہ در سے کم و بیش تیس میل دُور تھی۔ وہاں سے خلجان بھی کچھ اتنی دُور تھا۔ احمد بن غطاش نے اُسی وقت خیمے اور دیگر ساز و سامان وہاں تک پہنچانے کا انتظام کر دیا۔ تمام سامان اونٹوں پر لاد کر بھیج دیا گیا۔ رات کے وقت حسن بن صباح گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔

وہ اکیلا نہیں گیا تھا۔ اُس کے ساتھ اپنے گروہ کے چند ایک آدمی تھے۔ یہ سب اُس کے بانکے اور چیلے چانٹے تھے۔ انہیں مختلف رول دیئے گئے تھے۔ دو علمائے دین کے

روپ میں تھے۔ دو خاص مرید اور حاشیہ بردار تھے اور باقی ایسے معتقد تھے جو یہ ظاہر کرتے تھے کہ وہ حسن بن صباح کی خدمت میں حاضر رہنے کو اپنی روح کی ضرورت سمجھتے ہیں۔

تین لڑکیاں بھی ساتھ تھیں جن میں ایک فرح تھی۔ یہ وہ لڑکی تھی جو حسن بن صباح کی محبت میں دیوانی ہو گئی تھی۔ محبت بھی ایسی کہ جب حسن بن صباح شاہ در کے لئے روانہ ہوا تھا تو فرح گھر سے بھاگ آئی اور حسن بن صباح کے راستے میں کھڑی ہو گئی تھی۔ اُس نے حسن بن صباح کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ جہاں بھی جا رہا ہے اسے ساتھ لے چلے۔

فرح بہت ہی خوبصورت لڑکی تھی۔ جسمانی اور ذہنی لحاظ سے چست اور تیز تھی۔ احمد بن غطاش نے اسے دیکھا تو اس نے اس کی خصوصی تربیت شروع کر دی تھی۔ حسن بن صباح تو جیسے اسے دیکھ دیکھ کر جیتا تھا۔

چشمے پر پہنچ کر حسن بن صباح نے اپنی پسند اور ضرورت کے مطابق خیمے نصب کرائے۔ یہ عام سی قسم کے خیمے نہیں تھے۔ یہ بڑے سائز کے چوکور خیمے تھے۔ اندر سے یہ خیمے لگتے ہی نہیں تھے' خوشنما' سجے سجائے کمرے لگتے تھے۔ اندر کی طرف ریشمی کپڑے لگائے گئے تھے۔ ان کی بلندی بھی کمروں جیسی تھی۔

حسن بن صباح نے اپنے اور صالح نمیری کے خیموں کے درمیان فاصلہ زیادہ رکھا تھا۔ ان کے درمیان لڑکیوں کا خیمہ اور تین چار خیمے اس کے چیلوں چانٹوں کے تھے۔ ایک ٹیکری کے پیچھے باورچی خانہ بنا دیا گیا تھا۔

حسن بن صباح نے ان ہی دو مبلغوں کو جو پہلے خلجان گئے تھے' صالح نمیری کے نام یہ پیغام دے کر بھیجا کہ وہ تین چار دنوں کے لئے اُس کے ساتھ رہے۔

○

اگلی ہی شام صالح نمیری ان دو مبلغوں کے ساتھ آگیا۔ حسن بن صباح نے آگے جا کر اس کا استقبال کیا اور پورے احترام سے اسے خیموں تک لایا۔ صالح نمیری کے ساتھ اس کے چار محافظ تھے جو اس کے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ صالح نمیری جب چشمے کے قریب پہنچا تو تینوں لڑکیوں نے اس کے آگے پھول پھینکنے شروع کر دیئے جو انہوں نے چھوٹی چھوٹی ٹوکریوں میں اٹھا رکھے تھے۔

"نہیں!" ــــ صالح نمیری نے آگے بڑھ کر لڑکیوں سے کہا ــــ "میں اتنا بڑا آدمی

Scanned by iqbalmt

نہیں ہوں۔ مجھے پھولوں کو روندنے کا گناہ گار نہ کرو"۔

"آپ کے ہاں رواج کچھ اور ہو گا" — فرح نے جانفزا مسکراہٹ سے کہا۔ "ہمارے ہاں کوئی معزز مہمان آتا ہے تو ہم اس کے راستے میں پھول بچھاتے ہیں"۔

"ہمارا بھی ایک رواج ہے" — صالح نمیری نے کہا — "ہمارے ہاں آپ جیسا کوئی مہمان آتا ہے تو ہم اُس کے راستے میں آنکھیں بچھاتے ہیں"۔

حسن بن صباح نے زوردار قہقہہ لگایا۔ صالح نمیری لڑکیوں کے قریب سے گزرتے انہیں دیکھتا رہا اور اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

صالح نمیری کی خاطر تواضع یوں کی گئی جیسے وہ کسی ملک کا بادشاہ ہو۔ وہ بادشاہ تو نہیں تھا لیکن وہ لگتا بادشاہ ہی تھا۔ خوبرو آدمی تھا۔ چہرے کا رنگ سرخی مائل سفید تھا اور اُس کے انداز اور چال ڈھال میں تمکنت تھی۔

رات کھانے کے بعد وہ اور حسن بن صباح اکیلے بیٹھ گئے۔

"کیا آپ نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے؟" — صالح نمیری نے پوچھا۔

"نہیں تو!" — حسن بن صباح نے جواب دیا — "مجھے کچھ حاصل ضرور ہوا ہے لیکن یہ نبوّت نہیں۔ میں کچھ سمجھ نہیں سکا یہ کیا ہے۔ میں یہ پورے یقین سے کہتا ہوں کہ میرا درجہ عام انسانوں سے ذرا اوپر ہو گیا ہے۔ یہ مجھے آپ بتائیں گے کہ میں کیا ہوں اور خدا نے مجھے کیوں یہ درجہ بخشا ہے"۔

"پہلے تو مجھے یہ بتائیں" — صالح نمیری نے پوچھا — "آپ آسمان سے کس طرح اُترے ہیں اور آپ کی روح میں ستاروں کا نور کہاں سے آ گیا ہے؟ لوگ شاہ بلوط کے درخت میں جو ستارہ دیکھتے رہے ہیں یہ کیا تھا اور اس کی حقیقت کیا ہے؟"

"میں کچھ نہیں بتا سکتا" — حسن بن صباح نے کہا — "میں بھی سنا کرتا تھا کہ ایک درخت میں دوسری تیسری رات ایک ستارہ نظر آتا ہے۔ میری بھی خواہش تھی کہ یہ ستارہ دیکھوں لیکن ستارے کے ظہور کے وقت مجھ پر غشی طاری ہو جاتی تھی۔ میں یہ ستارہ دیکھنے گیا تو لوگوں کے ہجوم کے ساتھ میں بھی انتظار ہی کرتا رہا' ستارہ نظر نہ آیا"۔

"یہ غشی کیسی ہوتی تھی؟" — صالح نمیری نے پوچھا۔

"اس سوال کا جواب دینا مشکل ہے" — حسن بن صباح نے جواب دیا — "غشی میں یہ ہوتا تھا کہ ایک بڑی ہی نورانی صورت والا بزرگ مجھے اپنے پاس بٹھا لیتا اور بتاتا تھا

کہ لوگوں کی رہنمائی کی سعادت خدا نے مجھے دی ہے۔ معلوم نہیں یہ بزرگ کون تھے جو مجھے سبق دیا کرتے تھے کہ میں لوگوں کی راہنمائی کس طرح کروں گا' پھر ایک روز کسی غیبی طاقت نے مجھے......"

"حسن بن صباح!" — صالح نمیری نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا — "کوئی نئی کہانی سناؤ۔ تم سے پہلے بھی ایسے ہی نبی ہو گزرے ہیں جنہیں غشی میں ایک بزرگ آ کر بتایا کرتے تھے کہ خدا نے تمہیں اپنا ایلچی منتخب کر لیا ہے..... دیکھو حسن! خدا نے اپنے ایلچی بھیجنے کا سلسلہ غارِ حرا سے اپنا آخری ایلچی بھیج کر بند کر دیا ہے"۔

حسن بن صباح نے صالح نمیری کے ساتھ بحث نہ کی بلکہ وہ اس طرح کی باتیں کرتا رہا جیسے وہ تذبذب میں ہو کہ وہ کیا محسوس کر رہا ہے اور اس تبلیغ کا سلسلہ کیوں شروع کر دیا ہے۔

"اگر میں غلط راستے پر چل نکلا ہوں تو مجھے راہِ راست پر لائیں" — حسن بن صباح نے کہا — "آپ کچھ دن میرے پاس ٹھہریں۔ میں اپنے متعلق یہ بتا سکتا ہوں کہ میں سحری طاقت رکھتا ہوں اور زمین میں دبے ہوئے راز بتا سکتا ہوں۔ مجھ میں کوئی مافوق الفطرت طاقت موجود ہے۔ احمد بن غطاش میرا پیرو مرشد ہے۔ اُس نے مجھے ایک پُراسرار علم دیا ہے"۔

"شاہ در کا والی احمد بن غطاش؟" — صالح نمیری نے پوچھا۔

"ہاں!" — حسن بن صباح نے کہا — "وہی احمد بن غطاش!"

"میں نے پہلے بھی سنا ہے" — صالح نمیری نے کہا — "ہاں حسن! میں نے پہلے بھی سنا ہے کہ وہ سحر کا یا کسی اور پُراسرار علم کا ماہر ہے اور وہ مستقبل کے پردوں میں جھانک سکتا ہے..... کیا تم نے اُس سے کچھ سیکھا ہے؟"

"بہت کچھ!" — حسن بن صباح نے جواب دیا — "ستاروں کی چال بھانپ سکتا ہوں۔ ہاتھوں کی لکیریں پڑھ سکتا ہوں"۔

صالح نمیری نے کچھ کہے بغیر اپنا ہاتھ پھیلا کر حسن کے آگے کر دیا۔

"تمہارا امتحان ہے" — صالح نمیری نے کہا۔

صالح نمیری سمجھ نہ سکا کہ حسن بن صباح نے بات کا رخ پھیر دیا ہے۔ وہ اس بات کو گول کر گیا کہ وہ خدا کا ایلچی ہے اور اُس نے وسیع پیمانے پر اپنے عقیدے کی تبلیغ

Scanned by iqbalmt

شروع کر دی ہے۔ وہ کمال استادی سے گفتگو کو سحر، نجوم اور دست شناسی کی بھول بھلیّوں میں لے گیا تھا۔ اُس نے دیکھ لیا تھا کہ صالح نمیری واقعی پتھر ہے جسے توڑنا آسان کام نہیں۔

○

حسن بن صباح نے صالح نمیری کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اُس کی ہتھیلی کو پھیلایا اور ہاتھ کی لکیریں دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد اُس نے ہتھیلی پر اپنا سر اس طرح جھکا لیا جیسے لکیروں کو اور زیادہ غور سے دیکھ رہا ہو۔

اُس نے یوں تیزی سے اپنا سر اوپر کر لیا جیسے صالح نمیری کی ہتھیلی سے سانپ نے اُس پر حملہ کر دیا ہو، پھر اُس نے اپنے چہرے پر حیرت کا تاثر پیدا کر کے صالح نمیری کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔

"کیا نظر آیا ہے؟" ——صالح نمیری نے پوچھا

حسن چپ رہا۔ اس نے قلم دوات منگوا کر کپڑے کی طرح کے ایک کاغذ پر خانے بنائے۔ کسی خانے میں ایک دو ہندسے اور کسی میں ایک دو حروف لکھے۔ بعض خانوں میں ٹیڑھی سیدھی لکیریں ڈالیں اور بہت دیر انہیں دیکھتا اور سوچتا رہا۔

"کچھ بتاؤ گے؟" ——صالح نمیری نے پوچھا۔

"چار دن ہمیں انتظار کریں" —— حسن نے کہا —— "بات ابھی دھندلکے میں ہے"۔

"بات اچھی ہے یا بُری؟"

"اچھی بھی ہو سکتی ہے بُری بھی!" —— حسن نے کہا —— "اچھی ہے یا بُری' بات معمولی نہیں۔ شاہی بھی ہو سکتی ہے گدائی بھی..... چار دن دیکھوں گا۔ پانچویں دن لکیروں اور ستاروں کا بھید آپ کے سامنے آجائے گا"۔

صالح نمیری اذیت ناک تذبذب میں مبتلا ہو گیا۔ حسن بن صباح کے کہنے پر وہ اپنے خیمے میں جا کر سو گیا۔

علی الصبح فرح اُس کے خیمے میں ناشتہ لے کر گئی۔ اُسے ناشتہ رکھ کر واپس آجانا چاہئے تھا لیکن وہیں کھڑی رہی۔

"کچھ اور چاہئے؟" —— فرح نے پوچھا۔

"میں تو یہ ناشتہ دیکھ کر حیران رہ گیا ہوں" —— صالح نمیری نے کہا —— "اور تم پوچھتی ہو کچھ اور چاہئے"۔

"میں کچھ دیر آپ کے پاس بیٹھ جاؤں؟" —— فرح نے شرمیلی سی آواز میں پوچھا۔

"پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟" ——صالح نمیری نے مسکراتے ہوئے کہا —— "یہاں میرے پاس بیٹھو..... تم کون ہو؟ حسن بن صباح کے ساتھ تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"میں والیٔ شاہ در احمد بن غطاش کی بھانجی ہوں" —— فرح نے جھوٹ بولا —— "انہوں نے مجھے ان کے ساتھ سیر و تفریح کے لئے بھیجا ہے"۔

"شادی ہو چکی ہے؟"

"نہیں!" —— فرح نے جواب دیا۔

"اب تک تو تمہاری شادی ہو جانی چاہئے تھی" ——صالح نمیری نے کہا۔

"میرے والدین فوت ہو گئے ہیں" —— فرح نے دوسرا جھوٹ بولا —— "ماموں احمد بن غطاش نے مجھے اجازت دے رکھی ہے کہ میں جس کسی کو پسند کروں' انہیں بتا دوں اور وہ اس کے ساتھ میری شادی کر دیں گے۔ انہوں نے شرط صرف یہ رکھی ہے کہ وہ آدمی اچھی حیثیت والا ہونا چاہئے"۔

"تو کیا ابھی تک تمہیں اپنی پسند کا آدمی نہیں ملا؟"

"اب ملا ہے" —— فرح نے جواب دیا۔

"وہ خوش نصیب کون ہے؟"

فرح نے صالح نمیری کی طرف دیکھا اور نظریں جھکا لیں۔

"اتنا زیادہ شرمانے کی کیا ضرورت ہے؟" ——صالح نمیری نے کہا اور پوچھا —— "کیا اُس آدمی کو معلوم ہے کہ تم نے اسے پسند کیا ہے؟"

"نہیں!"

"اُسے بتا دینا تھا" ——صالح نمیری نے کہا۔

"ڈرتی ہوں" —— فرح نے کہا —— "وہ یہ نہ کہہ دے کہ میں اُسے پسند نہیں"۔

"وہ کوئی جنگلی جانور ہو گا جو تمہیں پسند نہیں کرے گا!" ——صالح نمیری نے کہا۔

"کیا آپ مجھے پسند کریں گے؟" —— فرح نے جھجکتے شرماتے پوچھا۔

"کیا تم مجھے قبول کر لو گی؟" ——صالح نمیری نے اُس کے جواب میں سوال کیا۔

Scanned by iqbalmt

فرح نے آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ صالح نمیری کی طرف سرکایا۔ دوسرے لمحے اُس کی انگلیاں صالح نمیری کی انگلیوں میں اُلجھی ہوئی تھیں۔ پھر صالح نمیری کو یاد ہی نہ رہا کہ اُس کے آگے ناشتہ پڑا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔

اُس روز فرح کو ذرا سا بھی موقع ملتا وہ صالح نمیری کے خیمے میں چلی جاتی اور ہنس کھیل کر واپس آجاتی۔

○

اگلی رات حسن بن صباح اور صالح نمیری کھانے کے بعد الگ بیٹھے اس موضوع پر باتیں کرتے رہے کہ حسن بن صباح صحیح ہے یا غلط یا اسے وہم ہو گیا ہے کہ وہ خدا کا ایلچی ہے۔ حسن بن صباح کا اندازِ گفتگو یہ تھا کہ وہ بحث میں نہیں اُلجھتا تھا اور اُس کی کوشش یہ تھی کہ کوئی ایسی بات نہ کہہ بیٹھے جس سے صالح نمیری خفا ہو جائے۔ صالح نمیری کا گزشتہ رات کا انداز بڑا جارحانہ تھا لیکن اگلی رات اُس کے مزاج میں وہ برہمی نہیں تھی۔ اس کی بجائے وہ خاصا نرم تھا اور کسی وقت یوں پتا چلتا تھا جیسے وہ حسن بن صباح کا قائل ہوتا جا رہا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ صالح نمیری کے مزاج کی یہ تبدیلی اس وجہ سے نہیں تھی کہ حسن بن صباح نے اسے متاثر کر لیا تھا بلکہ اصل وجہ یہ تھی کہ وہ فرح کی محبت میں گرفتار ہو گیا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ حسن بن صباح نے اُس کا ہاتھ دیکھا اور ستاروں کی گردش کا کچھ حساب لگایا تھا اور وہ یوں چپ ہو گیا تھا جیسے اُس نے کوئی بڑی ہی خاص بات چھپالی ہو۔ قدرتی امر ہے کہ وہ یہ راز معلوم کرنے کو بے تاب تھا۔

اُس رات صالح اور حسن خاصی دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے پھر صالح اپنے خیمے میں جا کر سو گیا۔ آدھی رات کا وقت ہو گا، صالح نے اپنے چہرے پر کوئی نرم اور ملائم سی چیز رینگتی ہوئی محسوس کی۔ وہ بڑی گہری نیند سویا ہوا تھا۔ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ خیمے میں تاریکی تھی۔ صالح نے اپنے منہ پر ہاتھ مارا تو ایک نرم و ملائم ہاتھ اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ اُس نے اندھیرے میں بھی اس ہاتھ کو پہچان لیا۔ اس نے اس ہاتھ کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور دوسرا ہاتھ اس کی کمر پر ڈال دیا جس کا یہ ہاتھ تھا۔

فرح اُس کے اوپر گری اور اُس کی ہنسی نکل گئی۔ صالح نمیری کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ تھی اور فرح مشکل سے چھبیس سال کی تھی لیکن جسمانی صحت کے لحاظ سے صالح

نمیری فرح جیسا ہی جوان لگتا تھا۔ اس کا انداز بھی پُر شباب تھا۔ اُس نے فرح کو اس طرح اپنے بازوؤں میں لے کر بھینچا جیسے اسے اپنے وجود میں سمیٹ لینا چاہتا ہو۔

"ابھی نہیں!" ۔۔۔ کچھ دیر بعد فرح نے کہا ۔۔۔ "پہلے شادی..... ابھی بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں سب سوئے ہوئے ہیں"۔

صالح اُٹھ کر بیٹھ گیا اور فرح کو اپنے پاس اس طرح بٹھائے رکھا کہ فرح اس کے ایک بازو میں تھی اور فرح کا سر صالح کے سینے پر تھا۔ وہ کچھ دیر اسی حالت میں پیار و محبت کی باتیں کرتے رہے۔ وہ دلی اور زبانی طور پر ایک دوسرے میں جیسے تحلیل ہو گئے تھے۔

"ایک کام کرو فرح!" ۔۔۔ صالح نے فرح کو پلنگ پر اپنے سامنے بٹھاتے ہوئے کہا ۔۔۔ "حسن بن صباح نے میرا ہاتھ دیکھا تھا اور اُس نے ستاروں کی گردش بھی دیکھی تھی۔ پھر وہ یوں چپ ہو گیا تھا جیسے اُس نے میری قسمت میں کوئی ایسی بات دیکھ لی ہو جو وہ مجھے نہیں بتانا چاہتا۔ میں نے اُس کے چہرے پر کچھ اور ہی تاثر دیکھا تھا..... وہ مجھے کچھ نہیں بتا رہا۔ کہتا ہے چار روز انتظار کرو۔ میں یہاں اتنا رکنے کے لئے نہیں آیا تھا۔ میں اس شخص سے متاثر نہیں ہُوا نہ میں اُس کے اس دعوے کو مانتا ہوں کہ یہ خدا کا ایلچی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں یہ راز معلوم کرنے کے لئے رکا ہوں کہ اس نے میرے ہاتھ کی لکیروں میں کیا دیکھا ہے..... کیا تم اس سے معلوم کر سکتی ہو؟"

"ہاں!" ۔۔۔ فرح نے جواب دیا ۔۔۔ "اگر کوئی بہت ہی خطرناک بات نہ ہوئی تو وہ مجھے بتا دے گا"۔

"کبھی خیال آتا ہے کہ میں چلا جاؤں" ۔۔۔ صالح نمیری نے کہا ۔۔۔ "میں کٹر اہلِ سنت ہوں۔ قسمت میں جو لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا لیکن تم میرے پاؤں کی زنجیر بن گئی ہو"۔

"اب آپ جہاں بھی جائیں گے یہ زنجیر آپ کے ساتھ رہے گی" ۔۔۔ فرح نے بڑے ہی جذباتی لہجے میں کہا اور اس طرح بولی جیسے اسے اچانک یاد آ گیا ہو ۔۔۔ "اوہ، میں آپ کے لئے پھول لائی تھی"۔

اُس نے پلنگ پر ہاتھوں سے ٹٹولا اور پھول اُس کے ہاتھ آ گئے۔ یہ بڑے بڑے تین پھول تھے جنہیں اس نے گلدستے کی طرح ایک دھاگہ لپیٹ کر باندھ رکھا تھا۔ اُس نے

Scanned by iqbalmt

پھول صالح نمیری کی ناک کے ساتھ لگا دیئے۔

"اتنی پیاری خوشبو؟" — صالح نے کہا — "میں نے اس علاقے کے وہ پھول بھی سونگھے ہیں جو دور دراز جنگلوں میں کھلتے ہیں لیکن اس پھول کی خوشبو میرے لئے بالکل نئی ہے"۔

اُس نے بار بار ان پھولوں کو سونگھا اور جوں جوں لمحے گزرتے گئے، صالح پر ایسی کیفیت طاری ہوتی گئی کہ وہ محسوس کرنے لگا کہ وہ فرح کے لئے پیدا ہوا تھا اور باقی عمر اس کی غلامی میں گزارے گا۔

"میرا ایک مشورہ مانیں" — فرح نے کہا — "حسن بن صباح کو یہ دعوت دیں کہ وہ کچھ دن خلجان میں آپ کا مہمان رہے۔ اگر یہ یہیں سے واپس چلا گیا تو پھر یہ آپ کے ہاتھ کی لکیریں اور ستاروں کا راز اپنے ساتھ لے جائے گا۔ دوسرا فائدہ یہ ہو گا کہ یہ یہاں سے واپس گیا تو مجھے بھی ساتھ لے جائے گا۔ ہم خلجان چلے گئے تو میں اسے کہہ سکتی ہوں کہ میں واپس نہیں جاؤں گی..... میں نے اب باقی عمر آپ کے ساتھ ہی رہنا ہے"۔

"میں ایسے ہی کرتا ہوں" — صالح نے کہا — "میں اسے کہوں گا۔ میرے ساتھ خلجان چلو اور مجھے قائل کرو کہ تم خدا کی بھیجی ہوئی برگزیدہ شخصیت ہو اور میں تمہیں صرف مان ہی نہیں لوں گا بلکہ تمہارے عقیدے کی اتنی تبلیغ کروں گا کہ تم حیران رہ جاؤ گے"۔

فرح بہت دیر بعد اُس کے خیمے سے نکلی۔ صالح نمیری کو وہ اس جذباتی کیفیت میں چھوڑ آئی کہ اُس نے باقی رات کروٹیں بدلتے گزار دی۔ وہ رہ رہ کر یہی چاہتا تھا کہ فرح کے پاس چلا جائے یا اُسے اپنے خیمے میں لے آئے۔

○

ایک روز بعد ایک قافلہ خلجان کی طرف جا رہا تھا۔ صالح نمیری نے حسن بن صباح کو خلجان کی دعوت دی تھی جو اُس نے بخوشی قبول کر لی تھی۔ اُس نے دونوں لڑکیوں کو واپس شاہ در بھیج دیا تھا صرف فرح کو ساتھ رکھا تھا۔ باورچیوں کو بھی واپس بھیج دیا تھا۔ تمام خیمے اور دیگر سامان بھی واپس چلا گیا اور حسن بن صباح کے ساتھ فرح کے علاوہ چند آدمی رہ گئے تھے۔

صالح نمیری خلجان کا والی اور امیر تھا۔ اُس کی رہائش گاہ محل جیسی تھی۔ رہن سہن

امیرانہ تھا۔ اُس نے وہاں پہنچتے ہی حسن بن صباح اور فرح کے کمرے الگ کر دیئے اور دوسرے آدمیوں کی رہائش کا بھی بڑا اچھا انتظام کیا۔

اُس نے فرح کو وہ کمرہ دیا جو اُس کی اپنی خواب گاہ کے بہت قریب تھا۔ اُس کی دو بیویاں تھیں جو اپنے اپنے کمروں میں رہتی تھیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب امیر کبیر آدمی چار چار بیویاں رکھتے تھے اور ان بیویوں کی حیثیت بیوی سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتی تھی۔ ہر بیوی کا یہ فرض تھا کہ خاوند کو تفریح اور جسمانی آسودگی مہیا کرے۔ اُس زمانے میں سوکن کا تصور ناپید تھا۔ ہر بیوی کو اُس کے حقوق ملتے تھے۔

صالح نمیری کے لئے ایک اور بیوی لے آنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔

خلجان میں پہلی رات فرح نے وہی حرکت کی جو وہ پہلے کر چکی تھی۔ وہ آدھی رات کے وقت صالح کے کمرے میں چلی گئی۔ صالح کو توقع تھی کہ فرح آئے گی اس لئے اُس نے دونوں بیویوں میں سے کسی ایک کو بھی اپنے کمرے میں نہیں رکھا تھا۔

"ایک راز تو مل گیا ہے" — فرح نے کہا — "بڑی مشکل سے حسن نے بتایا ہے کہ آپ کی قسمت میں ایک خزانہ لکھا ہے بلکہ ایک خزانہ آپ کی راہ دیکھ رہا ہے"۔

"اُس نے یہ راز مجھ سے چھپایا کیوں ہے؟"

"میں اس سوال کا جواب بھی لے آئی ہوں" — فرح نے کہا — "وہ کہتا ہے کہ خزانہ ایسی جگہ ہے جہاں تک پہنچنے کے لئے جان کی بازی لگانی پڑے گی! پھر جس جگہ یہ خزانہ ہے وہاں بھی بڑا ہی خوفناک خطرہ ہے۔ ہو سکتا ہے وہاں ایک یا ایک سے زیادہ بڑے زہریلے اور بڑے لمبے سانپ ہوں۔ اگر سانپ نہ ہوئے تو صحرائی بچھو ہوں گے جو سانپوں جیسے ہی زہریلے ہوتے ہیں۔ یہ بھی نہ ہوئے تو وہاں درندے ہوں گے ..... ان تمام خطروں سے نمٹنے کا انتظام ہو تو کامیابی ہو سکتی ہے"۔

"خزانہ کتنا کچھ ہے؟" — صالح نے پوچھا — "خزانے میں کیا ہے؟..... کیا اُس نے یہ نہیں بتایا؟"

"اس نے تفصیل نہیں بتائی" — فرح نے کہا — "اُس نے یہ کہا ہے کہ خزانہ اتنا زیادہ ہے کہ اس سے خلجان جیسے دس بارہ شہر خریدے جا سکتے ہیں اور یہ خزانہ اتنے شہر خرید کر بھی سات پشتوں تک ختم نہ ہو"۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے فرح" — صالح نے کہا — "حسن بن صباح خود اس خزانے

Scanned by Iqbalmt

تک پہنچ جائے۔ اُس کے ہاتھ میں سحر اور نجوم کی طاقت ہے"۔

"نہیں میرے آقا!" ــــ فرح نے کہا ــــ "اُسے دنیا کے مال و دولت اور ان خزانوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں۔ اس وقت آپ اسے جا کر دیکھیں تو وہ آپ کو عبادت میں مصروف نظر آئے گا۔ اُس کا دھیان خدا کی خوشنودی پر مرکوز رہتا ہے۔ دنیاوی لطف اور لذّت سے وہ دُور رہتا ہے"۔

"پھر اُس نے تمہیں اپنے ساتھ کیوں رکھا ہُوا ہے؟" ــــ صالح نمیری نے پوچھا۔

"میرے ساتھ اس کا وہ تعلق نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں" ــــ فرح نے کہا ــــ "میں اپنے ماموں کی اجازت سے سیرو تفریح کے لئے اس کے ساتھ آئی ہوں لیکن اس سے مجھے انکار نہیں کہ یہ شخص میرے ساتھ بہت پیار کرتا ہے۔ یہ پیار کسی اور نوعیت کا ہے۔ مجھے اپنے پاس بٹھا لیتا ہے اور میرے بالوں میں انگلیاں پھیرتا رہتا ہے کہتا ہے کہ تمہارے یہ نرم و ملائم ریشمی بال مجھے بہت ہی اچھے لگتے ہیں۔ یہ تو اُس نے کئی بار کہا ہے کہ میں تمہیں ایک پھول سمجھتا ہوں، پھول کو سونگھا جاتا ہے اسے ناپاک نہیں کیا جاتا اور اسے مسلا نہیں جاتا..... میں آپ کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں کہ اس کے دل میں میرے لئے ایسا پیار ہے جو آپ کوثر جیسا مقدس ہے۔ آپ کوئی وہم دل میں نہ رکھیں"۔

"میں دل میں وہم نہیں رکھوں گا فرح!" ــــ صالح نمیری نے کہا ــــ "تم اسے کہو کہ مجھے وہ جگہ اور اس جگہ کا راستہ بتا دے جہاں وہ خزانہ ہے۔ میں ایسا انتظام کر کے جاؤں گا کہ کوئی بھی خطرہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔ میرے ساتھ اتنے برچھی بردار اور تیغ زن ہوں گے جو سینکڑوں سانپوں کو ختم کر دیں گے۔ ذرا سوچو فرح اگر ہمیں یہ خزانہ مل جائے تو ہماری زندگی کس قدر خوبصورت اور شاہانہ ہو گی"۔

"اس خزانے کے ساتھ میری دلچسپی بھی اتنی ہی ہے جتنی آپ کی ہے" ــــ فرح نے کہا ــــ "میں تو پوچھ کر ہی دم لوں گی"۔

جب فرح صالح کے کمرے میں سے آنے لگی تو صالح نے اسے روک لیا۔

"فرح!" ــــ صالح نے کہا ــــ "وہ پھول جو تم اُس رات خیمے میں میرے لئے لائی تھیں، وہ یہاں سے نہیں مل سکتا؟"

"مل سکتا ہے" ــــ فرح نے جواب دیا ــــ "آپ کو وہ خوشبو پسند ہے تو میں اس

پھول کی بجائے وہ خوشبو تھوڑی سی رُوئی پر لگا کر آپ کو دے سکتی ہوں لیکن یہ مجھے چوری کرنی پڑے گی۔ یہ عطر حسن بن صباح کے پاس ہے جسے وہ چھپا کر رکھتا ہے۔ یہ اُسی پھول کا عطر ہے۔ وہ تو اتفاق سے وہاں مجھے دو تین پھول نظر آ گئے تھے جو میں نے آپ کو دے دیئے تھے"۔

○

اگلی شام صالح نمیری اور حسن بن صباح کھانے کے لئے بیٹھے تو صالح نمیری نے اپنی مونچھوں پر یہی عطر لگا رکھا تھا۔ کچھ ہی دیر پہلے فرح موقعہ دیکھ کر تھوڑی سی رُوئی پر ایک قطرہ عطر کا لگا کر صالح نمیری کو دے آئی تھی۔ صالح نمیری نے کھانے سے پہلے یہ عطر اپنی مونچھوں پر لگا لیا تھا۔

صالح نمیری نے اپنے مزاج میں ایک نمایاں تبدیلی محسوس کی۔ اُس کا جی چاہتا تھا کہ ہنسے اور مسکرائے اور اس زندگی سے پورا لطف اٹھائے۔

"فرح کو بھی نہ بلا لیں؟" ــــ کھانے کے بعد صالح نے حسن سے کہا ــــ "وہ بھی آخر ایک امیر شہر کی بھانجی ہے"۔

"بلا لینا چاہئے" ــــ حسن نے کہا۔

تھوڑی ہی دیر بعد فرح آ گئی۔

"میری ایک بات مان لیں" ــــ فرح نے حسن بن صباح سے کہا ــــ "امیرِ خلجان بہت پریشان ہیں۔ آپ نے ان کا ہاتھ دیکھا اور نجوم کا بھی حساب کتاب دیکھا لیکن انہیں آپ نے کچھ بتایا نہیں"۔

"ہاں حسن!" ــــ صالح نمیری نے کہا ــــ "اس سے بہتر تھا کہ آپ میرا ہاتھ نہ دیکھتے۔ اگر کوئی خطرناک معاملہ ہے تو وہ بھی مجھے بتا دیں۔ آپ کی خاموشی نے مجھے اذیّت میں مبتلا کر رکھا ہے"۔

"بتا دیں" ــــ فرح نے بچوں کے سے انداز سے کہا ــــ "اب بتا دیں"۔

حسن بن صباح خاموش رہا۔ اُس نے سر جھکا لیا وہ کچھ دیر اسی حالت میں رہا۔ صالح اور فرح سراپا سوال بنے اسے دیکھتے رہے۔

تھوڑی دیر بعد حسن بن صباح نے سر اٹھایا اور صالح نمیری کی طرف دیکھا۔

"آپ کے ہاتھ کی لکیروں میں ایک خزانہ ہے" ــــ حسن بن صباح نے انتہائی

Scanned by iqbalmt

سنجیدہ لہجے میں کہا — "لیکن یہ خزانہ ایسا نہیں کہ آپ وہاں جائیں گے اور وہ خزانہ وہاں سے اٹھالائیں گے۔ اس میں جان جانے کا خطرہ ہے۔ ایسا بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ وہ پورے کا پورا خزانہ اٹھالائیں۔ اس خزانے کا ایک حصہ الگ کرنا پڑے گا"۔

"آپ جتنا حصہ مانگیں گے میں دوں گا" — صالح نمیری نے کہا۔

"یہ بات نہیں" — حسن بن صباح نے کہا — "مجھے حصہ نہیں چاہئے۔ یہ بھی ایک وجہ ہے کہ میں آپ کو اس خزانے کی خبر دے ہی نہیں رہا تھا۔ یہ میرے علم کی کچھ شرطیں ہیں جو آپ کو پوری کرنی پڑیں گی۔ اگر نہیں کریں گے تو پھر آپ کا انجام ایسا ہو گا جو میں آپ کو بتاؤں تو اس کے تصور سے ہی آپ کانپ اٹھیں"۔

"اگر حصہ لینا ہی ہے تو یہ فرح لے سکتی ہے" — حسن بن صباح نے کہا — "میں نہیں لے سکتا۔ آپ کا اور کوئی قریبی عزیز لے سکتا ہے..... بات یہ ہے امیرِ خلجان! یہ خزانہ اس علم کے ذریعے مجھے نظر آیا ہے۔ میں اسی علم کے ذریعے یہ کر سکتا ہوں کہ آپ کو خزانہ مل جائے اور آپ کی جان بھی محفوظ رہے۔ مجھے حکم ملا ہے کہ جب تک اس قلعے کا کوئی قائم مقام والی مقرر نہ ہو جائے آپ اس خزانے تک نہیں پہنچ سکتے"۔

"میری بات سنو حسن!" — صالح نمیری نے کہا — "آپ مجھے کچھ نہ بتائیں۔ آپ کا یہ علم اور عمل جو کچھ بھی کہتا ہے' اس کی پابندی کریں۔ مجھے صرف خزانہ چاہئے"۔

"پھر آپ میری ہر بات کی پابندی کریں" — حسن بن صباح نے کہا — "خزانہ لینے آپ جائیں گے۔ یہ سارا انتظام آپ کا ہو گا۔ خزانہ مل جائے گا تو اس کا ایک چوتھائی حصہ اُسے ملے گا جو آپ کی جگہ یہاں قائم مقام والیٔ قلعہ ہو گا"۔

"والیٔ قلعہ تو کوئی میرا ہی عزیز ہو گا" — صالح نمیری نے کہا۔

"نہیں!" — حسن بن صباح نے کہا — "میں یہ بھی اپنے علم کی روشنی میں دیکھ چکا ہوں۔ پہلے میں آپ کو یہی بتا رہا ہوں۔ قلعے اور اس شہر کے ہر فرد شہر کی ذمہ داری میرے سپرد کی گئی ہے لیکن میں یہ ذمہ داری قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ میرے لئے حکم ہے کہ قلعے کا قائم مقام میں مقرر کروں۔ میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ قائم مقام کون ہو گا۔ میں یہ قلعہ کسی کو بغیر سوچے تو نہیں دے سکتا۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ شاہ در کا والی احمد بن غطاش آپ کی جگہ عارضی طور خلجان کا بھی والی ہو گا اور جب آپ واپس

آئیں گے تو آپ خزانے کا چوتھا حصہ اسے دیں گے اور وہ شہر آپ کے حوالے کر کے شاہ در چلا جائے گا"۔

"مجھے منظور ہے" — صالح نمیری نے بلا سوچے کہا۔

"اس کی آپ کو تحریر دینی پڑے گی" — حسن بن صباح نے کہا — "آپ کو خزانے کا راستہ اور خزانے کی جگہ اُس وقت بتائی جائے گی جب آپ یہ تحریر دے دیں گے۔ یہ ایک معاہدہ ہو گا جس پر آپ کے دستخط اور آپ کی مُہر ہو گی۔ احمد بن غطاش کی جگہ میں دستخط کروں گا اور گواہوں کے طور پر یہاں کی دو مسجدوں کے امام اور اسی شہر کے قاضی کے دستخط ہوں گے۔ اگر آپ زندہ واپس نہ آ سکے تو خلجان کا امیرِ شہر احمد بن غطاش ہی ہو گا۔ وہ جسے چاہے گا یہ شہر دے دے گا۔ نہیں دینا چاہے گا تو اس سے کوئی بھی یہ شہر نہیں لے سکے گا"۔

"کیا موت کا خطرہ یقینی ہے؟" — صالح نمیری نے پوچھا۔

"خطرہ یقینی ہے" — حسن بن صباح نے جواب دیا — "لیکن موت یقینی نہیں۔ زندہ واپس آنے کا امکان موجود ہے۔ آپ کے انتظامات جتنے مضبوط ہوں گے موت کا خطرہ اتنا ہی کم ہو گا"۔

صالح نمیری کی ایک طرف ذہنی پختگی کا یہ عالم تھا کہ وہ حسن بن صباح کی اس حیثیت کو تسلیم نہیں کر رہا تھا کہ وہ ایک روشنی کے ذریعے آسمان سے اُترا ہے لیکن دوسری طرف اس کی شخصی کمزوری کا یہ عالم تھا کہ حسن بن صباح اُسے جو کچھ بھی کہے جا رہا تھا وہ اُسے تسلیم کر رہا تھا۔ وہ اتنا بھی نہیں سوچ رہا تھا کہ خزانے کا حصول یقینی نہیں لیکن لالچ کا یہ حال کہ وہ اتنا بڑا شہر ایک غیر آدمی کو لکھ کر دینے پر آمادہ ہو گیا تھا۔

اُس زمانے میں بلکہ اس سے بہت پہلے سے یوں ہوتا تھا کہ ڈاکوؤں اور راہزنوں کے بہت بڑے بڑے گروہ جو بہت ہی بڑے بڑے قافلوں کو لُوٹتے تھے' لُوٹ مار کا قیمتی سامان مثلاً ہیرے اور جواہرات کسی ایسی جگہ رکھ دیتے تھے جو دشوار گزار ہوتی تھی اور وہاں تک کوئی اور انسان نہیں پہنچ سکتا تھا۔ بادشاہوں میں بھی یہ رواج تھا کہ وہ اپنا خزانہ کسی خفیہ مقام پر دفن کر دیتے تھے۔ کچھ بادشاہ ایسے ہو گذرے تھے جو ساری دنیا کو فتح کرنے کے لئے نکلے تھے۔ وہ شہروں اور بستیوں کو لُوٹتے اور بادشاہوں کے خزانے صاف کرتے چلے جاتے تھے۔ جب اُن کے پاس اتنا زیادہ خزانہ اکٹھا ہو جاتا جو سنبھالا نہیں جاتا تھا تو

Scanned by iqbalmt

اسے وہ کسی بڑے ہی دشوار گزار علاقے میں اس توقع پر دفن کر جاتے تھے کہ واپس آکر نکال لے جائیں گے"۔

اُن زمانوں سے اب تک یہ عقیدے یا روایتیں چلی آ رہی ہیں کہ کوئی عامل یا جوتشی یا پُراسرار علوم کا کوئی ماہر اس قسم کے خزانے کی نشان دہی کر سکتا ہے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ جو کوئی اس قسم کا خزانہ نکالنے کے لئے جاتا ہے وہ زندہ واپس نہیں آ سکتا۔ یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ اس قسم کے مدفون خزانوں کی حفاظت بڑے زہریلے سانپ کرتے ہیں۔ کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس قسم کے خزانوں کی حفاظت جنات کیا کرتے ہیں۔

ان تمام خطرات کے باوجود اس قسم کی کہانیاں مشہور تھیں کہ فلاں شخص کو مدفون خزانہ ملا اور وہ بادشاہ بن گیا۔ ایسے لوگ بھی ہو گذرے ہیں جنہوں نے ایسے خزانوں کی تلاش میں ہی زندگی گزار دی تھی۔

دولت اور عورت دو ایسی چیزیں ہیں جن کی خاطر انسان نے اپنے مذہب تک کو خیرباد کہا ہے۔ خزانے کا لالچ ایک نشے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نشے میں اگر عورت کا نشہ شامل ہو جائے تو انسان کی عقل پر سیاہ پردہ پڑ جاتا ہے۔

صالح نمیری اسی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔ چالیس سال کی عمر میں ایک نوجوان لڑکی اُس کی محبت کا دم بھرنے لگی تھی اور وہ اس کی محبت میں اس قدر بے چین اور بے تاب تھی کہ راتوں کو چھُپ کر اس کے پاس پہنچ جاتی تھی۔ اس لڑکی نے اُسے پھر سے جوان کر دیا تھا۔ پھر اس لڑکی نے اُسے ایسے خزانے کی خبر دے دی جس سے وہ خلجان جیسے دس شہر خرید سکتا تھا اور باقی خزانہ اس کی سات پشتوں کے لئے کافی ہو سکتا تھا۔

وہ صالح نمیری جو اپنے آپ کو اہلِ سنت اور بڑا پکا مسلمان کہتا تھا روز مرہ کی نمازیں ہی بھول گیا تھا۔ فرح اور خزانہ اُس کے ذہن میں عقیدے کی صورت اختیار کر گئے تھے۔

یہ تو انسانی فطرت کی کمزوریاں تھیں جنہوں نے صالح نمیری کی عقل پر پردے ڈال دیئے تھے اور وہ ذہنی طور پر اس طرح مفلوج ہو گیا تھا کہ اپنے آپ کو وہ بہت بڑا دانا سمجھنے لگا تھا۔ اُن مؤرخوں نے جنہوں نے اس قسم کے واقعات ذرا تفصیل سے لکھے ہیں' ایک اور راز سے پردہ اٹھایا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ فرح نے صالح نمیری کو رات کی ایک ملاقات میں تین پھول دیئے تھے۔ جنہیں سونگھ کر صالح نے پوچھا تھا کہ یہ پھول کہاں

سے آئے ہیں اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ اس علاقے کا کوئی پھول ایسا نہیں جو اس نے نہ سونگھا ہو لیکن اس پھول کی خوشبو سے وہ ناآشنا تھا۔

یہ پھول سونگھنے کے بعد اُس نے اپنے مزاج میں اور ذہنی کیفیت میں بڑی ہی خوشگوار تبدیلی محسوس کی تھی جس کے زیرِ اثر اس پر خود سپردگی کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ خلجان میں آکر جب فرح اُس کے کمرے میں گئی تو اس نے فرح سے پوچھا تھا کہ وہ پھول یہاں کہیں ملتا ہے یا نہیں فرح نے اسے بتایا تھا کہ پھول تو نہیں ملے گا' اس کا عطر مل جائے گا۔ اگلی شام فرح نے اس عطر کا ایک قطرہ تھوڑی سی رُوئی پر لگا کر صالح نمیری کو دے دیا تھا۔ صالح نے یہ عطر اپنی مونچھوں پر مل لیا تھا۔ اس کے بعد وہ حسن بن صباح سے کھانے پر ملا تھا۔

حسن بن صباح نے جب خزانے کی بات شروع کی تو وہ جو کچھ بھی کہتا رہا' صالح بلا سوچے سمجھے قبول کرتا رہا یہاں تک کہ اُس نے اپنا شہر بھی احمد بن عطاش کے نام لکھ دینے پر آمادگی کا اظہار کر دیا۔ یہ خزانے کا لالچ اور فرح کی محبت کا خمار نہیں تھا بلکہ یہ اس عطر کے اثرات تھے جو اس نے مونچھوں کو لگایا تھا۔ تاریخوں میں آیا ہے کہ فرح اُس کے پاس جو تین پھول لے گئی تھی اُن پر بھی یہی عطر ملا ہُوا تھا۔ اس عطر کے اثرات دماغ پر اس طرح کے ہوتے تھے کہ انسان حقیقت سے لاتعلق ہو جاتا اور جو کچھ بھی اُس کے ذہن میں ڈالا جاتا اسے وہ حقیقت سمجھتا تھا۔ یوں کہہ لیں کہ اُس کا دماغ اُس شخص کے قبضے میں آجاتا تھا جو اُس کے سامنے بیٹھا باتیں کر رہا ہوتا تھا۔

داستان گو پہلے سنا چکا ہے کہ حسن بن صباح کی ابلیسی قوتیں اپنے کرشمے دکھاتی تھیں لیکن اُس نے سحرکاری کے علاوہ ایسی جڑی بوٹیاں اور پھول وغیرہ دریافت کر لئے تھے جن کی دُھونی یا خوشبو انسانی ذہن کو حقیقت سے ہٹا کر بڑے حسین تصوّرات میں لے جاتی تھی۔ یہی اس شخص کی قوت تھی جس نے اپنے دور کے لاکھوں انسانوں کو دنیا میں جنت دکھا دی تھی۔

صالح نمیری بے تاب تھا کہ اسے خزانے کا راستہ بتایا جائے۔ وہ تو دیوانہ ہُوا جا رہا تھا۔ حسن بن صباح نے قلم دوات منگوا کر نقشہ بنانا شروع کر دیا۔ ساتھ وہ صالح نمیری کو بتاتا جا رہا تھا کہ اس راستے پر کیا کیا دشواریاں پیش آئیں گی اور فلاں جگہ کیا خطرہ ہو سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

Scanned by iqbalmt

"آپ یہ علاقے دیکھ کر حیران رہ جائیں گے" ـــ حسن بن صباح نے کہا ـــ "آپ سمجھیں گے کہ یہ کوئی اور ہی دنیا ہے اور یہ وہ زمین نہیں جس پر انسان آباد ہیں۔ مثلاً" ایک جگہ ایسا جنگل آئے گا جو آپ کو ٹھنڈک پہنچائے گا۔ آپ وہیں رک جانا چاہیں گے۔ زمین کا تھوڑا سا ٹکڑا ایسا آئے گا جہاں آپ کو ہلکا ہلکا کیچڑ نظر آئے گا۔ آپ گھوڑوں پر سوار اس کیچڑ میں سے گزریں گے تو آپ کے گھوڑے دھنس جائیں گے۔ دنیا کی کوئی طاقت آپ کو اس دلدل سے نہیں نکال سکے گی۔ آپ گھوڑوں سمیت اس دلدل میں ڈوب کر ہمیشہ کے لئے گم ہو جائیں گے"۔

"میں ایسی جگہوں پر نظر رکھوں گا" ـــ صالح نمیر نے کہا ـــ "ایسی جگہ دیکھ کر پہلے وہاں پتھر پھینکوں گا۔ اس سے پتہ چل جائے گا کہ یہ دلدل ہے"۔

"پھر آپ کو ایسی ریت ملے گی جو آپ کو دلدل کی طرح اپنے اندر غائب کر دے گی" ـــ حسن بن صباح نے کہا ـــ "راستے میں ایسا صحرا آئے گا جہاں سے کبھی کوئی انسان نہیں گزرا۔ وہاں صحرائی جانور اور کیڑے مکوڑے بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ آپ کو اپنے ساتھ پانی کا بے شمار ذخیرہ لے جانا پڑے گا۔ جس علاقے میں یہ خزانہ ہے وہاں ایسی چٹانیں کھڑی ہوں گی جیسے دیواریں کھڑی ہوں ۔ ان پر سے گھوڑوں کے پاؤں پھسلیں گے۔ بہتر یہ ہو گا کہ گھوڑے پیچھے چھوڑ کر پیدل جائیں۔ بعض چٹانوں پر آپ یوں چلیں گے جیسے دیوار پر چل رہے ہوں۔ وہاں پاؤں پھسلنے کا امکان زیادہ ہو گا"۔

"میں اپنے ساتھ جانباز اور عقل والے آدمی لے جاؤں گا" ـــ صالح نمیری نے کہا ـــ "آپ مجھے جگہ اچھی طرح سمجھا دیں"۔

حسن بن صباح نے اسے وہ جگہ بڑی اچھی طرح سمجھا دی۔

"آپ کے ساتھ ایک اونٹنی ہونی چاہئے" ـــ حسن بن صباح نے کہا ـــ "اور اونٹنی دودھ دینے والی ہونی چاہئے۔ جب آپ خزانے والی جگہ پہنچ جائیں تو اونٹنی کا دودھ دوہ کر ایک پیالے میں ڈال دیں اور پیالہ خزانے کی اصل جگہ سے کچھ دور رکھ دیں۔ اس سے یہ ہو گا کہ وہاں جتنے بھی سانپ ہوں گے وہ دودھ پر ٹوٹ پڑیں گے اور آپس میں لڑیں گے۔ سانپ دودھ کا عاشق ہوتا ہے۔ اتنی دیر میں آپ خزانہ نکال لیں... ...میں نہیں بتا سکتا کہ اس غار کے اندر کیا چیز ہو گی جو اس خزانے کی حفاظت کے لئے بیٹھی ہو گی۔ میں یہ بتا سکتا ہوں کہ آپ کے ہاتھ میں جلتی ہوئی مشعلیں ہونی چاہئیں۔ وہ چیز

آگ سے ڈر کر بھاگ جائے گی۔ اگر وہاں بچھو ہوئے تو انہیں جلتی ہوئی مشعلوں سے جلایا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور ہوا تو وہ آپ اپنی عقل اور ہمت سے سنبھال سکتے ہیں"۔

"میں خدا کی مدد مانگوں گا" ـــ صالح نمیری نے کہا ـــ "میں صبح سے ہی جانے کی تیاری شروع کر دوں گا"۔

"ایک ضروری بات رہ گئی ہے" ـــ حسن بن صباح نے کہا ـــ "آپ کو اس جگہ سے آدھی رات کے وقت اس طرح روانہ ہونا چاہئے کہ کوئی آپ کو دیکھ نہ سکے"۔

"شہر کے چوکیدار تو دیکھ لیں گے" ـــ صالح نمیری نے کہا ـــ "انہیں کیا کہا جائے؟"

"اگر کوئی دیکھ لے تو اسے اصل بات نہ بتائیں" ـــ حسن بن صباح نے کہا ـــ "آپ امیرِ شہر ہیں۔ آپ سے کوئی نہیں پوچھے گا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں۔ کوئی پوچھے تو خاموش رہیں"۔

○

صالح نمیری نے اُسی رات اُن آدمیوں کا انتخاب کر لیا جنہوں نے اُس کے ساتھ جانا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے اس سامان کی فہرست تیار کر لی جو اُس کے لئے ضروری تھا جو اُس نے ساتھ لے جانا تھا۔

صبح فجر کی نماز کے فوراً" بعد اُس نے ان تمام آدمیوں کو جن کی تعداد دس گیارہ تھی، اپنے ہاں بلایا اور انہیں صرف یہ بتایا کہ ایک سفر پر جانا ہے جو اگر بخیر و خوبی طے ہو گیا تو سب کو سونے اور جواہرات کی شکل میں انعام ملے گا۔ انہیں یہ بھی بتایا کہ کسی کے ساتھ یہ ذکر نہ ہو کہ وہ کہیں جا رہے ہیں۔ اگر کسی کی زبان سے ایسی بات نکل گئی تو اُسے قتل کر دیا جائے گا۔

اُس نے ان آدمیوں کو بہت سی ہدایات دیں اور کہا کہ وہ آدھی رات کے وقت کوچ کریں گے۔ صالح نمیری کا حکم چلتا تھا۔ اُس کے حکم سے تمام ضروری سامان، اونٹ اور دودھ والی ایک اونٹنی شام سے پہلے پہلے تیار ہو گئے۔ صالح نمیری نے اس تمام سامان کا معائنہ کیا اور مطمئن ہو گیا۔

رات جب لوگ سو گئے تو فرح چوری چھپے اُس کے کمرے میں آئی۔ اُس نے تو آنا

Scanned by iqbalmt

ہی تھا کیوں کہ وہ حسن بن صباح کی اس سازش میں شامل تھی کہ صالح نمیری قلعے کی تحریر لکھ دے اور یہاں سے چلا جائے۔ انہیں یقین تھا کہ صالح نمیری اس خوفناک سفر سے زندہ واپس نہیں آ سکے گا۔ انہوں نے صالح نمیری سے شہر، احمد بن غطاش کے نام لکھوا لیا تھا۔

فرح نے حسبِ معمول صالح کے ساتھ پیار و محبت کی باتیں اور حرکتیں شروع کر دیں۔ اُس نے رونے کی بھی اداکاری کی اور اس قسم کے الفاظ کہے کہ وہ اس کی جدائی کو برداشت نہیں کر سکے گی۔ صالح نمیری کی فرح کی محبت میں جذباتی کیفیت ایسی ہو چکی تھی جو اُس کی برداشت سے باہر تھی۔ اُس نے فرح سے کہا کہ وہ بھی اُس کے ساتھ چلے۔

"میں چلی تو چلوں لیکن ایسا نہ ہو کہ ساتھ جانے سے آپ کی مہم کو کوئی نقصان پہنچے"۔

"کوئی نقصان نہیں پہنچے گا" ـــ صالح نمیری نے کہا ـــ "تم ساتھ ہو گی تو میری ہمت قائم رہے گی"۔

"پھر آپ مجھے اجازت لے دیں" ـــ فرح نے کہا ـــ "لیکن میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ مجھے اجازت نہیں ملے گی"۔

صالح نمیری اجازت لینا ہی نہیں چاہتا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ حسن بن صباح سحر اور علم نجوم کا عامل ہے اور اس سے بڑھ کر اُس کی کوئی حیثیت نہیں۔ وہ حسن بن صباح کے اس علم اور عمل کا قائل ہو گیا تھا۔ اُس نے سچ مان لیا تھا کہ خزانہ موجود ہے اور اس کا وہی راستہ ہے جو حسن بن صباح نے اسے بتایا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس قسم کے جادوگر اپنے ساتھ ایک دو خوبصورت لڑکیاں رکھتے ہیں۔ فرح کو بھی اُس نے ایسی ہی لڑکی سمجھا تھا اور اُس نے یہ بھی مان لیا تھا کہ فرح امیرِ شاہ در احمد بن غطاش کی بھانجی ہے اور اس نے یہ بھی تسلیم کر لیا تھا کہ فرح اُسی کی محبت میں مبتلا ہو گئی ہے۔

یہ سب کچھ جانتے ہوئے اُس نے اُپنے آپ کو یقین دلا لیا تھا کہ فرح کو ساتھ لے جانے سے اس کی مہم پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑے گا۔ فرح اُس کا جذباتی معاملہ بھی بن گئی تھی لیکن یہ لڑکی اُس کے ساتھ جانے کو تیار نہیں تھی۔

صالح نمیری آخر اتنے بڑے شہر کا حکمران تھا۔ وہ برداشت نہ کر سکا کہ ایک لڑکی اُس

کی بات نہیں مان رہی۔ اُس نے اُسی وقت دو آدمیوں کو بلایا اور انہیں حکم دیا کہ اس لڑکی کے منہ پر کپڑا باندھ کر اسے لکڑی کے تابوت جیسے بکس میں ڈال دیا جائے اور اس بکس میں ہر طرف سے سوراخ کر دیئے جائیں تاکہ ہوا کا گزر ہوتا رہے۔

صبح طلوع ہوئی۔ حسن بن صباح جاگا تو وہ اچھل کر بستر سے نکلا۔ اُس نے اپنے دو آدمیوں کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ صالح نمیری کا قافلہ چلا گیا ہے یا نہیں۔

"آپ کا تیر کبھی خطا نہیں گیا" ـــ ایک آدمی نے ہنستے ہوئے کہا ـــ "ہم اُس کی روانگی کو دیکھنے کے لئے جاگتے رہے ہیں۔

"تم دونوں شاہ در چلے جاؤ" ـــ حسن بن صباح نے کہا ـــ "احمد بن غطاش سے کہو کہ میں نے خلجان لے لیا ہے۔ تم یہاں آ جاؤ۔ اُسے ساری بات بتا دینا کہ صالح نمیری کو ہم نے کس طرح غائب کیا ہے۔ اُسے یہ بھی بتانا کہ اس میں فرح کا بھی کمال شامل ہے..... تم ابھی روانہ ہو جاؤ۔ فرح ابھی سوئی ہوئی ہو گی۔ اُسے سویا رہنے دو"۔

حسن بن صباح نے بہت دیر فرح کا انتظار کیا۔ اُسے ہر طرف تلاش کیا۔ وہ کہیں بھی نہ ملی۔

اُس وقت فرح سوراخوں والے تابوت میں بند نہ جانے کتنے میل خلجان سے دُور پہنچ چکی تھی۔ صالح نمیری کا قافلہ اُس جنگل میں داخل ہو چکا تھا جس میں حسن بن صباح کے کہنے کے مطابق بڑی خطرناک دلدل تھی۔

Scanned by iqbalmt

کیا حسن بن صباح پریشان ہو گیا تھا کہ فرح لاپتہ ہو گئی ہے؟

کیا اُس نے اپنے بالکوں کو حکم دیا تھا کہ صالح نمیری کے پیچھے جاؤ' فرح اُس کے ساتھ چلی گئی ہو گی!

کیا وہ فرح کے فراق میں دیوانہ ہُوا جا رہا تھا؟

نہیں..... اُس نے فرح کے تعاقب میں اپنے آدمی بھیجنے کی بجائے انہیں شاہ در اور بن غطاش کے نام یہ پیغام دے کر بھیج دیا کہ میں نے خلجان کا شہر لے لیا ہے' "فوراً" یہاں آجائیں۔ اُس کی نگاہ میں ایک لڑکی کوئی ایسی اہمیت نہیں رکھتی تھی کہ اُس کے جذبات میں ہلچل بپا ہو جاتی۔ وہ ایک حسین لڑکی کو دوسروں کے جذبات میں ہلچل بپا کرنے اور دوسروں کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنے کا ذریعہ سمجھتا تھا۔

اس کی دنیا کی سرحد صرف ایک فرح کی محبت پر ختم نہیں ہو جاتی تھی۔ وہ ستاروں پر کمندیں ڈالنے والا انسان تھا۔

حسن بن صباح تھا تو انسان ہی لیکن اُس کی تاریخ کے واقعات گواہی دیتے ہیں کہ وہ انسانیت کی سرحدوں سے نکل کر ابلیسیت کی سرحدوں میں داخل ہو گیا تھا۔

اُس کی نگاہیں اُفق کے اُس لامحدود گول دائرے تک دیکھ رہی تھیں جہاں آسمان جُھک کر زمین کو چومتا ہے۔ ایک فرح اُس کی نگاہوں کے آگے رکاوٹ نہیں بن سکتی تھی۔

حسن بن صباح ایک آتش فشاں پہاڑ تھا اور وہ اپنے ابلیسی وجود میں ایسا لاوا پکا رہا تھا جس نے بڑی ہی اہم تاریخی شخصیات کو صفحۂ ہستی سے غائب کر دینا تھا اور بستیاں اجاڑ دینی تھیں۔

حسن بن صباح نے وہ مقام حاصل کیا کہ اُس نے کسی بادشاہ کے قتل کا حکم دیا تو اُس کے فدائین نے اُسے قتل کر دیا۔ اس نے جو فدائین تیار کئے تھے وہ پاگل پن کی حد تک جنونی تھے۔ داستان گو آگے چل کر سنائے گا کہ حسن بن صباح نے ان پر یہ جنون کس طرح طاری کیا تھا کہ ان میں سے بعض خود بھی قتل ہو جاتے تھے لیکن اپنے شکار کو قتل کر کے قتل ہوتے تھے۔

داستان گو کو حسن بن صباح کے حکم سے قتل ہونے والی جن اہم شخصیتوں اور حکمرانوں کے نام فوری طور پر یاد آئے ہیں' وہ یہ ہیں:

1092ء میں حسن بن صباح نے جو سب سے پہلی نہایت اہم شخصیت قتل کروائی' وہ سلجوقی سلطان ملک شاہ کا وزیر خواجہ حسن طوسی تھا جسے غیر معمولی قابلیت اور حسنِ کارکردگی کی بدولت نظام الملک کا خطاب دیا تھا۔ نظام الملک حسن بن صباح کا محسن تھا۔

1092ء میں ہی حسن بن صباح نے نظام الملک کے دو بیٹوں کو قتل کروایا تھا۔

1102ء میں حمس کے ایک شہزادے کو اُس وقت قتل کروایا جب وہ جامع مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا۔

1113ء میں مُوصل کے شہزادہ مودود کو جامع مسجد میں نماز پڑھتے قتل کروایا۔

1114ء میں سلجوقی سلطان سنجر شاہ کے وزیر عبدالمظفر علی اور اس کے دادا چکر بیگ کو قتل کروایا۔

1121ء میں فارس کے ایک سلطان کی موجودگی میں مرغ کے ایک شہزادے کا کام بغداد میں تمام کروایا۔

1121ء میں ہی قاہرہ میں ایک مصری وزیر کو حسن بن صباح کے فدائین نے قتل کیا۔

1126ء میں حلب اور مُوصل کے ایک شہزادے کو مسجد میں قتل کیا گیا۔

1127ء میں سنجر شاہ کے وزیر معین الدین کو فدائین نے قتل کیا۔

1129ء میں مصر کا خلیفہ حسن بن صباح کے فدائین کا شکار ہُوا۔

1134ء میں دمشق کا ایک شہزادہ فدائین کے ہاتھوں مارا گیا۔

1135ء سے 1138ء کے عرصے میں خلیفہ مسترشید' خلیفہ رشید اور آذربائی جان کا سلجوقی شہزادہ داؤد قتل ہوئے۔

1149ء میں طرابلس کا حکمران ریمانڈ فدائین کے ہاتھوں قتل ہُوا۔

1174ء سے 1176ء کے عرصے میں حسن بن صباح کے فدائین نے سلطان صلاح الدین ایوبی پر چار قاتلانہ حملے کئے اور سلطان ایوبی ہر بار بچ نکلا۔ [1]

یہ تمام قتل حسن بن صباح کی زندگی میں نہیں ہوئے تھے۔ اس کے مرنے کے بعد بھی اس کے فدائین نے جو حشیشین کے نام سے مشہور ہوئے' اہم شخصیتوں کے قتل کا

ع1 ان قاتلانہ حملوں کی سنسنی خیز تفصیلات مکتبہ داستان کی شہرۂ آفاق کتاب "داستان ایمان فروشوں کی" (پانچ جلدوں) میں پڑھیں۔

Scanned by iqbalmt

سلسلہ جاری رکھا تھا' پھر آہستہ آہستہ یہ لوگ کرائے کے قاتل بن گئے تھے۔ انہیں عیسائی بادشاہوں اور جرنیلوں نے بھی ایک دوسرے کو قتل کرنے کے لئے استعمال کیا تھا۔

○

یہ بہت بعد کی باتیں ہیں..... بہت بعد کے واقعات ہیں جب حسن بن صباح بے تاج بادشاہ اور ایک ہیبت کی علامت بن گیا تھا۔ قتل کے یہ تمام واقعات اپنے اپنے مناسب اور موزوں موقع پر سنائے جائیں گے۔ داستان گو ابھی داستان کے اس ابتدائی مرحلے میں ہے جہاں حسن بن صباح اپنے ابلیسی عزائم کی تکمیل کے لئے زمین ہموار کر رہا تھا۔ اُس نے اس خطے کا ایک اور قلعہ بند شہر خلجان لے لیا تھا۔

اُس کی نظر اب قلعہ الموت پر تھی جسے اُس نے اپنا مرکز اور مستقر بنانا تھا۔ اتنے بڑے عزائم اور اتنے بڑے منصوبے میں فرح کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔

"یا مرشد!" ___ حسن بن صباح کے ایک خاص آدمی نے اُسے کہا ___ "یہ تو معلوم کر لینا چاہیے وہ گئی کہاں؟ اگر وہ صالح نمیری کے ساتھ چلی گئی ہے تو خطرہ ہے کہ اُسے بخیر وعافیت واپس لے آئے گی"۔

"وہ اُسی کے ساتھ گئی ہے" ___ حسن بن صباح نے کہا ___ "اور اُسی کے ساتھ مرے گی۔ صالح نمیری کے دماغ پر جس طرح خزانہ سوار ہوا ہے وہ واپس نہیں آئے گا"۔

اُس وقت صالح نمیری اُس جنگل میں داخل ہو چکا تھا جس کے اندر کہیں کہیں کچھ حصہ دلدلی تھا۔

فرح تابوت میں بند تھی۔ تابوت میں ہوا کے لئے سوراخ رکھے گئے تھے۔ تابوت ایک اونٹ پر لدا ہوا تھا۔ فرح کے منہ پر کپڑا بندھا ہوا تھا۔ صالح نمیری نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ ہم بہت دور آ گئے ہیں۔ اگر اس لڑکی کو واپس لے جانے کے لئے ہمارے پیچھے کوئی آتا تو وہ اب تک یہاں پہنچ چکا ہوتا۔ اب اس لڑکی کو تابوت سے نکال لیا جائے تو کوئی خطرہ نہیں۔

"ہاں امیر خلجان!" ___ اُس کے ایک آدمی نے کہا ___ "خطرہ کیسا؟ یہ بھاگ کر جائے گی کہاں؟"

تابوت کھول کر فرح کو نکال لیا گیا۔ ایک تو وہ تابوت میں گزشتہ رات سے بند تھی' اس کے ساتھ اونٹ کے ہچکولے' اُس کی ہڈیاں بھی دُکھ رہی تھیں۔ تابوت سے نکل کر کچھ دیر تو وہ بول ہی نہ سکی۔ صالح نمیری کے آدمی ان دونوں سے دور ایک اوٹ میں بیٹھ گئے تھے۔

"مجھے اپنے ساتھ کیوں لے آئے ہو؟" ___ فرح نے ایسی آواز میں کہا جو رندھی ہوئی تھی اور غصیلی بھی تھی۔

"محبت کی خاطر!" ___ صالح نمیری نے کہا۔

"اگر تمہیں میرے ساتھ اتنی ہی محبت ہے تو مجھے اتنی خطرناک مہم میں اپنے ساتھ نہ لے جاؤ" ___ فرح نے کہا ___ "کیا میں اتنی مشکلات اور اتنی زیادہ دشواریاں برداشت کر سکوں گی؟"

"محبت کی ابتدا تو تم نے کی تھی فرح!" ___ صالح نمیری نے کہا ___ "کیا تم میرے پاس محبت کا پیغام لے کر نہیں آئی تھیں؟ تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ تم میرے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہو"۔

فرح کی محبت کی جو حقیقت تھی وہ فرح جانتی تھی۔ اُسے تو جال میں دانے کے طور پر استعمال کیا گیا تھا۔ وہ صالح نمیری کو جال میں لے آئی تھی۔ وہی جانتی تھی کہ اس خزانے کا وجود ہے ہی نہیں جس کی تلاش میں صالح نمیری جا رہا ہے۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ حسن بن صباح نے صالح نمیری کو موت کے منہ میں ڈال دیا ہے اور اس کا زندہ واپس آ جانا کسی صورت ممکن نہیں' لیکن اُس کے اپنے زندہ واپس آ جانے کے امکانات بھی ختم ہو چکے تھے۔

وہ تو اب یہ سوچ رہی تھی کہ حسن بن صباح سے وفا کرے یا اپنی زندگی سے۔ یہ عمر مرنے کی نہیں تھی جب اُس کا شباب عروج پر تھا۔ صالح نمیری کے ساتھ اُس نے بات کر کے دیکھ لی تھی۔ یہ شخص تو ایک چٹان تھا جسے اپنی جگہ سے سرکانا فرح کے بس کی بات نہیں تھی۔

اُس کے سامنے ایک راستہ یہ تھا کہ صالح نمیری کو بتا دے کہ وہ ایسے دھوکے کا شکار ہو رہا ہے جس کا انجام موت ہے اور وہ وہیں سے واپس چلا جائے' اور اگر وہ واپس نہ گیا تو وہ صرف مرے گا ہی نہیں بلکہ اس کا اتنا بڑا شہر خلجان اور قلعہ ہاتھ سے نکل جائے گا اور

Scanned by iqbalmt

اس کا خاندان بھکاری بن جائے گا۔

اُس نے اس پر غور کیا تو اُسے صاف نظر آنے لگا کہ اُسے حسن بن صباح غداری کے جرم میں قتل کرا دے گا۔ اُسے معلوم تھا کہ حسن بن صباح کا دل رحم اور بخشش کے جذبات سے خالی ہے۔ کسی کو قتل کرا دینے سے اُسے روحانی تسکین ملتی تھی۔

فرح کے لئے اِدھر بھی موت تھی اُدھر بھی موت۔ اسے یہ دیکھنا تھا کہ کون سی موت آسان ہے۔

اگر وہ حسن بن صباح سے وفا کرتی ہے تو وہ آگے آنے والے صحرا میں جھلس کر' پیاس سے تڑپ تڑپ کر بڑی ہی اذیّت ناک موت مرے گی۔ جل جل کر مرے گی..... ایسی موت کے تصوّر سے ہی اُس نے اپنے وجود میں لرزہ محسوس کیا۔

پھر اسے دوسرا خیال آیا۔ وہ صالح نمیری کو واپس لے جاتی ہے اور حسن بن صباح کو اس کی غداری کا پتہ چل جاتا ہے تو وہ اپنے ہاتھوں یا اپنے کسی آدمی کے ہاتھوں اُس کا سر تن سے جدا کرا دے گا۔ یہ موت سہل ہو گی۔

وہ تو زندہ رہنا چاہتی تھی۔ حسن بن صباح نے اُسے آلۂ کار بنایا تھا اور اُسے شہزادی بنا کے رکھا ہُوا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ حسن بن صباح اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ حسن بادشاہوں کا بادشاہ بنتا جا رہا تھا' لیکن زندگی بڑی پیاری ہوتی ہے۔ وہ تو سوچ سوچ کر بے حال ہوئی جا رہی تھی۔

○

"کس گہری سوچ میں کھو گئی ہو فرح!" ——— صالح نمیری نے کہا ——— "واپس جانے کا خیال دل سے نکال دو۔ دل میں اس خزانے کو رکھو جو ہم لینے جا رہے ہیں۔ میں واپس آ کر باقاعدہ فوج بناؤں گا اور اس علاقے کے تمام قلعے فتح کر لوں گا۔ میں بادشاہ ہوں گا' تم ملکہ ہو گی"۔

"اگر ہم زندہ واپس آئے تو!" ——— فرح نے کہا۔

"ہم زندہ واپس آئیں گے" ——— صالح نمیری نے کہا۔

"اگر میں کہوں کہ آپ جہاں جا رہے ہیں وہاں کوئی خزانہ نہیں تو کیا آپ مان لیں گے؟" ——— فرح نے پوچھا۔

"بالکل نہیں!" ——— صالح نمیری نے کہا۔

فرح نے دیکھا کہ صالح نمیری کے دماغ پر خزانہ ایسا سوار ہُوا ہے کہ اُس کا دماغی توازن صحیح نہیں رہا۔ اُس نے ایک اور دلیل سوچ لی۔

"آپ تو بڑے پکے مسلمان ہُوا کرتے تھے" ——— فرح نے کہا ——— "پتہ چلا تھا کہ آپ زاہد اور پارسا ہیں' اہلِ سُنّت ہیں لیکن اس خزانے نے تو آپ کے دل سے خدا کو نکال دیا ہے۔ میں آپ کی کچھ نہیں لگتی لیکن آپ مجھے اپنے ساتھ لے آئے ہیں' صرف اس لئے کہ میں خوبصورت اور جوان لڑکی ہوں"۔

"میں جانتا ہوں تم کیا کہنا چاہتی ہو" ——— صالح نمیری نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا ——— "مجھے آگے جانے سے روکنے کے لئے تم یہ کہو گی کہ مسلمان اپنے دلوں میں خزانے کا لالچ نہیں رکھا کرتے۔ تم مجھے خلفائے راشدین کی سادگی کی باتیں سناؤ گی..... میری بات غور سے سن لو فرح! وہ وقت اور تھا' وہ مسلمان اور تھے۔ آج کے وقت کا تقاضا کچھ اور ہے۔ آج طاقت اُس کے پاس ہے جس کے پاس خزانہ ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ آج خدا بھی اُسی کا ہے جس کے پاس خزانہ ہے۔ میں نے خدا کے آگے رکوع و سجود کرتے ایک عمر گذار دی ہے لیکن خدا نے مجھے اس خزانے کا اشارہ نہیں دیا" ——— اچانک اُس کی آواز اونچی اور تحکمانہ ہو گئی۔ اُس نے کہا ——— "تم میری ملکیت ہو۔ تم اس سفر کی صعوبتوں اور خطروں کے اور موت کے خوف سے مجھے آگے بڑھنے سے روک رہی ہو۔ میں قلعہ خلجان کا والی اور امیرِ شہر ہوں۔ میرا حکم چلتا ہے۔ یہ گیارہ آدمی جو میرے ساتھ جا رہے ہیں' یہ میرے حکم کے غلام ہیں۔ تم بھی میرے حکم کی پابند ہو"۔

خزانے کے تو اپنے اثرات تھے لیکن صالح نمیری کو فرح نے ایک پھول دیا تھا جس کی خوشبو کی اُس نے بہت تعریف کی تھی۔ پھر فرح نے اُسے رُدّی پر اسی خوشبو کا عطر لگا کر دیا جو اُس نے اپنی مونچھوں پر مل لیا تھا۔ وہ نہ جان سکا کہ یہ خوشبو حسن بن صباح کی ایجاد ہے اور یہ خوشبو انسان کے خیالات کو بدل دیتی ہے۔ تصوّر کو انسان حقیقت اور حقیقت کو تصوّر سمجھنے لگتا ہے۔

فرح خاموش ہو گئی۔

دن ابھی آدھا گذرا تھا۔ صالح نمیری نے اپنے قافلے کو کوچ کا حکم دیا اور یہ حکم بھی کہ تابوت کو توڑ دیا جائے۔ انہوں نے چار گھوڑے فالتو ساتھ لے لئے تھے۔ سفر ایسا تھا

Scanned by iqbalmt

کہ گھوڑے مرسکتے تھے۔ یہ چار گھوڑے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ساتھ لے جائے جارہے تھے۔ ایک گھوڑے پر فرح کو سوار کردیا گیا۔

○

جنگل زیادہ گھنا ہوتا جارہا تھا۔ اس میں اونچی نیچی ٹیکریاں اور سلوں والی چٹانیں بھی تھیں۔ جگہ جگہ پانی جمع تھا۔ چلنے کا راستہ مشکل سے ہی ملتا تھا۔ ہر آٹھ دس قدموں کے بعد دائیں یا بائیں مڑنا پڑتا تھا۔ اس طرح فاصلہ زیادہ ہی ہوتا جارہا تھا۔

سورج افق کے پیچھے چلا گیا۔ جنگل اتنا گھنا تھا کہ شام بہت جلد تاریک ہوگئی۔ صالح نمیری وہیں رک گیا اور اپنے آدمیوں سے کہا کہ رات گذارنے کے لئے جگہ دیکھیں۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک جگہ دیکھ لی گئی جو قدرے وسیع اور ہموار تھی۔ اس کے اردگرد ہری سرسبز ٹیکریاں تھیں۔ گھنے درختوں نے شامیانے تان رکھے تھے۔

دو مشعلیں جلاکر زمین میں گاڑ دی گئیں۔ صالح نمیری کا خیمہ نصب ہونے لگا تو فرح بگڑ گئی۔

"میں الگ خیمے میں سوؤں گی" ــــ اُس نے کہا ــــ "اپنے ساتھ چھوٹے خیمے بھی ہیں"۔

"آخر تم نے میری بیوی بننا ہے" ــــ صالح نمیری نے کہا ــــ "یہ تمہارا اپنا فیصلہ ہے۔ اگر تم میرے خیمے میں سوؤگی تو یہ معیوب فعل نہیں ہوگا"۔

"بیوی بن جانے تک آپ میرے لئے غیر مرد ہیں" ــــ فرح نے کہا ــــ "میں مسلمان کی بیٹی ہوں۔ میں اسلام کی پوری پابندی کروں گی"۔

"ایک چھوٹا خیمہ اور لگادو" ــــ صالح نمیری نے حکم کے لہجے میں کہا۔

خیمہ گاہ میں دو چھوٹے اور دو بڑے خیمے کھڑے ہوگئے۔ بڑے خیمے گیارہ آدمیوں کے لئے تھے جو چھوٹے خیموں سے دور نصب کئے گئے تھے۔ دونوں چھوٹے خیموں کے درمیان فرح نے خاصا فاصلہ رکھوایا تھا۔ اُس نے صالح نمری کے ساتھ ایسی باتیں کی تھیں کہ یہ شخص اس سے متاثر ہوگیا اور وہ فرح کو شرم و حجاب والی بااخلاق لڑکی سمجھ بیٹھا۔ اُسے بتانے والا کوئی نہ تھا کہ یہ لڑکی حسن بن صباح کی شاگرد ہے اور زبان کا جادو چلانے میں مہارت رکھتی ہے۔ فرح نے اُسے اپنی محبت کا بھی یقین دلادیا تھا۔

کھانا کھاکر سب سو گئے۔ دن بھر کی گھوڑسواری نے ان کی ہڈیاں توڑ دی تھیں۔

انہیں بیہوشی جیسی نیند نے خوابوں کی دنیا میں پہنچادیا۔ صرف فرح تھی جو جاگ رہی تھی اور نیند پر غلبہ پانے کی سرتوڑ کوشش کررہی تھی۔ وہ دوسروں کے سوجانے اور بہت سا وقت گذر جانے کی منتظر تھی۔ اُس نے کچھ سوچ کر صالح نمیری کے ساتھ وہ باتیں کی تھیں جن سے وہ متاثر بلکہ مسحور ہوگیا تھا۔

چاند اوپر آگیا تھا۔ مشعلیں سونے سے پہلے بجھادی گئی تھیں۔ جنگل اور صحرا کی چاندنی بڑی ہی شفاف ہوا کرتی ہے۔ چاندنی کی کرنیں درختوں سے چھن چھن کر آرہی تھیں۔ رات دبے پاؤں گذرتی جارہی تھی۔

فرح اُس دَور کی لڑکی تھی جب عورتیں بھی اپنے مردوں کے دوش بدوش لڑنے کے لئے میدانِ جنگ میں پہنچ جایا کرتی تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ مرد انہیں پیچھے رکھتے لڑاتے نہیں تھے۔ اُس وقت عورتیں بھی گھوڑسواری، تیغ زنی وغیرہ میں مہارت رکھتی تھیں۔ فرح تو خاص طور پر پھرتیلی اور چست و چالاک لڑکی تھی۔

نصف شب سے کچھ دیر پہلے فرح خیمے سے نکلی اور قریب کے ایک درخت کی اوٹ میں ہوگئی۔ خیموں کو باری باری دیکھا۔ ہر خیمے کے پردے گرے ہوئے تھے۔ وہ پیچھے ایک اور درخت کی اوٹ میں چلی گئی۔ وہاں اونچی گھاس تھی۔ وہ اس گھاس کے نیچے ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل چل پڑی۔

گھوڑے اور اونٹ خیموں سے کچھ دور ایک ٹیکری کے پیچھے باندھے گئے تھے۔ فرح خیموں سے دور چلی گئی تھی۔ گھاس، جھاڑیوں اور درختوں کی اوٹ میں وہ چکر کاٹ کر گھوڑوں تک پہنچی۔ زینیں وغیرہ گھوڑوں کے قریب پڑی تھیں۔ فرح نے ایک زین بغیر آواز پیدا کئے اٹھائی اور ایک گھوڑے کی پیٹھ پر رکھ کر کس دی پھر گھوڑے کے منہ پر لگام بھی چڑھادیا۔ رکاب میں پاؤں رکھا اور گھوڑے پر سوار ہوگئی۔

اُس نے گھوڑے کو فوراً ایڑ نہ لگائی تاکہ قدموں کی آہٹ نہ ہو لیکن وہ زمین پتھریلی تھی، آواز پیدا ہو ہی گئی۔ رات کے سناٹے میں ہلکی سی یہ آواز اتنی اونچی سنائی دی کہ ایک آدمی کی آنکھ کھل گئی۔ اُسے گھوڑے کے ٹاپ سنائی دینے لگے جو دور ہٹتے جا رہے تھے۔

وہ اپنے کسی ساتھی کو جگائے بغیر خیمے سے نکلا اور اپنے گھوڑوں کی طرف گیا۔ ایک گھوڑا کم تھا۔ زینیں دیکھیں۔ ایک زین کم تھی۔

Scanned by iqbalmt

"ایک گھوڑا کوئی لے گیا ہے اوئے!" ــــ اُس نے بلند آواز سے کہا۔

اُس کے ساتھی ہڑبڑا کر اُٹھے اور باہر کو دوڑے۔ اُدھر کچھ دور گھوڑے کے سرپٹ دوڑتے ٹاپ سنائی دیئے۔ فرح نے اس خیال سے گھوڑے کو ایڑ لگادی تھی کہ وہ خاصی دُور نکل آئی ہے۔ اسے واپسی کے راستے کا اندازہ تھا۔

ان سب کی آوازوں پر صالح نمیری بھی جاگ اٹھا۔ خیمے سے نکل کر اس نے وہیں سے پوچھا یہ کیا شور ہے۔

"ایک گھوڑا چوری ہو گیا ہے" ــــ ایک آدمی نے کہا۔

صالح نمیری یہ سنتے ہی فرح کے خیمے کی طرف دوڑا۔ خیمے میں دیکھا۔ فرح وہاں نہیں تھی۔

"بدبختو!" ــــ صالح نمیری نے کہا ــــ "وہ بھاگ گئی ہے۔ دو آدمی فوراً اس کے پیچھے جاؤ۔ وہ موت کے ڈر سے میرا ساتھ چھوڑ گئی ہے۔ اُسے پکڑ کر لے آؤ۔ میں اُسے یہیں درخت کے ساتھ الٹا لٹکا کر آگے چلا جاؤں گا"۔

دو آدمیوں نے بہت تیزی سے گھوڑوں پر زینیں کسیں اور سوار ہو کر ایڑ لگادی۔

○

فرح دُور نکل گئی تھی اور وہ صحیح راستے پر جا رہی تھی۔ گھوڑا اس کا خوب ساتھ دے رہا تھا۔ شفاف چاندنی اسے راستہ دکھا رہی تھی۔ وہ تین میل سے زیادہ فاصلہ طے کر گئی۔ ایک جگہ درخت کم ہو گئے تھے اور ایک دوسرے سے دور دور تھے۔

اس نے بڑی زور سے باگ کھینچی۔ طاقتور گھوڑا فوراً رک گیا۔ فرح کو بیس پچیس گھوڑ سوار دکھائی دیئے جو دائیں سے بائیں طرف جا رہے تھے یعنی فرح کا راستہ کاٹ رہے تھے۔ فاصلہ ایک سو گز سے کچھ کم ہی ہو گا۔ فرح ان کے گذر جانے کا انتظار کرنے لگی۔ اُس کا راستہ یہی تھا۔ فرح اگر مرد ہوتی تو اسے رکنے کی ضرورت نہیں تھی۔ رات کو مسافر چلتے ہی رہتے ہیں لیکن فرح جوان اور بڑی ہی خوبصورت لڑکی تھی اور اس جنگل میں تنہا تھی۔ اُسے کسی آدمی نے بخشنا نہیں تھا۔

ان سواروں میں سے کسی نے فرح کو دیکھ لیا اور ایک آدمی کو بتایا جو اس قافلے کے آگے آگے جا رہا تھا۔ اُس نے حکم دیا کہ جاؤ دیکھو کون ہے، مجھے تو عورت لگتی ہے۔

ایک سوار نے فرح کی طرف گھوڑا دوڑایا۔ فرح نے اپنا گھوڑا ایک اور طرف دوڑا

دیا۔ حکم دینے والے آدمی نے کہا کہ دو تین اور آدمی جاؤ..... تین اور سواروں نے گھوڑے دوڑا دیئے۔ فرح نے ان سے بچنے کی بہت کوشش کی۔ گھوڑے کو بہت موڑا اور گھمایا لیکن وہ چار سواروں کے گھیرے میں آگئی اور پکڑی گئی۔

اُدھر سے صالح نمیری کے دو سوار آگئے۔ انہوں نے فرح کو دیکھا تو رک گئے۔

"یہ ہمارے امیر کی لڑکی ہے" ــــ ایک سوار نے کہا ــــ "اُس سے بھاگ آئی ہے۔ اسے ہمارے حوالے کر دو"۔

"نہیں!" ــــ فرح نے کہا ــــ "یہ جھوٹ کہتے ہیں۔ ان کے امیر کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں۔ یہ مجھے اغوا کر کے لے جا رہے تھے اور میں بھاگ آئی۔ مجھے خلجان پہنچا دو"۔

"تم بھائیو جاؤ" ــــ صالح نمیری کے ایک سوار نے کہا ــــ "یہ جس کی لڑکی ہے وہ خلجان کا امیر اور والیٔ قلعہ ہے۔ ہم اسے اُس کے حوالے کریں گے"۔

فرح نے ان کے ساتھ جانے سے صاف انکار کر دیا۔ چار سواروں نے صالح نمیری کے سواروں سے کہا کہ وہ واپس چلے جائیں اور اس لڑکی کو بھول جائیں۔ دونوں سواروں نے ان چار سواروں کو عام مسافر سمجھ کر تلواریں نکال لیں۔ ان چاروں نے بھی تلواریں نکال لیں، پھر تلواروں سے تلواریں ٹکرانے لگیں۔ تب ان دو سواروں کو پتہ چلا کہ یہ تو بڑے ماہر تیغ زن ہیں۔ انہوں نے مقابلہ تو کیا لیکن وہ چار تھے۔ ان کی تلواروں نے ان دونوں کو بُری طرح کاٹ پھینکا۔

ان سواروں نے صالح نمیری کے سواروں کی تلواریں اٹھائیں، نیامیں اتار کر تلواریں ان میں ڈالیں، ان کے گھوڑے پکڑے اور فرح کو ساتھ لے کر چل پڑے۔

"تم کون لوگ ہو؟" ــــ فرح نے ان سے پوچھا ــــ "کہاں جا رہے ہو؟"

"غلط فہمی میں نہ رہنا لڑکی!" ــــ ایک نے کہا ــــ "ہم کسی کو دھوکے میں نہیں رکھا کرتے۔ ہم صحرائی قزاق ہیں۔ اپنے سردار کے پاس جا رہے ہیں"۔

"کیا تم لوگ مجھے خلجان پہنچا دو گے؟" ــــ فرح نے کہا ــــ "مجھے خلجان کے راستے پر ڈال دینا، میں اکیلی چلی جاؤں گی"۔

"تمہارے اس سوال کا جواب ہمارا سردار ہی دے سکتا ہے" ــــ ایک سوار نے کہا۔

Scanned by iqbalmt

"جواب مجھ سے سن لو" ـــــ ایک اور سوار بولا ـــــ "تم بہت حسین لڑکی ہو۔ ہیروں کی قدر صرف ہمارا سردار ہی کر سکتا ہے۔ وہ تمہیں نہیں جانے دے گا"۔

فرح کے لئے یہ خبر بہت ہی بُری تھی۔ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی سوائے اس کے کہ ان کے ساتھ چلی جاتی۔ اُس نے کیا بھی یہی۔ مزاحمت تو دُور کی بات ہے' اُس نے زبان بھی نہ ہلائی اور اس طرح ان کے ساتھ چل پڑی جیسے وہ اپنی خوشی اور مرضی سے جا رہی ہو لیکن اُس کا دماغ بڑی تیزی سے سوچ رہا تھا۔

اُس کے دل و دماغ پر حسن بن صباح طاری رہتا تھا اس لئے اُس کے سوچنے کا انداز حسن بن صباح جیسا ہی تھا..... اور یہ انداز ابلیسی تھا..... ایسے اندازِ فکر میں یہ پابندی نہیں ہُوا کرتی کہ کسی کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے اور اپنا مفاد حاصل کرتے کرتے کسی اور کی حق تلفی نہ ہو جائے۔ اس لڑکی کے سوچنے کا انداز یہ تھا کہ باپ بیٹے کو ذبح کر دے' بہن بھائی کا گلا کاٹ دے' بیٹا ماں کا پیٹ چاک کر دے' میرا بھلا ہو جائے۔

قزاقوں کے سردار تک پہنچتے فرح کے دماغ نے اُسے راہِ نجات دکھا دی۔

○

"اوہ!" ـــــ سردار نے چاندنی میں فرح کا چہرہ دیکھ کر حیرت زدگی کے عالم میں کہا ـــــ "کیسے مان لوں کہ تُو نسلِ انسانی سے ہے اور تُو جہانِ دِگر کی پُراسرار مخلوق میں سے نہیں؟"

سردار لب و لہجے اور اندازِ تکلّم سے عربی لگتا تھا عرب یوں بات کیا کرتے تھے جیسے آزاد نظم سنا رہے ہوں۔

"یہ کہتی ہے اسے امیرِ خلجان اغوا کر کے لے جا رہا تھا" ـــــ ایک سوار نے کہا۔

"دو سوار اس کے پیچھے آئے تھے" ـــــ ایک اور سوار بولا ـــــ "ہم نے دونوں کو مار ڈالا ہے"۔

"امیرِ خلجان؟" ـــــ سردار نے سوالیہ انداز سے پوچھا ـــــ "یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ یہ چاند نہیں سورج ہے۔ امیرِ خلجان کو کیا پڑی ہے کہ وہ ایک لڑکی کو اغوا کر کے لے جا رہا ہو؟..... کیا وہ تجھے کہیں سے زبردستی اٹھوا کر خلجان لے جا رہا تھا؟..... گھوڑے سے اترو' آؤ' ہمارے پاس بیٹھو اور گلاب کی ان پنکھڑیوں کو ذرا حرکت دو کہ ہم تیری اصلیت جان سکیں"۔

"پہلے ان پنکھڑیوں کی قدر و قیمت پہچانو" ـــــ فرح نے سردار کا اندازِ تکلّم بھانپ کر کہا ـــــ "تم پتھروں کے سوداگر ہو' ہیروں کی قدر کیا جانو!..... پہلے میں ایک امیرِ شہر کی داشتہ تھی' اب ایک قزاق کی لونڈی بن گئی ہوں۔ میری اصلیت کو قزاقوں کا سردار نہیں سمجھ سکتا"۔

"ہا ہا' ہا ہا!" ـــــ سردار نے فرمائشی قہقہہ لگا کر کہا ـــــ "میں چاندنی میں ہیروں کی طرح چمکتی ہوئی تیری آنکھوں کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ انسان کے نطفے سے پیدا ہونے والی کسی عورت کی آنکھیں اس قدر مخمور اور سحر انگیز ہو سکتی ہیں؟ لیکن تیری زبان کا حُسن ان نشیلی آنکھوں کے سحر سے زیادہ اثر انگیز ہے"۔

"میرے حُسن کو ہی نہ دیکھ اے سردار!" ـــــ فرح نے کہا ـــــ "میں تجھے ہفت اقلیم کا شہنشاہ بنا سکتی ہوں تیری ذرا سی ہمت کی ضرورت ہے۔ اب اپنی حالت دیکھ' اپنے آپ کو پہچان۔ کیا تُو شکار کی تلاش میں جنگل جنگل' صحرا صحرا مارا مارا نہیں پھر رہا؟ کسی بہت بڑے قافلے کو لُوٹ کر تُو بہت بڑا خزانہ حاصل کر لیتا ہے لیکن رہتا قزاق کا قزاق ہی ہے۔ میں تجھے ایک خزانے کا راستہ دکھاتی ہوں۔ وہ تیرے ہاتھ آ جائے تو تُو ایک فوج تیار کر کے سلطنتِ سلجوق پر قبضہ کر سکتا ہے' عرب اور مصر کو اپنی سلطنت میں شامل کر سکتا ہے"۔

"کیا تو اپنے ہوش و حواس میں ہے لڑکی؟" ـــــ سردار نے کہا ـــــ "اگر تو دہشت زدگی سے دماغی توازن کھو نہیں بیٹھی تو یوں بول کہ میں کچھ سمجھ سکوں"۔

فرح نے ایک پتھر سے دو پرندے مارنے کی جو ترکیب سوچی تھی وہ اُس نے قزاقوں کے سردار کو سنا دی۔

"امیرِ خلجان ایک بڑا خزانہ نکال لانے کے لئے جا رہا ہے" ـــــ فرح نے کہا۔

"کہاں سے؟"

"نقشہ اُس کے پاس ہے" ـــــ فرح نے کہا ـــــ "اس پر راستہ دکھایا گیا ہے۔ واضح نشانیاں بھی موجود ہیں اور جن خطروں کا امکان ہے وہ بھی نقشے میں دکھائے گئے ہیں اور اس جگہ کی نشانیاں صاف دکھائی ہوئی ہیں جہاں خزانہ ایک غار میں رکھا ہُوا ہے"۔

"خزانے کی نشاندہی کس نے کی ہے؟"

"ایک درویش نے!" ـــــ فرح نے جھوٹ بولا ـــــ "امیرِ خلجان صالح نمیری نے

Scanned by iqbalmt

اس کی بہت خدمت کی تھی۔ میں نے سنا تھا کہ اس درویش کی کوئی خواہش تھی یا ضرورت تھی جو امیرِ خلجان نے بسرد چشم پوری کردی تھی"۔

"اور یہ بتا" ـــــ سردار نے پوچھا ـــــ "تو مجھ پر اتنی مہربان کیوں ہو گئی ہے کہ اتنا بڑا راز مجھے دے رہی ہے؟"

"اس کی وجہ بھی سن لے؟" ـــــ فرح نے کہا ـــــ "میرے دل میں خزانے کی ذرا سی بھی محبت نہیں۔ اس دل میں ایک آدمی کی محبت ہے۔ میری مجبوری یہ تھی کہ میں امیرِ خلجان کی داشتہ تھی۔ کچھ وقت ملتا تو اُس آدمی سے مل لیتی تھی۔ امیرِ خلجان درویش کے بتائے ہوئے خزانے کی تلاش میں چلا تو میں بہت خوش ہوئی کہ یہ جا رہا ہے تو میں اپنے محبوب کے پاس چلی جاؤں گی اور ہماری شادی ہو جائے گی لیکن امیرِ خلجان مجھے زبردستی اپنے ساتھ لے آیا۔ سفر میں آج ہماری پہلی رات ہے۔ میں نے موقع غنیمت جانا اور بھاگ نکلی۔ اگر تیرے آدمی مجھے پکڑ نہ لیتے تو میں کل اُس کے پاس ہوتی جو مجھے چاہتا ہے"۔

"کیا تُو یہ چاہتی ہے کہ میں تجھے چھوڑ دوں؟" ـــــ سردار نے پوچھا۔

"ہاں!" ـــــ فرح نے کہا ـــــ "تُو خزانوں کا متلاشی ہے، میں محبت کی پیاسی ہوں"۔

"لیکن تجھے امیرِ خلجان تک چلنا پڑے گا" ـــــ سردار نے کہا ـــــ "تیری یہ بات دھوکہ بھی تو ہو سکتی ہے۔ مجھے نقشہ مل جائے گا تو تجھے آزاد کر دوں گا"۔

"تُو تو مجھے آزاد کر دے گا" ـــــ فرح نے کہا ـــــ "امیرِ خلجان کو تُو نے زندہ چھوڑ دیا تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا"۔

"وہ زندہ نہیں رہے گا" ـــــ سردار نے کہا ـــــ "اٹھو، اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ"۔

○

"وہ ابھی تک نہیں آئے" ـــــ صالح نمیری کئی بار کہہ چکا تھا۔

"وہ اسے جانے نہیں دیں گے" ـــــ ہر بار اُس کا کوئی نہ کوئی آدمی اُسے کہتا، یا یہ ـــــ "جنگل میں بھٹک گئی ہوگی" ـــــ یا یہ ـــــ "جا نہیں سکتی۔ وہ اُسے لے کے ہی آئیں گے"۔

پھر انہیں گھوڑوں کے ٹاپ سنائی دینے لگے۔

"وہ آ رہے ہیں" ـــــ دو تین آدمیوں نے کہا۔

"اب میں اُسے ہر رات باندھ کے رکھا کروں گا" ـــــ صالح نمیری نے کہا۔

"نہیں امیرِ محترم!" ـــــ ایک آدمی نے کہا ـــــ "ہم اور آگے نکل جائیں گے تو یہ بھاگنے کی جرأت نہیں کرے گی۔ میں جانتا ہوں۔ کل کے سفر میں یہ جنگل ختم ہو جائے گا اور بے آب و گیاہ پہاڑی علاقہ شروع ہو جائے گا"۔

"ٹھہرو!" ـــــ صالح نمیری نے کہا ـــــ "سنو..... گھوڑے دو یا تین نہیں لگتے۔ کیا یہ بہت سے گھوڑے نہیں؟"

"ہاں امیرِ محترم!" ـــــ ایک آدمی نے کہا۔

وہ ابھی سمجھ بھی نہ پائے تھے کہ آنے والے گھوڑے دو ہیں، تین ہیں یا زیادہ ہیں کہ گھوڑوں کے ٹاپوں کا طوفان آ گیا اور اس کے ساتھ یہ للکار ـــــ "جو جہاں ہے وہیں کھڑا رہے"۔

وہ تقریباً پچیس قزاق تھے جنہوں نے صالح نمیری کی اس چھوٹی سی خیمہ گاہ کو گھیرے میں لے لیا۔

"امیرِ خلجان! نقشہ میرے حوالے کر دے" ـــــ سردار نے کہا ـــــ "وہ خزانہ ہمارا ہے"۔

صالح نمیری چپ چاپ اپنے خیمے میں چلا گیا۔ باہر آیا تو اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔

"دیکھتے کیا ہو" ـــــ اُس نے اپنے آدمیوں سے کہا ـــــ "ہتھیار اٹھاؤ۔ وہ خزانہ ہمارا ہے"۔

"ایک بار پھر سوچ لے صالح نمیری!" ـــــ سردار نے کہا ـــــ "ہم قزاق ہیں اور ہم زیادہ ہیں۔ نقشہ میرے حوالے کر دو اور زندہ واپس چلے جاؤ"۔

صالح نمیری کچھ جواب دیئے بغیر سردار کی طرف تیزی سے بڑھا۔ سردار کا گھوڑا اس کی طرف بڑھا۔ صالح نمیری تیزی سے بیٹھ گیا اور سردار کے گھوڑے کے پیٹ میں تلوار اتار دی۔ گھوڑا بڑی زور سے ہنہنایا اور اچھلنے کودنے لگا۔ سردار گھوڑے سے کود آیا۔

صالح نمیری کے ساتھ اب نو آدمی رہ گئے تھے۔ وہ جانباز قسم کے آدمی تھے۔ ان

Scanned by iqbalmt

میں سے بعض نے تلواریں اٹھالی تھیں اور بعض کے پاس برچھیاں تھیں۔ ان سب نے جانوں کی بازی لگادی لیکن نو پیادے پچیس سواروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔

معرکہ بڑا ہی خونریز تھا۔ فرح الگ کھڑی دیکھ رہی تھی اور اپنی چال کی کامیابی پر بہت ہی خوش تھی۔ وہ اب بھاگ نکلنے کا موقع دیکھ رہی تھی۔ اُس نے صرف یہ دیکھنا تھا کہ صالح نمیری مارا جاتا ہے یا نکل بھاگتا ہے۔ اُسے اتنے گھمسان کے معرکے اور اِدھر اُدھر بھاگتے دوڑتے' گھومتے مڑتے گھوڑوں میں صالح نمیری اور قزاقوں کا سردار نظر نہیں آ رہے تھے۔

"لڑکی اِدھر آجا!" — فرح کو آواز سنائی دی — "اپنے امیر کے خیمے تک آجا لڑکی!"

فرح گھوڑے سے اُتری اور صالح نمیری کے خیمے تک دوڑتی گئی۔ چاند سر پر آیا ہُوا تھا۔ چاندنی بہت ہی صاف ہو گئی تھی۔ اُس نے خیمے کے قریب صالح نمیری کی لاش پڑی دیکھی۔

"میرے ساتھ خیمے میں آ" — سردار نے فرح سے کہا — "اور بتا وہ نقشہ کہاں ہے"۔

سردار اور فرح اندر چلے گئے۔ فرح نے چمڑے کا ایک تھیلا اٹھا کر سردار کے حوالے کیا اور بتایا کہ نقشہ اس میں ہے۔ سردار تھیلا اٹھائے خیمے سے باہر آگیا۔ تھیلے میں کچھ اور چیزیں پڑی تھیں جو سردار نے باہر پھینک دیں پھر اس میں سے نقشہ نکلا۔

فرح نے کہا یہی ہے اور وہ وہاں سے چل پڑی۔

"کہاں جا رہی ہے تُو؟" — سردار نے اس سے پوچھا۔

"تجھے خزانے کا نقشہ مل گیا ہے" — فرح نے چند قدم دُور رُک کر کہا — "سمجھ لے کہ تجھے خزانہ مل گیا ہے اور مجھے آزادی مل گئی ہے"۔

"ٹھہر جا!" — سردار نے کہا — "میں اتنی جلدی تجھے آزادی نہیں دوں گا۔ تو مرجھایا ہُوا پھول تو نہیں کہ بغیر سونگھے پھینک دوں"۔

وہ قزاقوں کا سردار تھا۔ کوئی شریف اور معزز آدمی نہیں تھا کہ اپنے وعدے کا پاس کرتا۔ اتنی خوبصورت لڑکی کو وہ کیونکر چھوڑ دیتا۔ فرح اپنے گھوڑے کی طرف دوڑی تو سردار اُس کے راستے میں آگیا۔ فرح دوسری طرف دوڑ پڑی۔ لڑائی ابھی لڑی جا رہی

تھی۔ صالح نمیری کے آدمی مارے جا رہے تھے۔ انہوں نے مرنے سے پہلے کچھ قزاقوں کو بھی مار ڈالا تھا۔

فرح دوسری طرف دوڑی تو سردار اُس کے پیچھے گیا۔ فرح اس کوشش میں تھی کہ وہ مرے ہوئے کسی آدمی کے گھوڑے تک پہنچ جائے۔ سواروں کے بغیر گھوڑے اِدھر اُدھر بکھر گئے تھے لیکن سردار فرح کو کسی گھوڑے کے قریب نہیں جانے دے رہا تھا۔ فرح پھرتیلی تھی۔ وہ تیز دوڑتی خیمہ گاہ سے کچھ دُور چلی گئی۔ سردار بھی تیز دوڑا۔

آگے اونچی اور گھنی جھاڑیاں تھیں جو باڑ کی طرح ایک دوسری سے ملی ہوئی تھیں۔ فرح ان میں سے گذر گئی لیکن آگے دلدل تھی۔ وہ راستہ بدلنے ہی لگی تھی کہ سردار پہنچ گیا۔ فرح دلدل میں چلتی آگے چلی۔ چند ہی قدم آگے گئی ہو گی کہ اُسے ایسے لگا جیسے اُس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی ہو۔ وہ نیچے جانے لگی۔

سردار چیتے کی طرح اُس پر جھپٹا اور وہ بھی نیچے ہی نیچے جانے لگا۔ یہ دلدل تھی جو ہر چیز کو اپنے اندر غائب کر دیا کرتی ہے۔ فرح اور سردار نے ایک دوسرے کو پکڑ لیا۔ فرح چیخ اور چلّا رہی تھی۔ سردار اپنے آدمیوں کو نام لے لے کر پکار رہا تھا اور وہ دونوں دلدل میں دھنستے چلے جا رہے تھے۔ سردار کے ہاتھ سے خزانے کا نقشہ چھوٹ گیا تھا۔ یہ نقشہ بے بنیاد تھا اور خزانہ ایک فریب اور ایک مفروضہ تھا۔

سردار کے تین چار آدمی پہنچ گئے۔ انہیں اپنے سردار اور فرح کے سر نظر آئے اور یہ بھی دلدل میں غائب ہو گئے۔

○

تیسرے یا چوتھے روز احمد بن غطاش شاہ در سے خلجان پہنچ گیا۔

"خلجان کا قلعہ مبارک ہو پیرو مُرشد!" — حسن بن صباح نے اُس کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔

"کیا صالح نمیری کی واپسی کا کوئی امکان نہیں؟" — احمد بن غطاش نے پوچھا۔

"نہیں!" — حسن بن صباح نے جواب دیا — "خزانہ وہ اژدہا ہے جو آج تک نہ جانے کتنے انسانوں کو نگل چکا ہے۔ اس نے بڑے جابر بادشاہوں کو بھی نگلا ہے اور اس نے مومنین کو' زاہدوں اور پارساؤں کو بھی نگلا ہے۔ وہ صالح نمیری جو مجھ پر لعن طعن کرنے آیا تھا کہ تم خدا کے ایلچی کیسے بن گئے' اور وہ صالح نمیری جو دعویٰ کرتا تھا کہ اللہ

Scanned by iqbalmt

کے واحد عقیدے کے پیروکار صرف اہلِ سُنّت ہیں اور وہی اللہ کے قریب ہیں' وہ صلاح نمیری خدا اور اپنے عقیدے کو فراموش کر کے خزانے کی تلاش میں چلا گیا..... فرح بھی اُس کے ساتھ چلی گئی ہے"۔

"کیا تمہیں اس کا افسوس ہے؟" ___ احمد بن عطاش نے پوچھا۔

"نہیں مُرشد!" ___ حسن بن صباح نے کہا ___ "میں حیران ہوں کہ یہ جانتے ہوئے کہ ہم صلاح نمیری کو خزانے کا دھوکہ دے کر غائب کر رہے ہیں' وہ اُس کے ساتھ کیوں چلی گئی"۔

اتنے میں دربان نے اندر آ کر بتایا کہ والیٔ خلجان صلاح نمیری کا ایک آدمی بہت بُری حالت میں آیا ہے۔ حسن بن صباح نے کہا کہ اُسے فوراً اندر لے آؤ۔

ایک آدمی دربان کے سہارے اندر آیا۔ اُس کے کپڑے خون سے لال تھے اور خون خشک ہو چکا تھا۔ اُس کے سر' بازوؤں پر اور ران پر کپڑے لپٹے ہوئے تھے۔ احمد بن عطاش کے کہنے پر اُسے پانی پلایا گیا۔ وہ تو جیسے آخری سانسیں لے رہا تھا۔

"کون ہو تم؟" ___ احمد بن عطاش نے پوچھا ___ "کہاں سے آئے ہو؟"

"ایک دن کی مسافت چار دنوں میں طے کی ہے" ___ اُس نے ہانپتی سانسوں کو سنبھال سنبھال کر بڑی ہی مشکل سے کہا۔

وہ ان گیارہ آدمیوں میں سے تھا جو صلاح نمیری کے ساتھ گئے تھے۔ یہ آدمی قزاقوں کے ساتھ لڑائی میں زخمی ہُوا اور اسے وہاں سے نکل آنے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ صلاح نمیری کے نمک حلال اور وفادار ملازموں میں سے تھا۔ وہ صرف اطلاع دینے کے لئے خلجان آ گیا تھا۔ راستے میں کئی بار بیہوش ہُوا۔ گھوڑے سے گرا' اٹھا اور چوتھے روز خلجان پہنچ گیا۔

اُس نے بتایا کہ صلاح نمیری مارا گیا ہے اور خزانے کا نقشہ قزاقوں کے سردار نے لے لیا ہو گا۔ فرح کے متعلق اُس نے بتایا کہ وہ قزاقوں کے قبضے میں تھی۔ اس نے فرح اور سردار کو دلدل میں ڈوبتے نہیں دیکھا تھا۔

یہ وفادار شخص باتیں کرتے کرتے خاموش ہو گیا اور اُس کا سر ایک طرف لڑھک گیا۔ وہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا تھا۔ حسن بن صباح نے کہا کہ اس کی لاش لے جاؤ اور دفن کر دو۔

"اب یہ قلعہ ہمارا ہو گیا ہے" ___ احمد بن عطاش نے کہا ___ "اب بتاؤ حسن! اس کہانی سے تم نے کیا سبق حاصل کیا ہے؟"

"یہ کہ انسان نفسانی خواہشات کا غلام ہے" ___ حسن بن صباح نے کہا ___ "کسی بھی انسان کی ان خواہشات کو ابھار دو اور اُسے یقین دلا دو کہ اُس کی یہ خواہشات پوری ہو جائیں گی تو اُسے جس راستے پر ڈال دو وہ اُسی راستے پر چل پڑے گا"۔

"میں تمہیں یہ سبق پہلے دے چکا ہوں" ___ احمد بن عطاش نے کہا ___ "ہر انسان کی ذات میں ابلیس موجود ہے اور ہر انسان کی ذات میں خدا بھی موجود ہے۔ یوں کہہ لو کہ انسان بیک وقت نیک بھی ہے بد بھی ہے۔ عبادت کیا ہے؟"

"بدی پر غلبہ پائے رکھنے کا ایک ذریعہ!" ___ حسن بن صباح نے کہا ___ "اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کا ایک وسیلہ!"

"ہم نے ہر انسان میں ابلیس کو بیدار کرنا ہے" ___ احمد بن عطاش نے کہا ___ "صلاح نمیری پکا مومن تھا' زاہد اور پارسا تھا۔ تم نے اُسے ایسے خزانے کا راستہ دکھایا جس کا وجود ہی نہ تھا۔ اس دھوکے میں فرح جیسی حسین لڑکی شامل تھی۔ تم نے دیکھا کہ اس شخص کی پارسائی اس طرح اُڑ گئی جس طرح سورج کی تمازت سے شبنم اُڑ جاتی ہے"۔

○

"تلبیس ابلیس"، "آئینۂ تلبیس" اور "تاریخِ ابنِ خلدون" میں تفصیل سے لکھا ہے کہ احمد بن عطاش اور حسن بن صباح نے راتوں کو آئینوں کی چمک دکھا کر جس طرح لوگوں کو دکھایا تھا کہ خدا کا ایلچی زمین پر اُترا ہے' اس کا اس وسیع و عریض علاقے کے لوگوں پر وہی اثر ہُوا تھا جو پیدا کرنا مقصود تھا۔

حسن بن صباح نے لوگوں کو اپنی زیارت بھی کرائی تھی اور ایک خاص جڑی بُوٹی کی دھونی اتنے بڑے مجمعے کو دے کر لوگوں کے ذہنوں پر غلبہ حاصل کر لیا تھا۔ یہ تاریخ کی پہلی اجتماعی ہپناٹزم تھی۔

اگر یہ ڈھنگ اختیار نہ کیا جاتا تو بھی لوگ اُس کے قائل ہو جاتے کیونکہ لوگوں میں توہم پرستی اور افواہ پسندی جیسی کمزوریاں موجود تھیں۔ حسن بن صباح نے قبیلوں کے سرداروں کو خصوصی اہمیت دی تھی۔ حسن بن صباح کے مبلّغوں یعنی پروپیگنڈہ کرنے والوں کا بھی ایک گروہ پیدا ہو گیا۔ اس گروہ کے آدمی فقیروں اور درویشوں کے بھیس

Scanned by iqbalmt

میں بستی بستی پھرتے اور "خدا کے ایلچی" کے نزول اور اس کے برحق ہونے کا پرچار کرتے تھے۔

غلجان کا قلعہ بھی حسن بن صباح کے قبضے میں آ گیا تو یہ مشہور کر دیا گیا کہ امیر صالح نمیری خدا کے ایلچی سے اتنا متاثر ہوا ہے کہ اُس نے قلعہ خدا کے ایلچی کی نذر کر دیا ہے اور خود تارک الدنیا ہو کر کہیں چلا گیا ہے۔

مختصر یہ کہ حسن بن صباح اور احمد بن عطاش نے باطنی نظریات اور عقیدے پھیلانے کے لئے زمین کا خاصا خطہ حاصل کر لیا اور فضا اور ماحول کو اپنے سانچے میں ڈھال لیا۔

اب داستان گو اس داستان کو واپس اُس مقام پر لے جا رہا ہے جہاں حسن بن صباح خواجہ طوسی نظام الملک کے پاس اُسے ایک وعدہ یاد دلانے گیا تھا۔ اُس وقت نظام الملک نیشاپور میں سلطان ملک شاہ کا وزیرِ اعظم مقرر کیا جا چکا تھا۔ داستان گو یاددہانی کی خاطر ایک بار پھر مختصراً بتاتا ہے کہ یہ وعدہ کیا تھا اور یہ کس طرح پورا ہوا۔

خواجہ حسن طوسی جو بعد میں نظام الملک کے نام سے مشہور ہوا، تاریخ کی ایک اور مشہور شخصیت عمر خیام اور حسن بن صباح ایک مشہور عالم امام مؤافق کے مدرسے میں پڑھتے تھے۔ مدرسے میں ایک روز حسن بن صباح نے اپنے ان دونوں ہم جماعتوں سے کہا کہ امام مؤافق کے شاگرد بڑے اونچے مقام پر پہنچا کرتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہم تینوں یہاں سے فارغ ہو کر اونچے مقام پر پہنچیں گے۔ آؤ وعدہ کریں کہ ہم میں جو کوئی کسی اونچے مقام پر پہنچ گیا وہ دوسرے دو دوستوں کی مدد کرے گا۔

تینوں دوستوں نے ہاتھ ملا کر یہ وعدہ کیا۔ نظام الملک اور عمر خیام کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ حسن بن صباح نے بڑے ہی مذموم مقاصد کی خاطر یہ وعدہ یا معاہدہ کیا ہے۔

پھر ایسے ہوا کہ تینوں تعلیم سے فارغ ہو کر اپنی اپنی راہ لگ گئے۔ کچھ عرصے بعد نظام الملک سلطان ملک شاہ کے ہاں گیا اور ملازمت مانگی۔ اُس کی قابلیت اور فہم و فراست کو دیکھتے ہوئے سلطان ملک شاہ نے اُسے اپنا وزیر بنا لیا اور کچھ ہی عرصے بعد اُسے وزیرِ اعظم بنا دیا اور اس کے ساتھ ہی اُسے نظام الملک کا خطاب دے دیا۔

عمر خیام کو پتہ چلا کہ اُس کا ہم جماعت اور دوست وزیرِ اعظم بن گیا تو وہ اُس سے جا ملا اور مدرسے کے زمانے کا وعدہ یاد دلایا۔ نظام الملک نے عمر خیام کو ملازمت دلانی چاہی

لیکن عمر خیام نے کہا کہ وہ تحقیق کے میدان میں جانا چاہتا ہے پھر وہ کتابیں لکھے گا۔ نظام الملک نے اُسے سلطان سے اچھی خاصی رقم دلوا دی۔ عمر خیام نے حکمت میں نام پیدا کیا اور ایسی کتابیں لکھیں جو آج تک سند کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔

اس کے بعد حسن بن صباح نظام الملک کے پاس گیا اور اُسے بتایا کہ وہ تلاشِ روزگار میں مارا مارا پھر رہا ہے اور ذلیل و خوار ہو رہا ہے۔ آخر مجبور ہو کر اُس کے پاس آیا ہے۔

"کیا تم اتنے لمبے لمبے سال بے روزگار پھرتے رہے ہو؟" ـــــ نظام الملک نے پوچھا تھا۔

"اگر کہیں روزی کا ذریعہ ملا بھی تو کچھ دنوں بعد ختم ہو گیا" ـــــ حسن بن صباح نے کہا تھا ـــــ "مجھے تاجر بننے کا مشورہ دیا گیا لیکن تجارت کے لئے سرمایہ کہاں سے لاتا۔ دکان داری مجھ سے ہوتی نہیں۔ میں تو روزگار کی تلاش میں مصر تک چلا گیا تھا لیکن قسمت نے کہیں بھی ساتھ نہ دیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ تم نے اتنا زیادہ علم حاصل کر لیا ہے کہ تم سرکاری عہدے پر ہی کام کر سکتے ہو"۔

نظام الملک شریف النفس اور مخلص انسان تھا۔ اُس نے اپنے دوست اور ہم جماعت کو اس افسردگی، مایوسی اور تنگ دستی کے عالم میں دیکھا تو اُس نے سلطان ملک شاہ کو بتایا کہ اُس کا ایک دوست آیا ہے جو غیر معمولی فہم و فراست کا مالک ہے اور اس کی تعلیمی سند یہ ہے کہ امام مؤافق کے مدرسے کا پڑھا ہوا ہے۔

"ہمارے لئے صرف آپ کی رائے سند ہے" ـــــ سلطان نے کہا تھا ـــــ "اُسے آپ جس عہدے کے لئے مناسب سمجھتے ہیں، رکھ لیں"۔

نظام الملک کو صرف سلطان کی منظوری درکار تھی۔ وہ مل گئی تو نظام الملک نے اسے ایک اونچے عہدے پر فائز کر دیا۔ یہ شک تو اس کے ذہن میں آ ہی نہیں سکتا تھا کہ حسن بن صباح کچھ اور ہی مقاصد دل میں لے کر حکومت کی انتظامی مشینری میں شامل ہوا ہے۔

○

داستان گو نے ابتدا میں یہاں تک ہی سنایا تھا کہ حسن بن صباح سلجوقی سلطنت کی انتظامیہ میں کس طرح داخل ہوا تھا۔ وہ جو اُس نے نظام الملک کو درد بھری داستان سنائی تھی، وہ جھوٹ تھا۔ وہ مصر نہیں گیا تھا نہ اُس نے ذریعہ معاش کی تلاش کی تھی نہ وہ تنگ

Scanned by iqbalmt

دست رہا تھا۔ یہ سنایا جا چکا ہے کہ وہ اپنے استاد عبدالملک بن عطاش کے ہاں چلا گیا جس نے اُس کی تربیت شروع کر دی تھی پھر اُسے احمد بن عطاش کے پاس بھیج دیا تھا۔ فرح اُس کے ساتھ گئی تھی۔

اُس نے خلجان کا شہر لے لیا تھا اور یہ کامیابی حاصل کی تھی کہ لوگوں نے اُسے خدا کا ایلچی یا خدا کی بھیجی ہوئی برگزیدہ شخصیت مان لیا تھا۔ اس کے بعد وہ نظام الملک کے پاس گیا اور اس کے آگے یہ رونا رویا تھا کہ وہ اتنا عرصہ بیروزگار اور تنگ دست رہا ہے۔

حسن بن صباح کو نظام الملک کس طرح یاد آیا تھا؟

ہر مستند تاریخ میں اس سوال کا جواب موجود ہے۔ احمد بن عطاش نے شاہ در کا شہر اور قلعہ دھوکے میں لے لیا تھا' پھر حسن بن صباح نے فریب کاری سے خلجان کے امیر صالح نمیری سے تحریر لے کر اسے خزانے کا رستہ دکھا دیا اور وہ موت کے منہ میں چلا گیا تو یہ شہر بھی ان باطنیوں کے قبضے میں آگیا۔ اب یہ دونوں باطنی سوچنے لگے کہ اس سے آگے کیا کیا جائے۔

"تم نے دیکھ لیا ہے حسن!" ——— احمد بن عطاش نے کہا ——— "لوگوں کو اپنے جال میں لانا کوئی مشکل نہیں۔ لوگ افواہ' سنسنی اور پُراسراریت سے متاثر ہوتے ہیں"۔

"اور وہ زبان کے ہیر پھیر کا اثر قبول کرتے ہیں" ——— حسن بن صباح نے کہا۔

"اور ان لوگوں کے امراء اور سرداروں وغیرہ کا معاملہ ذرا الگ ہے" ——— احمد بن عطاش نے کہا ——— "انہیں یہ تاثر دے دو کہ تم لوگوں کے روزی رساں ہو' اور انہیں دولت اور عورت کی جھلک دکھا دو' پھر یہ تمہارے غلام ہو جائیں گے لیکن لوگوں کو ساتھ لے کر ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ہمیشہ ذہن میں رکھو کہ حکومت سلجوقیوں کی ہے اور سلجوقی اہلِ سُنّت ہیں!!"

"ہم لوگوں کو اپنے اثر میں لے کر انہیں سلجوقیوں کے خلاف بغاوت پر اکسا سکتے ہیں" ——— حسن بن صباح نے کہا۔

"نہیں حسن!" ——— احمد بن عطاش نے کہا ——— "اس کے لئے کم از کم دو سال کا عرصہ چاہئے..... اور اس حقیقت کو کبھی نہ بھولنا کہ سلجوقی ترک ہیں اور بڑے ظالم اور جنگجو ہیں۔ ان کے پاس فوج ہے۔ اس وقت ضرورت یہ ہے کہ جس طرح ہم نے شاہ در اور خلجان لے لیا ہے اسی طرح سلجوقیوں کی سلطنت پر قبضہ کر لیں"۔

"یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟" ——— حسن بن صباح نے پوچھا۔

"ناممکن کچھ بھی نہیں ہوتا حسن!" ——— احمد بن عطاش نے کہا ——— "عزم پختہ' مقصد واضح اور دماغ حاضر ہونا چاہئے..... ہمیں ان سلاطین کی انتظامیہ میں گھس جانا چاہئے۔ یہ کام تم کر سکتے ہو۔ میں تمہیں ایک نیا محاذ دے رہا ہوں"۔

"میں آپ کے حکم کا منتظر ہوں استادِ محترم!" ——— حسن بن صباح نے کہا ——— "مجھے یہ بتائیں میں نے کرنا کیا ہے!"

"میرے جاسوسوں نے مجھے ایک اطلاع دی ہے" ——— احمد بن عطاش نے کہا ——— "خواجہ حسن طوسی سلطان ملک شاہ کا وزیرِ اعظم بن گیا ہے۔ یہ تو مجھے کبھی کا معلوم تھا کہ اسے سلطان ملک شاہ نے اپنا وزیر بنا لیا ہے لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں۔ وزیرِ اعظم بن جانا بہت بڑی بات ہے۔ یہی نہیں' مجھے اطلاع ملی ہے کہ سلطان ملک شاہ اس سے اتنا متاثر ہُوا ہے کہ اسے نظام الملک کا خطاب دیا ہے"۔

"استادِ محترم!" ——— حسن بن صباح نے پوچھا ——— "وہ تو وزیرِ اعظم بن گیا ہے۔ یہ بتائیں میں نے کیا کرنا ہے..... کیا اُسے قتل کرانا ہے؟"

"قتل بعد کی بات ہے" ——— احمد بن عطاش نے کہا ——— "ہمارے راستے میں جو آئے گا وہ قتل ہو گا۔ ابھی یہ کرنا ہے کہ اس کی جگہ لینی ہے۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ خواجہ حسن طوسی تمہارا ہم جماعت تھا؟"

"ہاں میرے مُرشد!" ——— حسن بن صباح نے اُچھل کر کہا ——— "یہ تو میں بھول ہی گیا تھا"۔

"میں یہ بھی جانتا ہوں تم کیوں بھول گئے تھے" ——— احمد بن عطاش نے کہا ——— "مدرسے سے نکلتے ہی تمہیں عبدالملک بن عطاش کے حوالے کر دیا گیا تھا' پھر تمہاری سرگرمیاں ایسی رہیں کہ تمہیں اور کچھ یاد آ ہی نہیں سکتا تھا"۔

"مجھے کچھ اور بھی یاد آگیا ہے" ——— حسن بن صباح نے کہا ——— "مدرسے میں ہم تین دوست تھے۔ عمر' خواجہ حسن اور میں۔ ہم نے معاہدہ کیا تھا کہ مدرسے سے فارغ ہو کر ہم میں سے کسی کو کہیں بڑا عہدہ مل گیا تو وہ دونوں کو کسی اچھے عہدے پر فائز کرائے گا..... میرا کام تو آسان ہو گیا ہے۔ میں کل صبح روانہ ہو جاؤں گا اور خواجہ حسن کو اس کا وعدہ یاد دلاؤں گا"۔

Scanned by iqbalmt

"دیکھا حسن!" — احمد بن عطاش نے کہا — "ہمارا ہر کام آسان ہوتا چلا جا رہا ہے۔ یہ ثبوت ہے کہ ہم حق پر ہیں اور خدا ہماری مدد کر رہا ہے..... یہ بھی یاد رکھو کہ سلطان ملک شاہ اب نیشاپور میں نہیں۔ اب اس کا دارالحکومت مَرو میں ہے"۔

○

اگلی صبح کا دھندلکا ابھی خلصا گہرا تھا جب حسن بن صباح اپنے اعلیٰ عربی نسل کے گھوڑے کی بجائے معمولی سے ایک گھوڑے پر سوار ہوا۔ اُس کا لباس بھی ایک عام آدمی کا لباس تھا۔ ایسے گھوڑے اور ایسے لباس میں وہ غریب آدمی لگتا تھا۔ اُس کے ساتھ ایک گھوڑا اور تھا جس پر ایک جوان اور بڑی ہی دلکش لڑکی تھی۔ اُس کا لباس بھی غریبانہ تھا۔

"یاد رکھنا حسن!" — احمد بن عطاش نے کہا — "اپنے آپ کو اہلِ سُنت ظاہر کرنا اور جمعہ کے روز مسجد میں چلے جایا کرنا۔ اگر تمہیں وہاں کوئی اچھا رتبہ مل گیا تو سلطان ملک شاہ کا منظورِ نظر بننے کی کوشش کرنا اور اس کے ساتھ یہ بھی دیکھتے رہنا کہ نظام الملک کو تم سلطان کی نظروں سے کس طرح گرا سکتے ہو۔ ایک بار وزارت کا عہدہ لے لو پھر سلجوقی سلطنت میں ہماری زمین دوز کارروائیاں شروع ہو جائیں گی۔ جاسوسوں کے ذریعے میرا تمہارے ساتھ رابطہ قائم رہے گا۔ ایک بار پھر سوچ لو کہ اس لڑکی کو تم نے اپنی بیوہ بہن ظاہر کرنا ہے۔ یہ بات تو ہو چکی ہے کہ اس لڑکی کو کس طرح استعمال کرنا ہے"۔

احمد بن عطاش اور حسن بن صباح کی سازش یہ تھی کہ نظام الملک کے خلاف غلط فہمیاں پیدا کر کے اسے معزول کرانا اور اس کی جگہ حسن بن صباح نے لینی ہے اور پھر بڑے عہدوں پر اپنے آدمی فائز کروانے ہیں اور سلطنتِ سلجوق کی جڑیں کھوکھلی کر کے عالمِ اسلام کو اپنے فرقے کے تابع کرنا ہے۔

یہاں ایک غلط فہمی کی وضاحت ہو جائے تو بہتر ہے۔ ایک مقام تک ان لوگوں کی تبلیغ سے پتہ چلتا تھا کہ یہ اسماعیلی عقیدے کے لوگ ہیں لیکن شاہ در سے نکل کر انہوں نے جب خلنجان کا رخ کیا اور نئی سے نئی تخریب کاریاں کرنے لگے تو واضح ہو گیا کہ یہ لوگ فرقہ باطنیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنا ہی ایک فرقہ بناتے چلے جا رہے تھے' لہٰذا حسن بن صباح اور اس کے پیروکاروں کو کسی فرقے سے منسوب کرنا صحیح نہیں۔

داستان گو ایک بات اور کہنا چاہتا ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ حسن بن صباح ایک افسانوی کردار ہے اور قلعہ الموت میں اُس کی خود ساختہ جنت کا بھی حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور یہ الف لیلہ کی ایک داستان ہے۔

ان حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ یہ داستان اگر خیالی ہوتی تو ابنِ خلدون جیسا مورخ اسے تاریخ کے دامن میں نہ ڈالتا۔ ابنِ اثیر اور ابن جوزی اس کا ذکر نہ کرتے۔ درجنوں مستند مؤرخوں نے حسن بن صباح اور اس کی جنت کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ یورپی مؤرخوں نے تو اور زیادہ تحقیق کر کے یہ حالات قلمبند کئے ہیں۔

اس باب میں اُن عظیم شخصیتوں کے نام دیئے گئے ہیں جو حسن بن صباح کے پیروکاروں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ اس فہرست کو دیکھ کر بتائیں کہ یہ شخصیتیں افسانوی ہیں؟

○

داستان گو آپ کو مَرو لے چلتا ہے جہاں حسن بن صباح پہنچ چکا ہے اور نظام الملک کے پاس بیٹھا ہے۔ وہ نظام الملک کو بتا چکا ہے کہ فاطمہ اُس کی بہن ہے جو جوانی کی عمر میں ہی بیوہ ہو گئی ہے۔ نظام الملک نے اُس کی بہن کو اپنی بیوی کے پاس بھیج دیا ہے۔

حسن بن صباح نے نظام الملک کو مدرسے کے زمانے کا وعدہ یاد دلایا اور بڑے ہی درد ناک اور اثر انگیز لہجے میں اپنی بے روزگاری اور بدحالی کا قصہ سنایا۔

"میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتا خواجہ!" — حسن بن صباح نے کہا — "تم وزیرِاعظم ہو اور میں تمہاری رعایا کا ایک نادار آدمی ہوں۔ میں یہ ضرور کہوں گا کہ تم اُن مومنین میں سے ہو جو زہد اور تقویٰ کو اپنی زندگی سمجھتے ہیں۔ تم جیسے زاہد اور متقی اپنے وعدے پورے کیا کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ وعدہ خلافی گناہ ہے..... یہ بھی سوچو کہ میں نے اتنا ہی علم حاصل کیا ہے جتنا تم نے کیا ہے لیکن تم وزیرِاعظم ہو اور میں دو وقت کی روٹی بھی نہیں کھا سکتا"۔

"اللہ کی ذات سے مایوس نہ ہو حسن!" — نظام الملک نے کہا — "میں اپنا صرف وعدہ ہی پورا نہیں کروں گا بلکہ تمہیں اپنی ذاتی املاک کا بھی برابر کا حصہ دار سمجھوں گا"۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ نظام الملک نے سلطان ملک شاہ کو حسن بن صباح کی شخصیت اور علمی قابلیت کی ایسی تصویر دکھائی کہ سلطان نے اسے معتمدِ خاص کا رتبہ

Scanned by iqbalmt

دے دیا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ یہ عہدہ وزیر کے برابر تھا لیکن حسن بن صباح کوئی ایسا رتبہ چاہتا تھا جس میں وہ آزادانہ فیصلے کر سکتا۔

نظام الملک اپنی آستین میں ایک سانپ پالنے لگا۔

تقریباً" تمام تاریخ دانوں نے لکھا ہے کہ حسن بن صباح نے نظام الملک کو سلطان کی نظروں میں گرانے کے لئے یہ طریقہ سوچا کہ اُن اہم رتبوں والے عہدیداروں کو ہاتھ میں لیا جائے جن کی بات سلطان توجہ اور دلچسپی سے سنتا ہے۔ ان میں ایک احتشام مدنی تھا جو سلطان کے تین مشیروں میں سے تھا۔ ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ پابندِ صوم و صلوٰۃ بھی تھا۔

احتشام مدنی شام کے وقت شہر کے ایک باغ میں چہل قدمی کے لئے جایا کرتا تھا۔ ایک شام وہ حسب معمول ٹہل رہا تھا کہ ایک جواں سال لڑکی اُس کے سامنے اچانک آگئی اور جھجک کر ایک طرف ہو گئی۔ یہ باغ خاص قسم کے لوگوں کے لئے مخصوص تھا۔ اس لڑکی کو احتشام مدنی نے پہلی بار دیکھا تھا۔ لڑکی کسی عام سے گھرانے کی نہیں لگتی تھی۔ احتشام مدنی نے دیکھا کہ لڑکی اچانک سامنے آجانے سے کچھ گھبرا گئی تھی اور اس پر حجاب طاری ہو گیا تھا۔ ویسے بھی یہ لڑکی اُسے بہت اچھی لگی۔ اُس نے لڑکی کو بلا کر پوچھا کہ وہ کون ہے اور یہاں کیوں آئی ہے؟

"میں حسن بن صباح کی بہن ہوں" ——لڑکی نے جواب دیا۔

"حسن بن صباح؟" ——احتشام مدنی نے پوچھا اور خود ہی بولا —— "اچھا' اچھا' وہ حسن بن صباح جو چند دن پہلے سلطان کے معتمدِ خاص مقرر ہوئے ہیں"۔

یہ احتشام مدنی اور اس لڑکی کی پہلی ملاقات تھی۔ بیان ہو چکا ہے کہ یہ لڑکی حسن بن صباح کی بہن نہیں تھی نہ اُس کا نام فاطمہ تھا نہ ہی وہ بیوہ تھی۔ اُس نے باتوں باتوں میں احتشام مدنی کو بتایا کہ وہ بیوہ ہے اس لئے بھائی اسے ساتھ لے آیا ہے۔ اس سے احتشام مدنی کے دل میں اس لڑکی کی ہمدردی پیدا ہو گئی۔ لڑکی نے ایسے انداز سے باتیں کیں جیسے وہ احتشام مدنی کی شخصیت سے متاثر ہو گئی ہو۔ احتشام مدنی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ لڑکی حسن بن صباح اور احمد بن غطاش جیسے ابلیسی باطنیوں کی تربیت یافتہ ہے اور یہ انسان کے روپ میں آئی ہوئی بڑی ہی زہریلی ناگن ہے۔

وہ جب وہاں سے چلی تو احتشام مدنی جیسے زاہد اور پارسا نے اپنے دل میں دھچکہ سا محسوس کیا اور اُس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہو گئی کہ یہ لڑکی اُسے ایک بار پھر ملے۔

لڑکی اُسے پھر مل گئی اور پہلے روز سے زیادہ بے تکلفی کی باتیں کیں۔ وہ ظاہر یہ کرتی تھی کہ بیوگی نے اُسے مغموم اور رنجیدہ کر رکھا ہے۔ اس طرح اُس نے احتشام مدنی کے دل میں اپنی ہمدردی پیدا کر لی۔

پھر اسی باغ میں شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد ان دونوں کی کئی بار ملاقات ہوئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ لڑکی نے احتشام مدنی کو ایک روز اپنے گھر بلا لیا۔ لڑکی نے اُسے کہا تھا کہ حسن بن صباح صبح چلا جاتا ہے اور شام کو واپس آتا ہے۔ یہ لڑکی تربیت کے مطابق احتشام مدنی پر ایک نشہ بن کر غالب آگئی تھی۔ اس حد تک کہ صوم و صلوٰۃ کا پابند یہ معزز شخص اپنا آپ فراموش کر بیٹھا۔

دن کے وقت وہ اس لڑکی کے گھر میں اس کے حسن و شباب سے مخمور اور مدہوش ہُوا جا رہا تھا کہ صحن میں کسی کے قدموں کی آہٹ نے اُسے چونکا دیا۔

"یہ کون ہے؟" ——احتشام مدنی نے گھبراہٹ کے عالم میں پوچھا۔

"خادم ہو گا" ——لڑکی نے بڑے اطمینان سے کہا—— "میں دیکھتی ہوں"۔

پیشتر اس کے کہ لڑکی باہر نکلتی' حسن بن صباح کمرے میں داخل ہُوا۔ احتشام مدنی جیسے مومن آدمی کو اپنی بہن کے پاس دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ احتشام مدنی اُس کے سامنے کھڑا کانپ رہا تھا۔

"میں تم دونوں کو سنگسار کراؤں گا" —— حسن بن صباح نے کہا—— "میں باہر دروازہ بند کر کے سلطان کے پاس جا رہا ہوں"۔

حسن بن صباح دروازے کی طرف مڑا تو لڑکی اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی اور رو رو کر کہنے لگی کہ اُس نے اس شخص کو نہیں بلایا تھا۔

"پھر یہ میرے گھر میں کس طرح آگیا؟" —— حسن بن صباح نے پوچھا۔

"یہ خود ہی آیا تھا" ——لڑکی نے جواب دیا—— "اور اس نے میرے ساتھ پیار اور محبت کی باتیں شروع کر دیں۔ اچھا ہُوا کہ تم آگئے اور میں اس کی دست درازی سے بچ گئی"۔

احتشام مدنی نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا کہ اس لڑکی نے اسے خود بلایا تھا۔ کچھ دیر یہی جھگڑا چلتا رہا۔

"حقیقت کچھ بھی ہے" —— حسن بن صباح نے کہا—— "میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم

Scanned by iqbalmt

میرے گھر میں میری بہن کے پاس بری نیت سے آئے بیٹھے ہو۔ میں سلطان کو ضرور بتاؤں گا"۔

احتشام مدنی صرف معزز آدمی ہی نہیں تھا بلکہ وہ سلطان ملک شاہ کا پسندیدہ مشیر بھی تھا۔ اُس کی جان چلی جاتی تو وہ قبول کر لیتا لیکن یہ بھی ہو سکتا تھا کہ سلطان اسے معزول کر کے نکال دے۔ اس صورت میں اُس کی جو بے عزتی اور بدنامی ہوتی تھی' اس کے تصور سے ہی وہ کانپ اٹھا۔ اُس نے حسن بن صباح کی منت سماجت شروع کر دی کہ وہ اسے معاف کر دے۔ لڑکی نے بھی حسن بن صباح سے کہا کہ یہ آخر معزز آدمی ہے' اسے بخش دیا جائے۔

حسن بن صباح گہری سوچ میں چلا گیا جو دراصل اداکاری تھی۔ سوچ سے بیدار ہو کر اُس نے احتشام مدنی کا بازو پکڑا اور اسے دوسرے کمرے میں لے گیا۔ جب وہ دونوں باہر نکلے تو احتشام مدنی کے چہرے پر رونق عود کر آئی تھی۔ حسن بن صباح نے اس کے ساتھ سودا بازی کر لی تھی جو مختصراً یہ تھی کہ احتشام مدنی نظام الملک کے خلاف حسن بن صباح کا ساتھ دے گا۔

یہ شخص حسن بن صباح کا پہلا شکار تھا جسے اُس نے نظام الملک کو سلطان کی نظروں سے گرانے میں استعمال کرنا تھا۔

ابلیس نے اللہ کی حکم عدولی کی اور انسان کے آگے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اُس نے اللہ سے کہا تھا' مٹی کا بنا ہوا یہ انسان زمین پر اپنے ہی بھائیوں کا خون بہائے گا' فتنہ اور فساد بپا کرے گا اور تیری عطا کی ہوئی اس عظمت کو بھول جائے گا کہ تیرے حکم سے فرشتوں نے اس کے آگے سجدہ کیا تھا۔

"اسے ہم نے اشرف المخلوقات بنایا ہے" ——— یہ اللہ کی آواز تھی۔

"یہ حشرات الارض سے بدتر ہو گا" ——— یہ ابلیس کی آواز تھی۔

"یہ میرے بتائے ہوئے راستے پر چلے گا" ——— اللہ نے کہا ——— "میں اس کی رہنمائی کے لئے نبی اور پیغمبر بھیجتا رہوں گا"۔

"میں اسے اپنے راستے پر چلاؤں گا" ——— ابلیس نے کہا ——— "جو طاقت مجھ میں ہے وہ اس میں نہیں۔ میں آگ سے بنا ہوں۔ یہ مٹی کا پتلا ہے۔ میں اسے بڑی حسین اور دلفریب خواہشوں کا غلام بنا دوں گا"۔

"یہ میری عبادت کرے گا"۔

"میں اسے دنیا کی چمک دمک کا شیدائی بنا دوں گا" ——— ابلیس نے کہا ——— "یہ تیری عبادت کرے گا لیکن اس کا دل دولت کا پجاری ہو گا۔ یہ ہر اُس چیز کی پرستش کرے گا جس سے ذہنی اور جسمانی لذت حاصل ہو گی' اور یہ ہر وہ کام کرے گا جس سے اسے روکا جائے گا۔ یہ بدی سے لطف اندوز ہو گا"۔

"جا' تو تاقیامت ملعون رہے گا" ——— اللہ نے کہا اور ابلیس کو دھتکار دیا۔

پھر یوں ہوا کہ اللہ کا پہلا ہی بندہ جنت سے نکالا گیا۔

پھر جوں جوں وقت گزرتا گیا' وہ عورت جو آدم کی پسلی سے پیدا ہوئی تھی' وہ آدمی کی جڑوں میں بیٹھتی چلی گئی اور آدمی کی ایسی کمزوری بن گئی کہ وہ مجبور اور بے بس ہو گیا۔

عورت آدمی کے لئے نشہ بن گئی۔

آدمی عورت کے دام میں آ کر ابلیس کا پجاری بن گیا۔

داستان گو اپنے آپ کو فنِ داستان گوئی تک ہی محدود رکھنا چاہتا ہے۔ ابلیس کے متعلق ایک پیرِ طریقت شیخ ابن عربیؒ کی ایک تحریر کا اقتباس پیش کرتا ہے:

"ابلیس اہلِ خلوت کو راہِ راست سے منحرف کرنے میں ایسے ایسے

Scanned by iqbalmt

کمال رکھتا ہے کہ انسانی علم و عمل کے بڑے مضبوط قلعے اس کی ادنیٰ فسوں طرازیوں سے آناً فاناً زیر و زبر ہو جاتے ہیں۔ اگر توفیقِ الٰہی اور ہدایتِ ازلی رفیقِ حال ہو تو انسان اس کی مغویانہ دست بُرد سے ہر وقت محفوظ ہے ورنہ جو بختِ خفتہ اور طالع گم گشتہ اپنی قسمت کی باگ اس کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں' وہ ان کو ایسی بُری طرح پٹختا ہے کہ اس کا جھٹکا مشرق و مغرب تک محسوس ہوتا ہے"۔

O

سلجوقی سلطان ملک شاہ کا مشیرِ خاص اور منظورِ نظر احتشام مدنی پابندِ صوم و صلوٰۃ تھا' زاہد و پارسا اور معزز انسان تھا۔ کوئی ایسا جواں سال بھی نہ تھا کہ جوشِ شباب میں ایک حسین لڑکی کو دیکھ کر بے قابو ہو جاتا مگر وہ فاطمہ کو دیکھ کر اپنے آپ کو اور اللہ کو بھی بھلا بیٹھا اور حسن بن صباح کے جال میں آگیا۔

وہ اس کمرے سے جس میں حسن بن صباح اسے لے گیا تھا' نکلا تو اس کے چہرے سے شرمساری اور گھبراہٹ ڈھل گئی تھی اور رونق عود کر آئی تھی۔ یہ تو واضح ہے کہ حسن بن صباح نے اس کے ساتھ سودا بازی کر لی تھی کہ وہ وزیرِ اعظم نظام الملک کو سلطان ملک شاہ کی نظروں میں گرانے میں اس کی مدد کرے گا لیکن ان کے درمیان باتیں کیا ہوئی تھیں؟

تاریخوں میں جو اشارے ملتے ہیں' ان سے یہ باتیں سامنے آتی ہیں کہ حسن بن صباح نے احتشام کو اندر لے جا کر یوں نہیں کہا تھا کہ احتشام اسے نظام الملک کی جگہ وزیرِ اعظم بنوا دے۔

"تم بے شک سلطان کے مشیر ہو احتشام!" —— حسن بن صباح نے کہا تھا۔ "لیکن میرا رتبہ بھی تم سے کم نہیں۔ میں جو بات کرنا چاہتا ہوں گا وہ براہِ راست سلطان کے ساتھ کر لوں گا لیکن تمہاری اس حرکت سے مجھے مایوسی ہوئی ہے۔ فوری طور پر مجھے جو خیال آتا ہے وہ یہ ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔ میں تو دل میں سلطنتِ سلجوق کی بھلائی لے کر آیا تھا۔ میں اہلِ سنت و الجماعت ہوں۔ مجھے کسی عہدے اور کسی رتبے کی ضرورت نہیں۔ قلعہ شاہ در سے قلعہ خلجان تک کے علاقے کے لوگ مجھے اپنا مُرشد اور عالمِ دین مانتے ہیں لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ سلطنتِ سلجوق اور اسلام کے خلاف کچھ

فتنے اٹھ رہے ہیں۔ میں یہاں ان خطروں کے انسداد کے لئے یہاں آیا تھا لیکن میں نے یہاں کچھ اور ہی دیکھا ہے"۔

"میں اپنی اس حرکت پر نادم ہوں میرے بھائی!" —— احتشام مدنی نے کہا۔

"صرف یہی ایک حرکت نہیں ہوئی" —— حسن بن صباح نے کہا —— "میں نے یہ ...سنبھالا تو نظام الملک نے سلطان کے اور تمہارے خلاف کان بھرنے شروع کر ...ہے۔ تمہیں شاید معلوم ہو گا کہ میں اور نظام الملک امام موافق کے مدرسے میں اکٹھے ...رہے ہیں۔ ہم گہرے دوست ہُوا کرتے تھے۔ اس نے خود مجھے یہاں بلایا اور اس ...دے پر یہاں لگوا لیا ہے۔ یہ سرکاری خزانے پر ہاتھ صاف کر رہا ہے اور اس کے ...ادے بڑے خطرناک ہیں۔ یہ خلیفہ سے مل کر ایک فوج تیار کرنے کی کوشش میں ہے ...یہ سلجوقی سلطنت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے"۔

"میں سلطان کو خبردار کر دوں گا" —— احتشام مدنی نے کہا —— "سلطان صرف میری ...بات سنتا ہے"۔

"ایسی حماقت نہ کر بیٹھنا" —— حسن بن صباح نے کہا —— "نظام الملک پہلے ہی ...تمہیں یہاں سے ذلیل و خوار کر کے نکلوانا چاہتا ہے۔ یہ تو لڑکپن میں مدرسے میں اسی ...طرح جوڑ توڑ کرتا رہتا تھا۔ اس کا ذہن سازشی ہے۔ سلطان اگر تمہاری سنتا ہے تو سلطان ...اس کی بھی سنتا اور مانتا ہے۔ اگر تم نے جلد بازی سے کام لیا تو یہ شخص تمہیں یہاں سے ...نکلوائے گا نہیں بلکہ قید خانے میں بھجوا دے گا..... میں باہر کے خطروں کو تو بھول ہی گیا ...ہوں احتشام! سب سے بڑا خطرہ تو یہ ہے۔ یہ بڑا ہی زہریلا سانپ ہے جو سلطان کی آستین ...میں پرورش پا رہا ہے"۔

"مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟" —— احتشام نے پوچھا۔

"پہلے میری بات پوری ہونے دو" —— حسن بن صباح نے کہا —— "میں اس ...وزیرِ اعظم کی سازشوں سے پریشان ہو رہا تھا اور یہی سوچا تھا کہ تمہارے ساتھ بات کروں ...لیکن تم نے جو حرکت کی ہے' اس سے میں بالکل ہی مایوس ہو گیا ہوں۔ اگر مشیرِ خاص ...اس طرح کرے کہ حاکموں کے گھروں میں داخل ہو کر ان کی عزت کے ساتھ کھیلے تو اس ...سلطنت کا اللہ ہی حافظ ہے۔ میں سلطان کو یہ تو ضرور بتاؤں گا کہ اس کی ناک کے عین ...نیچے کیا ہو رہا ہے"۔

Scanned by iqbalmt

احتشام مدنی نے حسن بن صباح کے آگے ہاتھ جوڑے اور منت سماجت شروع کر دی کہ وہ اسے معاف کر دے اور یہ بات سلطان تک نہ پہنچائے۔

"اگر میں نے تمہاری اس حرکت کی شکایت سلطان کو کر دی تو" ـــــ حسن بن صباح نے کہا ـــــ "تو تم نہیں جانتے کیا ہو گا۔ سلطان نظام الملک سے مشورہ لے گا۔ نظام الملک جس موقع کی تلاش میں ہے وہ اسے مل جائے گا' پھر تم سیدھے قید خانے میں جاؤ گے" ـــــ حسن بن صباح سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ دیر بعد بولا ـــــ "اگر تم میرا ساتھ دو تو ہم دونوں نظام الملک کو سلطان کی نظروں سے گرانے کی کوشش کریں گے"۔

"مجھے اپنے ساتھ سمجھو" ـــــ احتشام نے کہا۔

"لیکن نظام الملک کے ساتھ پہلے کی طرح دوستانہ روّیہ رکھنا" ـــــ حسن بن صباح نے کہا ـــــ "اُسے شک نہ ہو کہ ہم دونوں اُس کے خلاف کچھ کر رہے ہیں"۔

حسن بن صباح کے بولنے کا انداز ایسا تھا جو ایک خاص تاثر پیدا کرتا تھا۔ احتشام مدنی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ اُس شخص کے جال میں آگیا ہے جس نے بڑی محنت سے اپنے آپ میں ابلیسی اوصاف پیدا کئے ہیں اور دو استادوں نے اُس میں ابلیس کی قوتیں پیدا کر کے اسے مکمل ابلیس بنا دیا ہے۔

نفسانی فطرت کے عالم کہتے ہیں کہ ایسے انسان میں جو اپنے آپ میں ابلیسی اوصاف پیدا کر لیتا ہے' ایک ایسی کشش پیدا ہو جاتی ہے کہ ہر کوئی اُس کی طرف کھچا چلا جاتا ہے۔ اس کے بولنے کے انداز میں چاشنی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے ہونٹوں پر ہر وقت بڑا ہی دلفریب تبسّم کھلا رہتا ہے۔ ضرورت پڑے تو وہ اپنے اوپر ایسی اداسی' غمزدگی اور مظلومیت طاری کر لیتا ہے کہ دوسروں کو رُلا دیتا ہے' اور وہ جب کسی کے ساتھ خیر سگالی! محبت کے جذبات کا اظہار کرتا ہے تو دل موہ لیتا ہے لیکن یہ محض اداکاری اور فریب کاری ہوتی ہے۔

احتشام مدنی نے نظام الملک کے خلاف حسن بن صباح کی باتیں اپنے دل میں اُتار لیں اور اس کے ساتھ اس طرح بے تکلف ہو گیا جیسے بچپن کے ہجولی ہوں۔ حسن بن صباح نے تو اُس پر طلسماتی اثر پیدا کر دیا تھا۔ بے تکلفی یہاں تک بڑھی کہ احتشام مدنی نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔

"میری ایک درخواست پر غور کرو گے حسن؟" ـــــ احتشام نے پوچھا۔

"دوستوں میں یہ تکلف نہیں ہونا چاہئے احتشام!" ـــــ حسن بن صباح نے کہا ـــــ "درخواست نہ کہو' بات کرو اور مجھ پر اپنا حق سمجھ کر بات کرو"۔

"کیا تم پسند کرو گے کہ میں تمہاری بہن کے ساتھ شادی کر لوں؟" ـــــ احتشام نے پوچھا۔

"میرے سامنے مسئلہ اور ہے" ـــــ حسن بن صباح نے جواب دیا ـــــ "سوال یہ نہیں کہ میں پسند کروں گا یا نہیں' سوال یہ ہے کہ فاطمہ پسند کرے گی یا نہیں۔ تمہیں شاید میری یہ بات عجیب لگے کہ میں نے یہ فیصلہ اپنی بہن پر چھوڑ دیا ہے۔ بات یہ ہے احتشام! اس بہن سے مجھے بہت ہی پیار ہے۔ میں کوئی ایسا کام نہیں کرتا جو اسے اچھا نہ لگے۔ اس کی پہلی شادی میری پسند پر ہوئی لیکن وہ آدمی ٹھیک نہ نکلا۔ فاطمہ کے ساتھ بہت بُرا سلوک کرتا تھا۔ اسے شاید اسی کی بددعا لگی کہ وہ ایک ہی سال بعد مر گیا۔ شادی سے یہ ایسی متنفر ہوئی ہے کہ شادی کا نام نہیں سننا چاہتی"۔

"میں اسے کیسے یقین دلاؤں کہ میں اسے سر آنکھوں پر بٹھا کر رکھوں گا" ـــــ احتشام مدنی نے کہا ـــــ "میرے دل میں اس لڑکی کی محبت پیدا ہو گئی ہے"۔

"میں ایک کام کر سکتا ہوں" ـــــ حسن بن صباح نے کہا ـــــ "فاطمہ سے کہوں گا کہ تمہیں پسند کر لے۔ میں اسے تمہارے ساتھ ملنے سے روکوں گا نہیں"۔

"تو کیا اب میں جا سکتا ہوں؟" ـــــ احتشام نے پوچھا۔

"ہاں احتشام!" ـــــ حسن نے کہا ـــــ "ہم دشمنوں کی طرح ملے تھے' اللہ کا شکر ہے کہ تم بھائیوں کی طرح جا رہے ہو"۔

"اللہ کرے ہم ہمیشہ کے لئے بھائی بن جائیں" ـــــ احتشام نے کہا۔

"میں پوری کوشش کروں گا میرے بھائی!" ـــــ حسن نے کہا ـــــ "میں فاطمہ کو منوالوں گا"۔

○

احتشام مدنی حسن بن صباح کے گھر سے نکل گیا تو لڑکی ساتھ والے کمرے سے نکلی۔

"شکار مار لیا یا نہیں؟" ـــــ لڑکی نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"جال میں تم جیسا دانہ پھینکا جائے تو شکار کیوں نہیں پھنسے گا" ـــــ حسن بن صباح نے بازو پھیلا کر فاتحانہ لہجے میں کہا۔

Scanned by iqbalmt

لڑکی لپک کر اس کے بازوؤں میں چلی گئی اور حسن بن صباح نے اسے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

"وہ میرے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے"۔۔۔ لڑکی نے کہا۔۔۔ "میں دروازے کے ساتھ کان لگا کر سن رہی تھی"۔

"یہ یاد رکھنا کہ تم اب فاطمہ ہو"۔۔۔ حسن نے کہا۔۔۔ "اپنا اصلی نام بھول جاؤ.... ہاں' یہ شخص تمہارے ساتھ شادی کرنے کو بیتاب ہے۔ تم اسے ملتی رہنا اور اس کے لئے بڑا ہی حسین سراب بنی رہنا۔ تم نے یہ کہتے رہنا ہے کہ مجھے آپ سے پیار ہے لیکن میں شادی کا نام سنتی ہوں تو مجھ پر غشی طاری ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ اس پر پیار کا ایسا نشہ طاری کئے رکھنا کہ یہ مدہوش رہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس سے ملاقات کے وقت تم نے اپنے کپڑوں اور بالوں پر کون سی خوشبو لگانی ہے۔ اسے پیار دو' اس کا پیار لو اور اپنے جسم کو اس سے بچائے رکھو"۔

"کیا مجھے یہ باتیں بتانا ضروری ہیں؟"۔۔۔ لڑکی نے کہا۔۔۔ "بارہ سال عمر سے میں آپ لوگوں سے جو تربیت لے رہی ہوں' یہ میری روح میں شامل ہو گئی ہے۔ یہ میرا عقیدہ بن گئی ہے"۔

"میں تمہیں اُس روز خراجِ تحسین پیش کروں گا جس روز میں اس سلطنت کا وزیرِ اعظم بن جاؤں گا"۔۔۔ حسن نے کہا۔۔۔ "تمہیں ایک خاص سبق دیا جاتا رہا ہے۔ یہ نہ بھولنا۔ میں تمہیں پھر بتا دیتا ہوں۔ تم حسین و جمیل لڑکی ہو۔ تمہارے جذبات بھی ہیں اور یہاں ایک سے بڑھ کر ایک خوبرو اور دلکش جسموں والے شہزادے اور امیر زادے موجود ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کی محبت میں مبتلا ہو جاؤ"۔

"ایسا نہیں ہو گا آقا!"۔۔۔ لڑکی نے کہا۔

"اگر ایسا ہو گیا تو اس کی سزا سے تم واقف ہو"۔۔۔ حسن بن صباح نے کہا۔۔۔ "سزائے موت..... یہ موت اتنی سہل نہیں ہو گی کہ سر تن سے جدا کر دیا اور بات ختم ہو گئی۔ یہ بڑی اذیت ناک موت ہو گی"۔

"اس تک نوبت نہیں پہنچے گی آقا!"۔۔۔ لڑکی نے کہا۔

○

دوسرے ہی دن احتشام مدنی سلطان ملک شاہ کے پاس بیٹھا کاروبارِ سلطنت کی باتیں

کر رہا تھا۔

"سلطانِ معظم!"۔۔۔ احتشام نے پوچھا۔۔۔ "اس نئے معتمدِ خاص حسن بن صباح کے متعلق آپ کی ذاتی رائے کیا ہے؟"

"جو رائے تمہاری ہو گی وہی میری ہو گی"۔۔۔ سلطان نے کہا۔۔۔ "میں اپنے اتنے سارے کارندوں اور امراء کے متعلق الگ الگ کوئی رائے نہیں دے سکتا۔ مجھے خواجہ حسن طوسی نے کہا کہ حسن بن صباح اُس کا مدرسے کے زمانے کا دوست ہے' علم و فضل سے مالامال' باریک بین' دور اندیش اور دیانتدار ہے تو میں نے حسن طوسی کی رائے کو مستند مانا۔ مجھے اس وزیرِ اعظم پر اعتماد ہے۔ اسی لئے میں نے اسے نظام الملک کا خطاب دیا ہے..... تم میرے مشیرِ خاص ہو اور میں تمہیں قابلِ اعتماد سمجھتا ہوں۔ تم کسی کے متعلق جو رائے دو گے میں اسے صحیح مانوں گا..... تم میری رائے کیوں معلوم کرنا چاہتے ہو؟"

"مجھے حسن بن صباح میں کوئی ایسا وصف نظر آیا ہے جو ہم میں سے کسی میں بھی نہیں"۔۔۔ احتشام نے کہا۔۔۔ "آپ نے وزیرِ اعظم خواجہ حسن طوسی کو نظام الملک کا خطاب تو دے دیا ہے لیکن میں جو وصف حسن بن صباح میں دیکھ رہا ہوں وہ نظام الملک میں بھی نہیں"۔

"کیا تم میرے ساتھ صاف بات نہیں کرنا چاہو گے؟"۔۔۔ سلطان نے پوچھا۔۔۔ "تم حسن بن صباح کے متعلق میری ذاتی رائے کیوں معلوم کرنا چاہتے ہو؟"

"آپ نے مجھے بہت بڑا اعزاز بخشا ہے"۔۔۔ احتشام مدنی نے کہا۔۔۔ "مجھے آپ نے اپنا مشیرِ خاص بنایا ہے۔ یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔ میں نے یہ ثابت کرنا ہے کہ میں اس اعزاز کے قابل ہوں۔ میں آپ کا نمک اسی طرح حلال کر سکتا ہوں کہ جو اچھی یا بُری چیز میں دیکھوں وہ آپ کو بھی دکھاؤں اور جو اچھی یا بُری بات میں سنوں وہ آپ کو بھی دکھاؤں..... آپ کسی وقت حسن بن صباح کو شرفِ باریابی بخشیں اور اس کی عقل و دانش کا امتحان لیں"۔

"اسے ابھی میرے پاس بھیج دو"۔۔۔ سلطان ملک شاہ نے کہا۔

تھوڑی ہی دیر بعد حسن بن صباح سلطان کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ سلطان اس کی فہم و فراست کا امتحان لینا چاہتا تھا۔

Scanned by iqbalmt

"حسن!" ـــ سلطان نے پوچھا ـــ "کوئی بادشاہ اپنی تمام تر رعایا کو کس طرح خوش اور راضی رکھ سکتا ہے؟"

"اپنے دل کو ناراض کر کے!" ـــ حسن نے جواب دیا۔

"اس کی تشریح کرو گے؟"

"بادشاہ اپنے دل سے شاہانہ خواہشات نکال دے" ـــ حسن نے کہا ـــ "ہر بادشاہ عیش و عشرت کا دلدادہ ہوتا ہے۔ خزانہ اپنے اوپر لٹا دیتا ہے۔ رعایا کے محصولات میں اضافہ کر کے اپنا خزانہ بھرتا ہے اور رعایا کے خون پسینے کی کمائی پر فرعون بن جاتا ہے۔ اگر وہ اپنے دل کو ایک عام انسان کا دل سمجھے تو عقل اُسے اُس راستے پر ڈال دے گی جس راستے کے دونوں طرف رعایا اُس کے دیدار کو کھڑی ہو گی"۔

"تم ہمارے معتمدِ خاص ہو" ـــ سلطان نے پوچھا ـــ "کیا تم بتا سکتے ہو ہمارا سب سے بڑا دشمن کون ہے جو ہماری سلطنت پر کسی بھی روز حملہ کر سکتا ہے؟"

"آپ کے دربار کے خوشامدی!" ـــ حسن بن صباح نے جواب دیا۔

سلطان چونک پڑا۔

"میں دوسرے دشمن کی بات کر رہا ہوں!" ـــ سلطان نے کہا ـــ "کوئی دوسرا ملک' کوئی دوسری قوم!"

"سلطانِ عالی مقام!" ـــ حسن بن صباح نے کہا ـــ "جنگل میں یا کہیں اور آپ کے سامنے سانپ آجائے تو آپ اسے مار سکتے ہیں یا بھگا سکتے ہیں لیکن جو سانپ آپ کی آستین میں پل رہا ہو' اس کے ڈنک سے آپ نہیں بچ سکتے۔ وہ کسی بھی وقت حملہ کر سکتا ہے"۔

"کیا تم نے ہمارے کاروبارِ سلطنت میں کوئی خطرناک کمزوری یا خامی دیکھی ہے؟" ـــ سلطان نے پوچھا۔

"ہاں سلطانِ عالی مقام!" ـــ حسن بن صباح نے کہا ـــ "یہاں میں نے جو سب سے بڑی خامی دیکھی ہے وہ ہے اپنے وزیر اور دیگر اہلکاروں پر اندھا اعتماد"۔

"کیا تم ہمارے وزیراعظم میں کوئی خامی دیکھ رہے ہو؟" ـــ سلطان نے پوچھا۔

"سلطانِ عالی مقام!" ـــ حسن بن صباح نے کہا ـــ "اگر میں وزیراعظم یا کسی مشیر یا کسی اور حاکم کی خامیاں بیان کرنے لگوں تو یہ غیبت ہو گی۔ غیبت ایک ایسا گناہ ہے جو

بادشاہوں کی جڑیں کھوکھلی کر دیتا ہے۔ میں اُس وقت کوئی خامی بتاؤں گا جب کوئی ٹھوس ثبوت موجود ہو گا اور جو آپ کو صاف نظر آئے گا"۔

سلطان ملک شاہ دراصل یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ شخص کتنا ذہین ہے اور اس کی عقل میں باریک بینی اور دُور اندیشی ہے بھی یا نہیں۔

"کاروبارِ سلطنت سے ہٹ کر ایک بات پوچھتا ہوں" ـــ سلطان نے پوچھا ـــ "کیا تم نے کبھی شیر یا چیتے وغیرہ کا شکار کھیلا ہے؟"

"نہیں سلطانِ عالی مقام!"

"تو اس کا مطلب یہ ہُوا" ـــ سلطان نے کہا ـــ "کہ تم ان درندوں سے ڈرتے ہو..... کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ان درندوں سے ڈرنا چاہئے؟"

"نہیں سلطانِ محترم!" ـــ حسن بن صباح نے جواب دیا ـــ "درندوں سے کسی کو بھی نہیں ڈرنا چاہئے۔ میں صرف ایک درندے سے ڈرتا ہوں اور آپ کے دل میں بھی اس کا ڈر پیدا کرنا چاہتا ہوں"۔

"ایسا کون سا درندہ ہے؟"

"دیمک!" ـــ حسن بن صباح نے جواب دیا۔

سلطان ملک شاہ ہنس پڑا۔

"تم میں بذلہ سنجی بھی ہے" ـــ سلطان نے کہا ـــ "مجھے یہ وصف اچھا لگتا ہے۔ میں نے پہلی بار کسی کو دیمک کو درندہ کہتے سنا ہے"۔

"نہیں سلطانِ معظم!" ـــ حسن بن صباح نے کہا ـــ "میں اس وقت ہر بات پوری سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔ یہ موقع ہنسی مذاق کا نہیں..... درندہ آپ کے سامنے آتا ہے تو آپ اس پر تیر چلاتے ہیں یا اس سے بچنے کے لئے راستہ بدل لیتے ہیں یا درخت پر چڑھ جاتے ہیں لیکن دیمک وہ درندہ ہے جو سامنے نہیں آتا' آپ اس پر تیر نہیں چلا سکتے نہ آپ درخت پر چڑھ جانے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ آپ کو اُس وقت پتہ چلتا ہے جب دیمک اندر ہی اندر کھا کر سب کچھ کھوکھلا اور بے جان کر چکی ہوتی ہے۔ دیمک بادشاہ کے تخت کو لگ جائے تو بادشاہ کو اُس وقت پتہ لگتا ہے جب تخت بیٹھ جاتا ہے..... میں نے اب تک جو کچھ کہا ہے اس کا لبِ لباب یہ ہے کہ ڈرو درباری خوشامدی سے' آستین کے سانپ سے اور اُن کارندوں اور درباریوں سے جو دیمک کی

Scanned by iqbalmt

طرح اندر ہی اندر سلطنت کو کھا رہے ہیں"۔

"کیا تم بتا سکتے ہو کہ ہم نے تمہاری یہ باتیں سن کر کیا رائے قائم کی ہے؟" سلطان نے پوچھا۔

"رائے اچھی نہیں ہو سکتی" ——— حسن بن صباح نے کہا ——— "کیونکہ میں نے خوشامد نہیں کی بلکہ خوشامد کے خلاف بات کی ہے"۔

"نہیں حسن!" ——— سلطان نے کہا ——— "تمہاری یہ باتیں سن کر ہمیں خوشی ہوئی ہے کہ تم صاف گو اور صداقت پسند ہو..... تم جا سکتے ہو"۔

سلطان ملک شاہ حسن بن صباح کے جانے کے بعد کچھ دیر سوچ میں گم رہا۔ اُس کے ذہن میں حسن بن صباح کی باتیں گونج رہی تھیں۔ یہ باتیں بے مقصد اور بے معنی نہیں تھیں۔ اس نے احتشام مدنی کو بلایا۔

"احتشام!" ——— سلطان نے کہا ——— "میرا یہ معتمدِ خاص مجھ پر بڑا اچھا تاثر چھوڑ گیا ہے۔ یہ عمر کے لحاظ سے زیادہ جہاندیدہ اور عالم لگتا ہے"۔

احتشام مدنی جیسے اسی انتظار میں تھا کہ سلطان حسن بن صباح کے متعلق یہ رائے دے۔ سلطان کی اتنی اچھی رائے سن کر احتشام مدنی نے حسن بن صباح کی تعریفوں کے پُل باندھ دیئے اور دبی زبان میں نظام الملک کے خلاف بھی ایک دو باتیں کہہ دیں۔

○

احتشام مدنی نے حسن بن صباح سے جو قیمت وصول کرنی تھی وہ تقریباً طے ہو چکی تھی لیکن یہ قیمت اُس نے اپنی کوشش سے حاصل کرنی تھی۔ اُس شام کا دھندلکا جب تاریک ہو گیا تو احتشام فاطمہ کے ساتھ باغ کے ایک لیسے گوشے میں بیٹھا تھا جہاں انہیں دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔ وہ جسم تو دو تھے لیکن اس طرح باہم پیوست کہ ان کے درمیان سے ہوا بھی نہیں گزر سکتی تھی۔

"کل رات تو تم نے مجھے مروا ہی دیا تھا فاطمہ!" ——— احتشام نے کہا ——— "تم نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ تم مجھے جانتی پہچانتی ہی نہیں"۔

"تو میں اور کیا کرتی!" ——— فاطمہ نے ہنستے ہوئے کہا ——— "اگر میں یہ کہہ دیتی کہ آپ کو میں نے خود بلایا تھا تو میرا بھائی میری گردن کاٹ دیتا۔ آپ مرد ہیں۔ سب کچھ کہہ سکتے ہیں۔ میں جانتی تھی کہ آپ میرے بھائی کو ٹھنڈا کر لیں گے۔ وہ آپ نے کر لیا"۔

"میں تو اس سے بھی زیادہ اکھڑ اور جابر آدمیوں کو ٹھنڈا کر لیا کرتا ہوں" ——— احتشام مدنی نے کہا ——— "میرا تو خیال تھا کہ اب تم مجھے کبھی بھی نہیں ملو گی"۔

"یہ وہم دل سے نکال دیں" ——— فاطمہ نے کہا ——— "میں نے آپ سے محبت کی ہے اور یہ محبت وقتی اور جسمانی نہیں"۔

"محبت میری بھی وقتی نہیں" ——— احتشام نے کہا ——— "میں تمہیں اپنی زندگی کی رفیقہ بناؤں گا۔ کہو گی تو اپنی دونوں بیویوں کو طلاق دے دوں گا"۔

"نہیں!" ——— فاطمہ نے کہا ——— "ایسی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر آپ کے دل میں میری محبت ہے تو میں دو عورتوں کو کیوں اجاڑوں"۔

اُس زمانے کے مسلمان معاشرے میں ایک آدمی چار نہیں تو دو یا تین بیویاں ضرور رکھتا تھا۔ ابھی سوکنوں کی رقابت کا تصور پیدا نہیں ہُوا تھا۔ عرب کی چار دیواری کی دنیا میں تو یہ دستور بھی چلتا تھا کہ کوئی بیوی اپنی کسی خوبصورت سہیلی کو اپنے خاوند کو تحفے کے طور پر پیش کرتی تھی اور خاوند اس کے ساتھ شادی کر لیتا تھا۔ سلجوقیوں کے ہاں یہ رواج ذرا مختلف تھا لیکن احتشام نسلاً عربی تھا۔

"معلوم نہیں میرے بھائی حسن نے آپ کو بتایا ہو گا کہ میں شادی کے نام سے بھی بھاگتی ہوں" ——— فاطمہ نے کہا۔

"ہاں فاطمہ!" ——— احتشام نے کہا ——— "حسن نے مجھے تمہارے متعلق سب کچھ بتا دیا ہے۔ اس نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ میں خود تمہیں شادی کے لئے تیار کروں..... دیکھو فاطمہ! تمام آدمی ایک جیسے نہیں ہوتے۔ تمہارا پہلا خاوند ہوش و حواس میں نہیں تھا۔ اُس کا تو دماغی توازن بھی صحیح معلوم نہیں ہوتا جو تم جیسے پھول کی قدر نہیں کر سکا"۔

"میں حیران ہوں کہ میں آپ کے پاس بیٹھی ہوئی ہوں" ——— فاطمہ نے کہا ——— "بیٹھی ہوئی بھی نہیں بلکہ آپ کے بازوؤں میں ہوں۔ حیران اس لئے ہوں کہ مجھے مرد کے تصور سے ہی نفرت ہو گئی ہے۔ آپ نے مجھے بڑے کڑے امتحان میں ڈال دیا ہے۔ ایک طرف آپ کی شادی کی پیشکش ہے جو میں قبول کرنے سے ڈرتی ہوں، دوسری طرف آپ کی محبت ہے جس سے میں دستبردار نہیں ہو سکتی"۔

"میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ میں تمہارے پہلے خاوند جیسا آدمی نہیں" ——— احتشام نے کہا ——— "میں اپنی محبت کا کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتا"۔

Scanned by iqbalmt

"مجھے سوچنے کا موقع دیں" ——فاطمہ نے کہا——"میں عجیب سی حالت میں پڑی ہوئی ہوں۔ میرے بھائی کو میرا خیال پریشان رکھتا ہے اور میں اپنے اس بھائی کے متعلق سوچتی رہتی ہوں"۔

"مجھے بتاؤ فاطمہ!" ——اقتشام نے کہا——"بھائی کے متعلق تم کیا سوچتی ہو؟"

"میرا بھائی بہت ہی قابل اور عالم فاضل ہے" ——فاطمہ نے کہا——"یہ جتنا قابل ہے اتنا ہی سادہ آدمی ہے۔ وزیرِ اعظم نظام الملک میرے بھائی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ میرے بھائی سے مشورے لے کر سلطان کے ساتھ اس طرح بات کرتا ہے جیسے یہ مشورے اس کے اپنے دماغ سے نکلے ہیں۔ میں سلطان کو یہ بات بتا نہیں سکتی۔ سلطان کو اصل حقیقت کا علم ہونا چاہئے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس سلطنت کا وزیرِ اعظم میرا بھائی ہو تو آپ اس سلطنت میں ایسی تبدیلیاں دیکھیں جو آپ کو حیرت میں ڈال دیں"۔

"مجھے کچھ وقت چاہئے فاطمہ!" ——اقتشام نے کہا——"حسن نے مجھے نظام الملک کے متعلق کچھ باتیں بتائی ہیں۔ میں نے آج ہی سلطان کے ساتھ بات کی ہے۔ معلوم نہیں حسن نے تمہیں بتایا ہے یا نہیں' سلطان نے حسن کو بلایا تھا اور ان کے درمیان خاصی دیر باتیں ہوئی تھیں۔ اس کے بعد سلطان نے مجھے بلایا اور اس نے صاف لفظوں میں بتایا کہ وہ حسن سے بہت متاثر ہوا ہے۔ مجھے موقع مل گیا۔ میں نے سلطان کے آگے حسن کو اتنا چڑھایا کہ انتظامی قابلیت اور عقل و دانش کے لحاظ سے اسے آسمان تک پہنچا دیا"۔

"کیا میں دل کی بات صاف صاف نہ کہہ دوں؟" ——فاطمہ نے کہا۔

"کیوں نہیں!" ——اقتشام نے اسے اپنے اور زیادہ قریب کرتے ہوئے کہا——"دل کی بات صاف لفظوں میں کہہ دو گی تو یہ مجھ پر احسان ہوگا"۔

"ایسی صورت پیدا کریں کہ سلطان نظام الملک کی جگہ میرے بھائی کو وزیرِ اعظم مقرر کردے" ——فاطمہ نے کہا——"اگر ایسا ہو جائے تو میں اسی روز آپ کو اپنا خاوند تسلیم کرلوں گی"۔

"ایسا ہو کر رہے گا" ——اقتشام نے کہا——"لیکن کچھ وقت چاہئے۔ کسی کے دماغ کو ایک دو دنوں میں بدلا نہیں جا سکتا پھر بھی میں سلطان کو نظام الملک کے خلاف کر دوں

۔۲

کیا اقتشام مدنی جس کی عمر پینتیس چالیس سال کے درمیان تھی اور جو ایک اتنی بڑی سلطنت کے سلطان کا مشیرِ خاص تھا' اتنا سیدھا اور کم فہم تھا کہ ایک جواں سال لڑکی کے ہاتھوں اُلّو بن گیا تھا؟

وہ سیدھا تھا نہ کم فہم۔ وہ ذہنی طور پر بالغ آدمی تھا۔ سلطنت کے انتظامی امور کا خصوصی تجربہ رکھتا تھا۔ فنِ حرب و ضرب کی بھی سُوجھ بُوجھ تھی لیکن وہ انسان تھا' مرد تھا اور ہر مرد کی طرح عورت اس کی فطری کمزوری تھی۔ فاطمہ کوئی عام سی عورت نہیں بلکہ حسین و جمیل لڑکی تھی۔ اپنے حسن کے استعمال کی اسے تربیت دی گئی تھی۔ اسے بڑی ہی خرانٹ اور عمر رسیدہ عورتوں نے عملاً" بتایا تھا کہ آدمی پر کس طرح حسن کا طلسم طاری کیا جاتا ہے۔

اس معاشرے میں جس میں مرد دو دو' تین تین اور چار چار بیویوں سے بھی مطمئن نہیں ہوتے تھے' اقتشام کا ایک حسین لڑکی کے نشے میں مبتلا ہو جانا کوئی عجوبہ نہیں تھا۔ ایک تو اس لڑکی کا حسن اور اس کے خصوصی انداز تھے جنہوں نے اقتشام کی عقل پر پردہ ڈال دیا' دوسرے وہ خوشبو تھی جو حسن بن صباح نے اس لڑکی کو اپنے کپڑوں اور بالوں پر لگانے کے لئے دی تھی۔ اس خوشبو نے اقتشام کی سوچنے کی صلاحیت کو سُلا دیا تھا۔ اقتشام کو محسوس ہی نہ ہُوا کہ وہ اپنے گھر اپنی دو بیویوں کے پاس پہنچ چکا ہے۔ اُس پر فاطمہ نشے کی طرح طاری تھی۔

○

یہ سلسلہ کچھ دن اسی طرح چلا کہ فاطمہ اور اقتشام مدنی کی ملاقاتیں اسی باغ میں اسی جگہ ہوتیں۔ ہر ملاقات میں فاطمہ اقتشام کی آغوش اور بازوؤں میں ہوتے ہوئے بھی اس سے بہت ہی دُور ہوتی۔ فاطمہ کی خوشبو اقتشام کو مسحور کرلیتی اور وہ ایسی باتیں کرتا جیسے وہ ہوش و حواس میں نہ ہو یا نشے میں ہو۔

حسن بن صباح کی ہدایت کے مطابق فاطمہ اقتشام کے لئے بڑا ہی حسین اور دلکش سراب بنی رہی۔

اقتشام مدنی کو جب موقع ملتا' سلطان کے پاس جا بیٹھتا اور نظام الملک کے خلاف ایک آدھ باتیں کر کے حسن بن صباح کی تعریف کر دیتا۔

Scanned by iqbalmt

اس دوران ایک روز حسن بن صباح کے پاس خلجان سے ایک آدمی آیا۔ وہ احمد بن غطاش کا قاصد تھا۔

"قلعہ دار احمد بن غطاش نے پوچھا ہے کہ یہاں کے حالات کیا ہیں" ــــ قاصد نے کہا ــــ "کیا ہم اُس مقصد میں کامیاب ہو سکیں گے جس کے لئے آپ کو یہاں بھیجا گیا ہے؟"

"میں تحریری جواب نہیں دے سکتا" ــــ حسن بن صباح نے کہا ــــ "میرے مرشد احمد بن غطاش جانتے ہیں کہ ایسی باتیں تحریر میں نہیں لائی جا سکتیں۔ انہیں میرا سلام کہنا۔ پھر کہنا کہ آپ کا یہ ناچیز شاگرد کبھی ناکام نہیں ہوا' ہر مشکل سے بخیر و خوبی نکلا ہے اور اسے پوری امید ہے کہ وہ یہ مہم بھی سر کر لے گا۔ انہیں بتانا کہ آپ نے جو چیز میرے ساتھ بھیجی ہے اس نے بڑی کامیابی سے اپنا راستہ بنا لیا ہے۔ میری بات سلطان تک پہنچ گئی ہے اور باقاعدگی سے پہنچائی جا رہی ہے۔ اب میں عملی طور پر کچھ کروں گا...

..اب تم بتاؤ کہ وہاں خلجان میں کیا ہو رہا ہے"۔

"وہاں اتنی زیادہ کامیابی حاصل ہو رہی ہے کہ اتنی متوقع نہیں تھی" ــــ قاصد نے کہا ــــ "لوگ ابھی تک خدا کے ایلچی کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ خدا کا ایلچی لوگوں کو خدا کا پیغام اور اپنا دیدار دے کر واپس چلا گیا ہے اور کسی روز اچانک واپس آئے گا۔ احمد بن غطاش نے کسانوں کے محصولات اور مالیہ وغیرہ بہت کم کر دیا ہے جس سے لوگ بہت خوش ہیں۔ وہ احمد بن غطاش کو خدا کے ایلچی کا خاص مرید اور نمائندہ سمجھتے ہیں۔ وہ جدھر جاتا ہے' لوگ اسے رکوع کی حالت میں جا کر سلام کرتے ہیں"۔

"میرے پیر استاد احمد بن غطاش خود دانش مند ہیں" ــــ حسن بن صباح نے کہا ــــ "پھر بھی انہیں میری طرف سے کہہ دینا کہ ابھی اسلام اور اہلِ سنت کے خلاف کوئی بات نہ کریں' اور یہ بھی کہنا کہ ایک لشکر تیار کرنا شروع کر دیں جو تنخواہ دار نہیں ہو گا بلکہ ضرورت کے وقت اسے استعمال کیا جائے گا"۔

"یہ کام شروع ہو چکا ہے" ــــ قاصد نے کہا ــــ "لوگوں میں گھوڑ سواری' تیغ زنی اور تیر اندازی کا شوق پیدا کیا جا رہا ہے۔ عنقریب مقابلے منعقد کئے جائیں گے...... محترم قلعہ دار نے آخری بات یہ کہی ہے کہ آپ اگر یہاں کامیاب نہ ہو سکے اور کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو ہمیں اطلاع دینا۔ ہم نظام الملک کو قتل کروانے کا انتظام کر

لیں گے یا اسے اغوا کر کے غائب کر دیں گے اور یہ ظاہر کریں گے کہ وہ خود ہی کہیں روپوش ہو گیا ہے"۔

"ابھی ایسی کوئی ضرورت نہیں" ــــ حسن بن صباح نے کہا ــــ "مجھے امید ہے کہ میں مطلوبہ کامیابی حاصل کر لوں گا"۔

حسن بن صباح نے قاصد کو رخصت کر دیا۔

داستان گو سنا چکا ہے کہ حسن بن صباح نے جب ایسی سرگرمیاں شروع کی تھیں تو یوں پتہ چلتا تھا جیسے یہ شخص اور اس کا استاد اسماعیلی فرقے کے پیروکار ہیں اور اس فرقے اور مکتبہ فکر کی تبلیغ کر کے اسلام کے دوسرے فرقوں خصوصاً "سنی عقیدے" کو ختم کر دیں گے لیکن آگے چل کر تاریخ صاف گواہی دیتی ہے کہ یہ فرقہ باطنیہ کے لوگ تھے اور یہ اپنا ہی کوئی عقیدہ پھیلا رہے تھے۔ چونکہ ان کے پاس اللہ کی اتاری ہوئی کوئی کتاب تو تھی نہیں نہ ان کی کوئی علمی' عقلی یا دینی بنیاد تھی اس لئے وہ فریب کاری اور قتل کا سہارا لے رہے تھے۔ یہ بھی پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ لوگ انسانی فطرت کی کمزوریوں کو ماہرانہ طریقے سے استعمال کر رہے تھے۔

○

تاریخوں میں دو اہم واقعات ملتے ہیں جن میں حسن بن صباح کو موقع ملتا ہے کہ وہ کھلم کھلا نظام الملک کو نالائق ثابت کرے اور یہ ظاہر کرے کہ وہ خود بڑا ہی دانشمند ہے۔ ایک واقعہ تقریباً" ہر مؤرخ نے لکھا ہے جو یوں ہے کہ ایک بار سلطان ملک شاہ حلب گیا۔ وہاں ایک خاص قسم کا پتھر پایا جاتا تھا جو سنگِ رخام کہلاتا تھا۔ اس پتھر سے برتن اور گلدان وغیرہ بنائے جاتے تھے۔ سلطان نے حکم دیا کہ پانچ سو من سنگِ رخام اصفہان پہنچایا جائے۔

یہ ذہن میں رکھیں کہ اُس زمانے میں اس علاقے کا من چالیس تولے اور آٹھ ماشے ہوتا تھا۔

دو عربی شتربان اصفہان جا رہے تھے۔ ایک کے چھ اور دوسرے کے چار اونٹ تھے۔ ان دونوں کے اونٹوں پر پہلے ہی پانچسو من سامان لدا ہوا تھا۔ انہوں نے پانچسو من سنگِ رخام بھی آپس میں تقسیم کر کے اونٹوں پر لاد لیا۔ اگر خالی اونٹ تلاش کئے جاتے تو کئی دن گزر جاتے۔ اتفاق سے یہ دو شتربان اصفہان کو ہی جا رہے تھے۔

Scanned by iqbalmt

سلطان واپس اپنے دارالحکومت میں پہنچ گیا۔ اُسے اطلاع ملی کہ سنگِ رخام پہنچ گیا ہے تو وہ حیران ہُوا اور خوش بھی کہ اس کے حکم کی تعمیل اتنی جلدی ہو گئی ہے۔ اُس نے حکم دیا کہ ان شتربانوں کو ایک ہزار دینار انعام کے طور پر دے دیئے جائیں۔

"خواجہ طوسی!" —— سلطان نے نظام الملک سے کہا —— "یہ رقم ان دونوں میں تقسیم کر دو"۔

نظام الملک نے چھ اونٹوں والے شتربان کو چھ سو اور چار اونٹوں والے کو چار سو دینار ادا کر دیئے۔

"یہ تقسیم غلط ہے" —— حسن بن صباح جو وہاں موجود تھا' بول پڑا —— "وزیرِاعظم کو سوچ سمجھ کر یہ رقم تقسیم کرنی چاہئے"۔

"تم اس غلطی کو صحیح کر دو حسن!" —— سلطان نے کہا —— "لیکن یہ بتا دو کہ اس تقسیم میں وزیرِاعظم نے کیا غلطی کی ہے؟"

"چھ اونٹوں والے شتربان کی حق تلفی ہوئی ہے" —— حسن بن صباح نے کہا —— "چھ اونٹوں والے کو آٹھ سو اور چار اونٹوں والے کو دو سو دینار ملنے چاہئیں"۔

"وہ کیسے؟" —— سلطان نے پوچھا۔

"سلطانِ محترم!" —— حسن بن صباح نے کہا —— "غور فرمائیں' اونٹ دس ہیں اور وزن پندرہ سو من' اس لئے ہر اونٹ نے ڈیڑھ ڈیڑھ سو من وزن اٹھایا۔ جس کے چھ اونٹ ہیں وہ نو سو من وزن لایا ہے۔ وہ اس طرح کہ پانچسو من سامان اس کے اونٹوں نے پہلے ہی اٹھا رکھا تھا پھر چار سو من سنگِ رخام اس کے اونٹوں پر لادا گیا۔ دوسرے شتربان کے چار اونٹ تھے۔ اس کے اونٹوں پر چھ سو من وزن تھا جس میں سے پانچسو من پہلے ہی اونٹوں پر لدا ہُوا تھا اور ایک سو من سنگِ رخام اس کے اونٹوں پر لادا گیا۔ آپ نے ایک ہزار دینار پانچ سو من وزن کے لئے دیا ہے۔ حساب یہ بنا کہ دو سو دینار فی سو من کا انعام ہُوا۔ اس حساب سے چھ اونٹوں والے کو آٹھ سو دینار اور چار اونٹوں والے کو دو سو دینار ملنے چاہئیں..... یہ ہے ہمارے محترم وزیرِاعظم کی غلطی"۔

تاریخوں میں لکھا ہے کہ سلطان ملک شاہ نظام الملک کا بہت احترام کرتا تھا اور اُس کی قابلیت سے متاثر تھا۔ وہ حسن بن صباح کا حساب سمجھ گیا لیکن وہ نظام الملک کو شرمسار کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ اُس نے حسن بن صباح کا حساب ہنسی مذاق میں ٹال دیا

لیکن نظام الملک پر سنجیدگی طاری ہو گئی۔ اُسے پہلی بار محسوس ہُوا کہ حسن بن صباح اُسے اور اُس کی حیثیت کو نقصان پہنچانے پر اُتر آیا ہے۔

اس سے پہلے نظام الملک کو اس کے کارندوں نے کچھ اس قسم کی اطلاعیں دی تھیں کہ حسن بن صباح اور احتشام مدنی اکثر راز و نیاز کی باتیں کرتے دیکھے جاتے ہیں۔ اسے ایک اطلاع یہ بھی ملی تھی کہ احتشام مدنی کو باغ میں حسن بن صباح کی بہن کے ساتھ دیکھا گیا ہے۔ تاریخوں کے مطابق' نظام الملک شریف النفس اور بڑے اونچے کردار کا آدمی تھا۔ یہ خبریں سن کر بھی اس کے دل میں حسن بن صباح کے خلاف شک پیدا نہ ہُوا۔ وہ کہتا تھا کہ اس نے حسن بن صباح کو جو رتبہ دلایا ہے' یہ ایسا احسان ہے جسے حسن بن صباح کبھی نہیں بھولے گا اور اسے گزند نہیں پہنچائے گا۔

○

نظام الملک اپنی فطرت کے مطابق مطمئن رہا لیکن حسن بن صباح اپنی فطرت کے مطابق نظام الملک کو ذلیل و خوار کرنے کے موقع کی تلاش میں رہا۔ حسن بن صباح کے سامنے صرف یہ مقصد تھا کہ وہ وزیرِاعظم بن جائے۔ اس کے بعد ان باطنیوں نے خفیہ قتل و غارت کا سلسلہ شروع کر کے سلجوقی سلطنت پر قبضہ کرنا تھا۔

حسن بن صباح کو ایک موقع مل ہی گیا جو اُس نے خود پیدا کیا تھا۔ وہ اس طرح کہ ایک روز سلطنت کے کچھ حاکم بیٹھے آپس میں تبادلۂ خیالات کر رہے تھے۔ کسی نے کہہ دیا کہ سلطان ملک شاہ عرصہ بیس سال سے سلطان ہے۔ اسے کچھ پتہ نہیں کہ اس عرصے میں رعایا سے محصولات وغیرہ کے ذریعے کتنی رقم وصول کی گئی ہے اور یہ رقم کہاں کہاں خرچ ہوئی ہے۔

"کون کہتا ہے کہ ساری رقم خرچ ہوئی ہے!" —— حسن بن صباح نے کہا —— "میں کہتا ہوں کہ اس میں سے بہت سی رقم خورد بُرد اور غبن ہوئی ہے۔ اگر سلطان مجھے اجازت اور سہولت مہیا کرے تو میں بیس سال کا حساب کتاب تیار کر کے سلطان کے آگے رکھ دوں گا"۔

احتشام مدنی بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے سلطان کو بتایا کہ حسن بن صباح نے بڑی عقل مندی کی بات کی ہے۔ احتشام نے سلطان کو پوری بات سنائی جو حاکموں کی اس محفل میں ہوئی تھی۔ احتشام نے خصوصی مشیر کی حیثیت سے سلطان کو مشورہ دیا کہ بیس

Scanned by iqbalmt

برسوں کا حساب ہونا چاہئے۔

"اس سے ہمیں کیا حاصل ہوگا؟" — سلطان نے پوچھا۔

"اگر کچھ رقم خورد بُرد ہوئی ہے تو وہ واپس نہیں ملے گی" — اقتشام نے کہا — "حاصل یہ ہوگا کہ یہ پتہ چل جائے گا کہ ہمارے حکام میں بددیانت کون کون ہیں"۔

سلطان اور اقتشام میں اس مسئلے پر کچھ دیر تبادلۂ خیالات ہُوا۔ اقتشام نے سلطان کو قائل کر لیا کہ گذشتہ بیس برسوں کا حساب ہونا چاہئے۔ سلطان اپنے وزیراعظم نظام الملک کے مشورے کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کیا کرتا تھا۔ اس نے نظام الملک کو بلایا اور یہ نیا مسئلہ اس کے آگے رکھا۔

"بیس سالوں کا حساب کتاب کتنے دنوں میں تیار ہو سکتا ہے؟" — سلطان نے نظام الملک سے پوچھا۔

"دنوں میں؟" — نظام الملک نے حیرت زدگی کے عالم میں جواب دیا — "برسوں کی بات کریں۔ پہلے اپنی سلطنت کی وسعت دیکھیں پھر بیس برسوں کے عرصے پر غور کریں، پھر دیکھیں کہ وہ جگہیں کتنی ہیں جہاں محصولات وصول کر کے سرکاری خزانے میں جمع کرائے جاتے ہیں۔ اگر حساب تیار کرنا ہی ہے تو اس کے لئے مجھے دو سال چاہئیں"۔

اُس وقت اقتشام مدنی اور حسن بن صباح بھی وہاں موجود تھے۔

"سلطانِ معظم!" — حسن بن صباح نے کہا — "میں حیران ہوں کہ محترم وزیراعظم نے دو سال کا عرصہ مانگا ہے۔ میں صرف چالیس دنوں میں یہ حساب بنا کر دے سکتا ہوں۔ شرط یہ ہے کہ میں جتنا عملہ مانگوں وہ مجھے دیا جائے اور ہر سہولت مہیا کی جائے"۔

سلطان ملک شاہ نے احکام جاری کر دیئے اور حسن بن صباح نے کام شروع کر دیا۔

تاریخ دان ابوالقاسم رفیق دلاوری نے مختلف مورخوں کے حوالوں سے لکھا ہے کہ خواجہ حسن طوسی نظام الملک عجیب کشمکش میں مبتلا ہو گیا۔ کبھی وہ پریشان ہو جاتا کہ حسن بن صباح نے یہ کام چالیس دنوں میں مکمل کر لیا تو وہ سلطان کی نظروں میں گر جائے گا اور کوئی بعید نہیں کہ سلطان اسے وزارت عظمٰی سے معزول ہی کر دے، اور کبھی نظام الملک یہ سوچ کر مطمئن ہو جاتا کہ حسن بن صباح یہ کام چالیس دنوں میں تو دور کی بات

ہے، چالیس مہینوں میں بھی نہیں کر سکے گا اور خود ہی سلطان کی نظروں میں ذلیل ہوگا۔

البتہ ایک دکھ تھا جو نظام الملک کو اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا۔ یہ دکھ حسن بن صباح کی احسان فراموشی کا تھا۔ اب تو تصدیق ہو گئی تھی کہ حسن بن صباح اسے معزول کرا کے خود وزیراعظم بننا چاہتا ہے۔

○

پھر حسن بن صباح نے معجزہ کر کے دکھا دیا۔ اس نے کاغذات کا ایک انبار سلطان ملک شاہ کے آگے رکھ دیا۔

"سلطانِ عالی مقام!" — حسن نے سلطان سے کہا — "میں نے چالیس دن مانگے تھے۔ آج اکتالیسواں دن ہے۔ یہ رہا بیس برسوں کا حساب۔ کیا وہ شخص وزیراعظم بننے کا حق رکھتا ہے جو کہتا ہے کہ یہ حساب مکمل کرنے کے لئے دو برس درکار ہیں؟..... اگر سلطانِ معظم کے دل پہ گراں نہ گذرے تو میں وثوق سے کہتا ہوں کہ وزیراعظم حسن طوسی جسے آپ نے نظام الملک کا خطاب دے رکھا ہے، محصولات کی رقمیں غبن کرتا رہا ہے۔ اپنی لُوٹ کھسوٹ پر پردہ ڈالنے کے لئے وہ آپ کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ حساب تو ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر ہوگا تو دو سال لگیں گے"۔

سلطان نے نظام الملک اور اقتشام مدنی کو بلا لیا۔

"خواجہ طوسی!" — سلطان نے نظام الملک سے کہا — "یہ ہے وہ حساب جو آپ دو سالوں سے کم عرصے میں نہیں کر سکتے تھے۔ یہ دیکھیں۔ حسن چالیس دنوں میں کر لایا ہے"۔

نظام الملک پر خاموشی طاری ہو گئی۔ اُس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ وہ وہاں بیٹھ گیا اور معزولی کے حکم کا انتظار کرنے لگا۔

سلطان نے کاغذات کی ورق گردانی شروع کر دی، اور ایک ورق پر رک گیا۔

"حسن!" — سلطان نے کہا — "اس ورق پر آمدنی اور اخراجات مشکوک سے نظر آتے ہیں۔ یہ مجھے سمجھا دو"۔

حسن بن صباح بغلیں جھانکنے لگا۔

سلطان نے ایک اور ورق پر رک کر کچھ پوچھا۔ حسن نے اس کا بھی جواب نہ دیا۔ سلطان نے کئی اور وضاحتیں پوچھیں۔ حسن کسی ایک بھی سوال کا جواب نہ دے سکا۔

Scanned by iqbalmt

"تم نے یہ اتنا لمبا چوڑا حساب تیار کیا ہے" ــــ سلطان نے کہا ــــ "لیکن تمہیں بھی معلوم نہیں کہ یہ کیا ہے"۔

"سلطانِ معظم!" ــــ نظام الملک بولا ــــ "میں نے ویسے ہی نہیں کہہ دیا تھا کہ اتنی وسیع و عریض سلطنت کے بیس برسوں کے اخراجات اور آمدنی کے گوشوارے تیار کرنے کے لئے کم از کم دو برس درکار ہیں"۔

"آپ میرے پاس رہیں حسن طوسی!" ــــ سلطان نے نظام الملک سے کہا ــــ "تم دونوں جاؤ۔ میں یہ تمام اعداد و شمار دیکھ کر تمہیں بلاؤں گا" ــــ ان کے جانے کے بعد سلطان نے پوچھا ــــ "یہ سب کیا ہے حسن طوسی؟ مجھے شک ہے کہ مجھے دھوکہ دیا گیا ہے"۔

"سلطانِ معظم!" ــــ نظام الملک نے کہا ــــ "یہ میرا ایمان ہے کہ کسی کو میرے ہاتھ سے نقصان نہ پہنچے لیکن جہاں میری اپنی حیثیت اور میرا اعتماد خطرے میں پڑ گیا ہے' میں حقیقت سے پردہ اٹھانا ضروری سمجھتا ہوں...... یہ حساب کتاب تیار کرنے میں آپ کے مشیرِ خاص احتشام مدنی کا ہاتھ زیادہ ہے۔ حسن بن صباح کے ساتھ اس کی ایک جوان سال بہن رہتی ہے جو اسی عمر میں بیوہ ہو گئی ہے۔ مجھے اطلاعیں ملی ہیں کہ احتشام اور اس لڑکی کو شام کے بعد باغ میں دیکھا گیا ہے اور یہ بھی کہ احتشام حسن بن صباح کے گھر زیادہ جاتا اور خاصا وقت وہاں گزارتا ہے...... جہاں تک مجھے یاد آتا ہے' حسن بن صباح کی کوئی بہن نہیں۔ میں اس کے خاندان کو مدرسے کے زمانے سے جانتا ہوں"۔

"طوسی!" ــــ سلطان نے کہا ــــ "میں یہ ساری سازش سمجھ گیا ہوں۔ کچھ عرصے سے احتشام میرے پاس بیٹھ کر حسن بن صباح کی تعریفیں کر رہا ہے' اور یہ شخص ذرا دبی زبان میں آپ کے خلاف بھی ایک آدھ بات کہہ جاتا ہے" ــــ سلطان بولتے بولتے گہری سوچ میں چلا گیا۔ ذرا دیر بعد سر اٹھایا اور بولا ــــ "آپ حسن پر ایسا تاثر پیدا کریں کہ میں نے اس کا تیار کیا ہوا حساب سمجھ لیا ہے اور یہ بالکل صحیح ہے...... باقی کام مجھ پر چھوڑ دیں۔ میرے سامنے کوئی اور ہی عکس آ رہا ہے"۔

داستان گو پہلے سنا چکا ہے کہ سلجوقی جو تُرک تھے اور جو اسلام کے دشمن ہوا کرتے تھے' مسلمان ہوئے تو اسلام کے شیدائی اور سرفروش بن گئے۔ وہ جنگجو تھے اور فہم و فراست کے لحاظ سے اتنے باریک بیں کہ ان کی نظریں جیسے پردوں کے پیچھے بھی دیکھ

سکتی ہوں۔ ان کے سلطان اپنی سلطنت میں کسی کی حق تلفی اور سلطنت کے امور میں کوتاہی اور بددیانتی برداشت نہیں کرتے تھے"۔

نظام الملک باہر نکلا۔ حسن بن صباح اور احتشام مدنی باہر سر جوڑے سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ نظام الملک کو دیکھ کر دونوں چونکے۔

"حسن مبارک ہو" ــــ نظام الملک نے کہا ــــ "تمہارا تیار کیا ہوا حساب بالکل ٹھیک ہے۔ تم جن سوالوں کے جواب نہیں دے سکے تھے' وہ میں نے دے دیئے ہیں۔ میں نے سلطان سے کہا ہے کہ حسن ابھی نیا ہے اس لئے اسے پچھلے امور وغیرہ کا علم نہیں...... سلطان تم پر بہت خوش ہیں۔ کہتے ہیں میں حسن کو انعام دوں گا"۔

"میں تمہارا یہ احسان ساری عمر نہیں بھولوں گا خواجہ!" ــــ حسن بن صباح نے نظام الملک سے بغلگیر ہوتے ہوئے کہا ــــ "تم نے میرا وقار محفوظ کر دیا ہے"۔

"تم دونوں چلے جاؤ" ــــ نظام الملک نے کہا ــــ "سلطان تمہیں کل بلائیں گے"۔

○

اُس رات احتشام اور فاطمہ کی ملاقات ایسی تھی جیسے وہ جشن منانے کے لئے اکٹھے ہوئے ہوں۔ گزرنے ہوئے دنوں میں زیادہ تر باغ میں ملتے رہے تھے۔ تین مرتبہ وہ الگ الگ جنگل میں چلے گئے اور بہت وقت اکٹھے گزار کر آئے۔ فاطمہ یہ ظاہر کرتی تھی کہ وہ حسن سے چوری گھر سے نکلتی ہے۔ احتشام کو معلوم نہیں تھا کہ حسن خود اسے بھیجتا ہے۔

فاطمہ ابھی تک احتشام کے لئے سراب بنی ہوئی تھی۔ اس نے ابھی تک احتشام کے ساتھ شادی کا فیصلہ نہیں کیا تھا اور انکار بھی نہیں کیا تھا۔ اُس نے ایسا والہانہ انداز اختیار کر لیا تھا جس سے احتشام پر دیوانگی طاری ہو گئی تھی وہ تو اب حسن بن صباح اور فاطمہ کے اشاروں پر ناچنے لگا تھا۔ حسن بن صباح سے اُس نے کہا تھا کہ وہ اسے وزیرِ اعظم بنا کر دم لے گا۔

جس روز نظام الملک نے حسن بن صباح کو یہ خوشخبری سنائی اُس روز احتشام مدنی نے اپنے گھر کے قریب ہی چھوٹا سا ایک مکان جو خالی پڑا تھا' صاف کروا لیا اور ایک کمرے میں پلنگ اور نرم و گداز بستر بچھوا دیا تھا۔ اپنی خاص ملازمہ کے ذریعے اُس نے

Scanned by iqbalmt

فاطمہ کو پیغام بھیج دیا تھا کہ رات وہ فلاں طرف سے اس مکان میں آجائے۔

فاطمہ وہاں پہنچ گئی۔ احتشام پہلے ہی وہاں موجود تھا۔

"میرا ایک کمال دیکھ لیا فاطمہ؟"—— احتشام نے فاطمہ کو اپنے بازوؤں میں سمیٹے ہوئے کہا—— "جعلی حساب کتاب لکھ کر سلطان سے منوا لیا ہے کہ یہ حساب بالکل صحیح ہے"۔

"آپ کو مبارک ہو"—— فاطمہ نے اپنے گال احتشام کے سینے سے رگڑتے ہوئے کہا—— "اب میرے بھائی کو وزیر اعظم بنوا دیں"۔

"اب یہ کام آسان ہو گیا ہے"—— احتشام نے کہا—— "کل سلطان ہمیں بلائے گا۔ میں نظام الملک کے خلاف اُس کے ایسے کان بھروں گا کہ وہ اُسی وقت اسے معزول کر دے گا"۔

احتشام نے فاطمہ کو پلنگ پر بٹھا لیا۔

"سلطان کل حسن کو انعام دے رہا ہے"—— احتشام نے کہا—— "میں نے آج تم سے انعام لینا ہے"۔

فاطمہ نے جھینپنے اور شرمانے کی ایسی اداکاری کی کہ احتشام نشے کی سی کیفیت میں بدمست ہو گیا۔ اُس نے فاطمہ کو لٹا دیا۔

"روحانی طور پر تو ہم میاں بیوی بن چکے ہیں"—— احتشام نے کہا—— "نکاح تو ایک رسم ہے۔ یہ بعد میں بھی ادا ہو سکتی ہے"۔

کمرے کا دروازہ بند تھا۔ زنجیر چڑھانے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی کیونکہ باہر کا دروازہ بند تھا۔ مکان کا صحن کشادہ تھا۔ احتشام مدنی جب فاطمہ کے طلسماتی حسن، ناز و انداز اور دکھاوے کے شرم و حجاب میں مدہوش ہو چکا تھا، فاطمہ چونکی۔

"ذرا ٹھہریں"—— فاطمہ نے کہا—— "میں نے قدموں کی آہٹ سنی ہے"۔

"بلی ہو گی"—— احتشام نے نشے سے لڑکھڑاتی آواز میں کہا—— "کسی انسان میں اتنی جرأت نہیں ہو سکتی کہ اس گھر میں قدم رکھے"۔

چار آدمی اس گھر میں قدم رکھ چکے تھے۔ وہ چھت کی طرف سے آئے تھے اور سیڑھیاں اُتر کر صحن میں آ گئے تھے۔ فاطمہ نے ایک بار پھر احتشام کو پرے ہٹنے کو کہا۔ اسے ہلکا سا دھکا بھی دیا لیکن احتشام پر بدمستی طاری تھی

کمرے کا دروازہ کھلا۔ احتشام نے اُدھر دیکھا۔ دو آدمی اندر آئے۔ احتشام ان دونوں کو جانتا تھا۔ یہ دونوں کوتوال کے ماتحت تھے۔ ان کے پیچھے دو آدمی تھے۔ وہ بھی کوتوال کے کارندے تھے۔

"نکل جاؤ یہاں سے!"—— احتشام مدنی نے سلطان کے مشیر خاص کی حیثیت سے حکم کے لہجے میں کہا—— "تمہیں میرے گھر میں آنے کی جرأت کیسے ہوئی!"

"ہم سلطان کے حکم سے آئے ہیں عالی جاہ!"—— ایک نے کہا—— "آپ کو اور اس لڑکی کو سلطان کے پاس لے جانا ہے"۔

"چلو، تم نکلو یہاں سے!"—— احتشام نے کہا—— "میں تیار ہو کر آتا ہوں"۔

"آپ خود نہیں جائیں گے عالی جاہ!"—— کوتوال کے آدمی نے کہا—— "ہم آپ کو لے جائیں گے..... اس لڑکی کو بھی!"

"تیار ہونے کی ضرورت نہیں عالی جاہ!"—— دوسرا آدمی بولا—— "ہمیں حکم ملا ہے کہ آپ اور یہ لڑکی جس حالت میں ہوں اسی حالت میں ساتھ لے آنا ہے"۔

وہ دونوں نیم برہنہ حالت میں تھے۔ احتشام پر دو نشے طاری تھے۔ ایک اپنی سرکاری حیثیت کا۔ وہ سلطان کا مشیر خصوصی تھا، اور دوسرا نشہ فاطمہ کے حسن و شباب کا اور نفسانی جذبات کے اُبال کا تھا۔ یہ سب نشے ایک ہی بار ہوا ہو گئے۔

"منہ مانگا انعام دوں گا"—— احتشام نے کہا—— "چاروں کو..... جا کر سلطان سے کہہ دو کہ تم نے مجھے اور اس لڑکی کو کہیں بھی نہیں دیکھا"۔

فاطمہ کپڑے پہننے لگی تھی۔

"اس لڑکی کو پکڑ کر باہر لے چلو"—— اُس آدمی نے احتشام کی پیشکش کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنے آدمیوں کو حکم دیا—— "اسی حالت میں گھسیٹ کر باہر لے جاؤ"۔

"میرے عہدے اور رتبے سے تم واقف ہو"—— احتشام مدنی نے کہا—— "میں تمہیں اتنی ترقی دلواؤں گا کہ حاکم بن جاؤ گے"۔

"مجھے چاہتے ہو تو حاضر ہوں"—— فاطمہ بولی۔

"ہاں بھائیو!"—— احتشام نے بڑے خوشگوار لہجے میں کہا—— "دیکھو کتنی خوبصورت لڑکی ہے"۔

"سلطان کے حکم کی تعمیل کرو"—— کوتوال کے آدمی نے کہا—— "انہیں پکڑو اور

Scanned by iqbalmt

لے چلو" ـــــ وہ احتشام سے مخاطب ہُوا ـــــ "عالی جاہ! ہمیں حکم ملا ہے کہ آپ اگر مزاحمت کریں تو آپ کے سر پر ضرب لگا کر بیہوش کر دیا جائے اور اٹھا کر زندان میں پھینک دیا جائے"۔

احتشام مدنی سر جھکائے ہوئے چل پڑا۔ دو آدمی پہلے ہی فاطمہ کو گھسیٹتے دھکیلتے باہر لے گئے تھے۔ اُس کے لئے نیم برہنگی یا مکمل برہنگی کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ وہ آبرو باختہ اور تربیت یافتہ لڑکی تھی۔

ان دونوں کو کوتوالی میں لے گئے اور انہیں الگ الگ کمرے میں بند کر دیا گیا۔

○

سلطان کا اپنا جاسوسی اور مخبری کا نظام تھا۔ اسے احتشام مدنی اور فاطمہ کی خفیہ ملاقاتوں کی اطلاعیں ملی تھیں لیکن یہ کوئی اہم یا نازک خبر نہیں تھی۔ یہ احتشام کا ذاتی معاملہ تھا۔ سلطان کو اس صورت میں ان دونوں کی ملاقاتوں میں خطرہ محسوس ہوتا کہ لڑکی مشکوک اور مشتبہ ہوتی۔ شک یہ ہوتا کہ یہ لڑکی عیسائی یا یہودی ہے اور جاسوس ہے۔ یہ پتہ چل گیا تھا کہ یہ معتمدِ خاص حسن بن صباح کی بہن ہے۔

درمیان میں معاملہ بیس برسوں کے حساب کتاب کا آگیا تو پتہ چلا کہ حسن بن صباح اور احتشام مدنی نے سلطان کو دھوکہ دیا ہے۔ نظام الملک اور سلطان ملک شاہ کی آپس میں باتیں ہوئیں تو نئے شکوک پیدا ہو گئے۔ سلطان ملک شاہ عقل و دانش والا آدمی تھا۔ نظام الملک نے اسے یہ بھی بتا دیا کہ حسن بن صباح کی کوئی بہن ہے ہی نہیں۔

سلطان نے نظام الملک سے کہا کہ وہ حسن بن صباح کو خوشخبری سنا دے کہ اُس نے بیس برسوں کا آمدنی اور اخراجات کا جو حساب تیار کیا ہے' وہ سلطان نے منظور کر کے اسے بالکل صحیح تسلیم کر لیا ہے۔ اس سے سلطان کا مقصد یہ تھا کہ حسن بن صباح اور احتشام مدنی بے فکر اور مطمئن ہو جائیں۔

سلطان نے اُسی وقت کوتوال کو بلایا اور اسے یہ ساری صورتِ حال بتا کر کہا کہ احتشام اور اس لڑکی کو اکٹھے پکڑنا ہے۔

"ابھی جا کر مخبر مقرر کر دو" ـــــ سلطان نے کہا ـــــ "وہ شام کے بعد ملتے ہیں۔ ایک آدمی احتشام کی نگرانی کرے اور ایک آدمی اس لڑکی کو دیکھتا رہے۔ یہ کہیں باہر اکٹھے ہوں تو احتشام کے رتبے کا خیال کئے بغیر دونوں کو کوتوالی میں بند کر دو۔ انہیں اسی حالت

میں لانا ہے جس حالت میں پائے جائیں۔ ضروری نہیں کہ یہ آج ہی مل جائیں گے۔ کل ملیں' پرسوں ملیں' دس دنوں بعد ملیں' انہیں چھوڑنا نہیں"۔

کوتوال یہ ساری کارروائی اور اس کا پس منظر سمجھ گیا۔ اس نے اُسی وقت چار آدمی اس کام پر لگا دیئے۔ انہیں ضروری ہدایات اور احکام دے کر رخصت کر دیا۔

ایسی توقع نہیں تھی کہ وہ اُسی رات پکڑے جائیں گے لیکن احتشام مدنی نے اُس رات فاطمہ سے انعام وصول کرنا تھا۔ اُس نے فاطمہ کے بھائی حسن کی مدد کی تھی اور سلطان کو بڑی کامیابی سے دھوکا دیا گیا تھا۔

سورج غروب ہوتے ہی کوتوال کے دو آدمی بھیس بدل کر چلے گئے۔ ایک احتشام کے گھر کو دُور سے دیکھتا رہا اور دوسرا حسن بن صباح کے گھر کی نگرانی کرتا رہا۔ ان دونوں کے ساتھ ایک ایک اور آدمی تھا۔ یہ دونوں دور دور کھڑے تھے۔ پہلے احتشام گھر سے نکلا اور اُس مکان میں چلا گیا جو اُس نے اُس رات کے جشن کے لئے تیار کیا تھا۔ اُس کی نگرانی والا آدمی چھپ کر کھڑا رہا۔

پھر فاطمہ گھر سے نکلی۔ اُس کی نگرانی والا آدمی اُس کے پیچھے چل پڑا۔ فاطمہ بھی اسی مکان میں چلی گئی اور دروازہ اندر سے بند ہو گیا۔ کوتوال کے دونوں مخبر آپس میں مل گئے۔ انہوں نے اپنے دوسرے دونوں ساتھیوں کو بھی بلا لیا۔ ان میں ایک عہدیدار تھا۔ انہوں نے کچھ وقت انتظار کیا پھر ساتھ والے گھر کے بڑے آدمی کو باہر بلا کر بتایا کہ وہ کوتوالی کے آدمی ہیں اور اس ساتھ والے گھر میں اترنا ہے۔

"آجائیں" ـــــ اُس آدمی نے کہا ـــــ "میری چھت سے اس چھت پر چلے جائیں۔ میں آپ کو بتاؤں گا اس مکان کی سیڑھیاں کہاں ہیں"۔

چار آدمی اس شخص کی راہنمائی میں اس مکان میں اتر گئے جس کے ایک کمرے میں احتشام مدنی اور فاطمہ جشن منا رہے تھے۔

○

رات کوئی زیادہ نہیں گذری تھی۔ کوتوال کو اطلاع دی گئی کہ دونوں جس حالت میں تھے اُسی حالت میں پکڑ لائے ہیں۔ کوتوال کو سلطان نے کہا تھا کہ تحقیقات کر کے اسے بتائے کہ اس لڑکی کی حقیقت کیا ہے۔ کوتوال اُسی وقت کوتوالی پہنچا اور اُس کمرے میں چلا گیا جس میں لڑکی بند تھی۔

Scanned by iqbalmt

"نام کیا ہے لڑکی؟" ——کوتوال نے پوچھا۔

"فاطمہ!" ——لڑکی نے جواب دیا —— "میں سلطان کے معتمدِ خاص حسن بن صباح کی بہن ہوں"۔

"ہمیں معلوم ہے حسن بن صباح کہاں کا رہنے والا ہے" ——کوتوال نے کہا۔ "ہم وہاں سے معلوم کریں گے کہ اس کی کوئی بہن ہے بھی یا نہیں..... میری ایک بات سن لو۔ بہت ہی اذیّت ناک موت مروگی۔ اپنے متعلق ہر بات سچ بتادو"۔

"کیا آپ اس جسم کو اذیّت دیں گے؟" ——لڑکی نے جذبات کی حرارت سے کھلی ہوئی مسکراہٹ سے کہا —— "ہاتھ لگا کر دیکھیں۔ گلاب کی پتیوں جیسی ملائمت ہے اس جسم کی!" ——وہ نیم برہنہ تھی۔ اُس نے اپنے آپ کو اور زیادہ برہنہ کر دیا۔ اُس کی مسکراہٹ اور زیادہ نشیلی ہو گئی۔ اُس کی آنکھوں میں سفلی جذبات کا خمار تھا۔ کہنے لگی —— "مرد اتنا زیادہ تو نہیں سوچا کرتے..... میرے قریب آجائیں"۔

اُس کے سر پر اوڑھنی نہیں تھی۔ اُس کے بال کھلے ہوئے تھے۔

"ان بالوں کو ہاتھ لگا کر دیکھیں" ——اُس نے کہا —— "ان پر ہاتھ پھیر کر دیکھیں۔ ریشم اور مخمل جیسے ملائم ہیں"۔

کوتوال آخر مرد تھا' فرشتہ نہیں تھا۔ اس لڑکی کے جسم اور بالوں کو دیکھ کر اُس کے جسم نے جھرجھری لی اور اُس پر خاموشی طاری ہو گئی۔ وہ آہستہ آہستہ لڑکی کی طرف بڑھا۔ اس کا دایاں ہاتھ اوپر اٹھ رہا تھا۔ قریب جا کر اس کا ہاتھ لڑکی کے سر پر چلا گیا اور اس کی انگلیاں لڑکی کے بالوں میں رینگنے لگیں۔ اس کا دوسرا ہاتھ لڑکی نے اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ کوتوال فرائض کی دنیا سے ایک ہی اُڑان میں رومانوں کی کہکشاں میں جا پہنچا۔

"خدام!" ——اُسے کسی کی آواز سنائی دی۔ کسی نے اُسے پکارا تھا۔

اُس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازہ بند تھا۔

"ایک خیال رکھنا خدام!" ——اسے کمرے میں وہی آواز پھر سنائی دی —— "سنا ہے لڑکی بہت ہی حسین ہے۔ اگر تحقیقات تک نوبت آگئی تو یہ یاد رکھنا کہ تم کوتوال ہو..... یہ بھی یاد رکھنا کہ دھوکہ مجھے دیا گیا ہے۔ میں اس سلطنت کا سلطان ہوں۔ میں فرائض میں بددیانتی اور بدمعاشی برداشت نہیں کیا کرتا"۔

یہ الفاظ سلطان ملک شاہ کے تھے جو اُس نے احتشام مدنی اور لڑکی کو اکٹھے پکڑنے کی ہدایات دیتے ہوئے کہے تھے۔

کوتوال خدام کی انگلیاں لڑکی کے ریشم جیسے ملائم بالوں میں رینگ رہی تھیں اور لڑکی اس کے دوسرے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں مسل رہی تھی۔ کوتوال کے ذہن میں سلطان ملک شاہ کے الفاظ ایسے گونجے جیسے سلطان اس بند کمرے میں کھڑا بول رہا ہو۔

کوتوال کی آنکھوں کے آگے بجلی سی چمکی پھر تاریکی آگئی۔ کوتوال کا وہی ہاتھ جو لڑکی کے نرم و ملائم بالوں میں رینگ رہا تھا' مٹھی بن گیا۔ اس مٹھی میں لڑکی کے بال تھے۔ کوتوال نے بالوں کو اتنی زور سے کھینچا کہ لڑکی کی چیخ نکل گئی۔ درد کی شدت سے اُس کا منہ کھل گیا۔

"سچ بتا تُو کون ہے!" ——کوتوال نے بالوں کو مٹھی سے مروڑتے اور کھینچتے ہوئے کہا —— "تیرے بال چھت کے ساتھ باندھ کر تجھے لٹکا دوں گا"۔

درد سے لڑکی کے دانت بجنے لگے۔ کوتوال نے لڑکی کو بالوں سے پکڑے ہوئے اوپر اٹھایا اور فرش پر پٹخ دیا۔

"مر جا یہاں!" ——کوتوال نے کہا —— "تیری کوئی نہیں سنے گا..... سچ بتا تُو کون ہے"۔

کوتوال کو اس پر بھی غصہ تھا کہ لڑکی نے اُسے بھٹکا دیا تھا۔ وہ بول نہیں رہی تھی۔ کوتوال نے اُس کے ایک ہاتھ کی انگلیاں ایک شکنجے میں جکڑ دیں اور شکنجے کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ لڑکی کی چیخوں سے چھت لرزتی محسوس ہوتی تھی۔ وہ آخر لڑکی تھی' کہاں تک برداشت کرتی۔ اسے مردوں کو انگلیوں پر نچانے کی ٹریننگ دی گئی تھی' یہ تو اسے کسی نے بتایا ہی نہیں تھا کہ کبھی وہ پکڑی بھی جائے گی۔

اُس پر غشی طاری ہو رہی تھی جب کوتوال نے اُس کی انگلیاں شکنجے سے نکال دیں۔ اُسے پانی پلایا لیکن وہ ابھی تک انکار کر رہی تھی۔ کوتوال نے اُس کا دوسرا ہاتھ شکنجے میں دینے کے لئے پکڑا تو وہ بلبلا اٹھی اور سچ بولنے پر آگئی۔ اُس نے بتا دیا کہ وہ حسن بن صباح کی بہن نہیں اور اسے وہ شاہ در سے لایا تھا۔

اُس نے یہ بھی بتا دیا کہ حسن بن صباح اسے اس مقصد کے لئے ساتھ لایا تھا کہ ایسے حاکموں کو اپنے ہاتھ میں لینا ہے جن کا سلطان پر اثر و رسوخ چلتا ہے۔ انہیں نظام الملک

Scanned by iqbalmt

کے خلاف استعمال کرتا ہے۔ لڑکی نے بتایا کہ حسن بن صباح وزیر اعظم بننا چاہتا ہے۔ لڑکی نے یہ بھی بتایا کہ احتشام مدنی کو اس نے کس طرح اپنے جال میں پھانسا تھا اور اسے شادی کا لالچ دیئے رکھا تھا۔

"احتشام مدنی حسن بن صباح کی کس طرح مدد کر رہا تھا؟" ــــ کوتوال نے پوچھا۔

"کہتا تھا میں نظام الملک کے خلاف سلطان کے دل میں کدورت پیدا کر رہا ہوں" ــــ لڑکی نے کہا ــــ "یہ حساب کتاب کا جو مسئلہ کھڑا ہُوا تھا' اس کے پیچھے احتشام ہی تھا اور اُسی نے حسن بن صباح سے یہ حساب تیار کرایا تھا۔ احتشام کہتا تھا کہ اب ایسا موقع پیدا ہو گیا ہے کہ میں آسانی سے نظام الملک کو معزول کرا دوں گا"۔

مختصر یہ کہ لڑکی نے اپنی اصلیت اور حسن بن صباح کی نیت بے نقاب کر دی لیکن اُس نے یہ نہ بتایا کہ حسن بن صباح اور کیا کر رہا ہے اور شاہ در اور خلجان کے علاقے میں اس نے کیا ناٹک کھیلا اور آئندہ کے لئے اس کے کیا منصوبے ہیں۔

○

حسن بن صباح کو تو معلوم تھا کہ فاطمہ احتشام مدنی سے ملنے گئی ہے لیکن اُسے توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی زیادہ دیر سے واپس آئے گی۔ آدھی رات ہو گئی تو اس نے اپنے ملازم کو جگا کر کہا کہ وہ احتشام مدنی کے ملازموں سے پوچھ آئے کہ وہ گھر ہے یا کہیں باہر گیا ہُوا ہے۔

ملازم گیا اور یہ خبر لایا کہ دربان احتشام کے انتظار میں جاگ رہا ہے۔ وہ ابھی نہیں آیا۔

حسن بن صباح مطمئن ہو گیا کہ احتشام واپس نہیں آیا تو فاطمہ اُس کے ساتھ ہی ہو گی۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ دونوں اس وقت کوتوالی میں بند ہوں گے۔ اُس روز حسن بن صباح بہت خوش تھا۔ اُس نے نظام الملک کے مقابلے میں میدان مار لیا تھا۔

فجر کی اذان کے کچھ دیر بعد حسن بن صباح کے دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ سمجھا فاطمہ آئی ہے لیکن ملازم نے اسے بتایا کہ کوتوالی سے دو آدمی آئے ہیں۔ حسن نے انہیں اندر بلایا اور پوچھا وہ کیوں آئے ہیں۔

"حکم ملا ہے کہ آپ گھر سے باہر نہ نکلیں" ــــ ایک آدمی نے کہا۔

"کیوں؟" ــــ حسن بن صباح نے پوچھا ــــ "یہ حکم کس نے دیا ہے؟"

"وجہ ہمیں معلوم نہیں" ــــ اُس آدمی نے کہا ــــ "ہمیں یہ حکم کوتوال نے دیا ہے"۔

"آپ یہ سمجھ لیں کہ آپ اپنے گھر میں قید ہیں" ــــ دوسرے آدمی نے کہا۔

کوتوال سلطان ملک شاہ کے گھر چلا گیا۔ سلطان فجر کی نماز کے لئے جلدی جاگا کرتا تھا۔ کوتوال نے اسے رات کی روداد سنائی۔ یہ بھی بتایا کہ اس نے احتشام مدنی سے بیان نہیں لیا اور حسن بن صباح کو اُس نے اُس کے گھر میں نظربند کر دیا ہے۔

سلطان نے حکم دیا کہ احتشام اور لڑکی کو فوراً اُس کے سامنے لایا جائے۔ سلطان نے نظام الملک اور حسن بن صباح کو بھی بلوا لیا۔

یہ سب آ گئے تو سلطان نے لڑکی سے کہا کہ گذشتہ رات اس نے کوتوال کو جو بیان دیا ہے وہ سب کے سامنے ایک بار پھر دے۔ لڑکی نے روتے ہوئے بیان دے دیا۔

کیا یہ سچ ہے احتشام؟" ــــ سلطان نے احتشام سے پوچھا ــــ "اگر یہ لڑکی جھوٹ بول رہی ہے تو بتاؤ سچ کیا ہے' میں اس لڑکی کو جلّاد کے حوالے کر دوں گا' اور اگر تم نے جھوٹ بولا تو....."

"نہیں سلطانِ معظم!" ــــ احتشام نے کہا ــــ "لڑکی کا بیان بالکل سچ ہے۔ میں سزا کا حقدار ہوں۔ میں نے آپ سے نمک حرامی کی ہے۔ اگر آپ مجھے معاف کر دیں گے تو بھی میں آپ کے زیرِ سایہ نہیں رہوں گا۔ میرا یہاں رہنا آپ کے سائے کی بھی توہین ہے"۔

"احتشام!" ــــ سلطان نے کہا ــــ "مجھے دکھ اس بات پر ہو رہا ہے کہ آپ جیسا دانشمند انسان ایک لڑکی کے فریب میں آ گیا"۔

"سلطانِ معظم!" ــــ احتشام مدنی نے بڑی پختہ آواز میں کہا ــــ "میں بھی اپنے آپ کو دانشمند سمجھا کرتا تھا۔ مجھے اپنی عقل و دانش پر اس لئے ناز تھا کہ میں نے آپ کو جو بھی مشورہ دیا وہ آپ نے قبول کیا اور عملاً" وہ مشورہ کامیاب اور کارآمد ثابت ہُوا لیکن میں اب محسوس کرتا ہوں کہ میرا علم اور میرا تجربہ خام تھا۔ میں نے سنا تھا کہ عورت مرد کی سب سے بڑی اور بڑی ہی خطرناک کمزوری ہوتی ہے لیکن اس کا مجھے عملی تجربہ نہیں ہُوا تھا۔ نسوانی حُسن میں ایک جادو ہے لیکن میں اس جادو سے واقف نہ تھا۔ اب میرا علم اور تجربہ مکمل ہو گیا ہے۔ اس تلخ اور شرمناک تجربے سے میں نے یہ سبق

Scanned by iqbalmt

حاصل کیا ہے کہ فریب کار عورت زیادہ دلفریب ہوتی ہے اور اس کے حسن و شباب سے بچنا ممکن نہیں ہوتا۔ اگر اس قسم کی ایک لڑکی مجھ جیسے جہاندیدہ اور دانشمند آدمی کو دامِ فریب میں لے سکتی ہے تو ان جوان سال آدمیوں کا کیا حشر ہوتا ہو گا جو عورت کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عورت نے بادشاہیوں کے تختے اُلٹے ہیں۔ میں یہی سبق لے کر آپ کے دربار میں سے ہی نہیں بلکہ آپ کی سلطنت سے ہی نکل جاؤں گا۔ اگر آپ سزا دینا چاہتے ہیں تو میرا سر حاضر ہے"۔

"اس کا فیصلہ میں بعد میں کروں گا" ـــ سلطان نے کہا ـــ "آپ بیٹھیں" ـــ سلطان حسن بن صباح سے مخاطب ہوا ـــ "کیوں حسن! تم کیا کہتے ہو۔ اگر اس لڑکی کو جھٹلا سکتے ہو تو بولو لیکن بہتر یہ ہے کہ خاموش رہو۔ جھوٹ بولو گے تو بہت بری سزا دوں گا"۔

"یہ لڑکی میری بہن نہیں" ـــ حسن بن صباح نے کہا ـــ "میں اسے ایک یتیم اور بیوہ لڑکی سمجھ کر اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ اگر آپ کا کوئی حاکم اس لڑکی کو غلط راستے پر چلانے کی کوشش کرتا ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ اس لڑکی کی حالت دیکھیں، اس کا چہرہ دیکھیں، صاف پتہ چلتا ہے کہ اس پر تشدد کیا گیا ہے اور اس پر دہشت طاری کر کے یہ بیان دینے پر مجبور کیا گیا ہے"۔

حسن بن صباح کوئی ایسا کچا آدمی نہیں تھا کہ احتشام کی طرح فوراً اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیتا۔ وہ بولتا رہتا اور سلطان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے رکھتا تو سلطان پر غالب آجاتا اور سلطان اُس کے حق میں فیصلہ دے دیتا لیکن اُس کے خلاف شہادت ایسی تھی جس میں کوئی شک و شبہ نہیں رہ گیا تھا۔ احتشام مدنی کا اعترافِ جرم لڑکی کے بیان کی تائید کرتا تھا۔

"خاموش!" ـــ سلطان گرج کر بولا ـــ "میں نے تمہیں پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ سچے ہو تو زبان کھولنا لیکن تم نے میرے اس حکم کی پرواہ نہ کی" ـــ سلطان نے کوتوال سے کہا ـــ "اسے اور اس لڑکی کو قید خانے میں پھینک دو۔ یہ دونوں قید خانے سے اُس وقت نکالے جائیں گے جب ہمیں یقین ہو جائے گا کہ ان کے دماغ صحیح راستے پر آگئے ہیں..... احتشام مدنی! میں تمہیں قید خانے کی ذلت سے بچا رہا ہوں۔ تم آزاد ہو لیکن میں سوچ کر کوئی فیصلہ کروں گا"۔

"سلطانِ معظم!" ـــ خواجہ حسن نظام الملک اٹھ کھڑا ہوا اور بولا ـــ "عفو اور درگزر کا جذبہ اللہ کو عزیز ہے۔ اسلام کی یہ شان ہے کہ دشمن کو بھی بخشا جا سکتا ہے۔ انہوں نے مجھے نقصان پہنچانے کا ایک منصوبہ بنایا تھا اور مجھے اُس عزت اور اس بلند مقام سے گرانے کی کوشش کی تھی جو مجھے اللہ نے عطا کیا ہے۔ میں انہیں اللہ کے نام پر معاف کرتا ہوں"۔

"میں انہیں معاف نہیں کر سکتا" ـــ سلطان نے غصے کے عالم میں کہا۔

"سلطانِ عالی مقام!" ـــ نظام الملک نے کہا ـــ "میں نے آج پہلی بار آپ سے ایک ذاتی درخواست کی ہے اور یہ میری آخری درخواست ہو گی۔ حسن بن صباح اور میں امام موافق جیسے عالمِ دین کے شاگرد ہیں۔ حسن کسمپرسی کی حالت میں میرے پاس آیا اور میں نے اسے روزگار اور وقار مہیا کیا تھا۔ میں اسے گناہ سمجھتا ہوں کہ یہ گناہ گار ہی سہی لیکن میری وجہ سے اسے قید میں پھینک دیا جائے"۔

سلطان کچھ دیر نظام الملک کے منہ کو دیکھتا رہا۔ وہ شاید سوچ رہا تھا کہ کوئی انسان اتنے بلند کردار والا بھی ہو سکتا ہے۔

"میں تمہاری قدر کرتا ہوں خواجہ حسن طوسی!" ـــ سلطان نے کہا ـــ "لیکن میں انہیں یہاں دیکھ نہیں سکتا۔ میں حسن بن صباح اور اس لڑکی کو زنداں میں بند نہیں کروں گا..... حسن بن صباح اور یہ لڑکی ابھی اس شہر سے نکل جائیں" ـــ سلطان نے کوتوال سے کہا ـــ "اپنے آدمی بھیجو جو انہیں شہر سے نکال کر آئیں"۔

حسن بن صباح اور اس لڑکی کو اُسی روز شہر بدر کر دیا گیا۔ نظام الملک کو روحانی اطمینان محسوس ہوا کہ اس نے اتنے بڑے فریب کار کو معاف کر کے خداوند تعالیٰ کو راضی کر لیا ہے لیکن نظام الملک کو معلوم نہیں تھا کہ اُس نے ایک بڑے ہی زہریلے ناگ کو بخش دیا ہے اور وہ وقت بھی تیزی سے چلا آ رہا ہے جب نظام الملک ایک لشکر کے ساتھ حسن بن صباح کے لشکر کے مقابل آئے گا اور ایک ہی امام کے دو شاگرد تلواریں لہراتے ہوئے ایک دوسرے کو میدانِ جنگ میں للکاریں گے۔

تاریخوں میں اس حساب کتاب کے متعلق جو حسن بن صباح نے تیار کیا تھا، مختلف روایات ملتی ہیں۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ نظام الملک نے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام تھا "دستور الوزراء" اس کتاب میں نظام الملک نے لکھا تھا کہ حسن بن صباح

Scanned by iqbalmt

نے بڑا ہی کمال کیا تھا کہ صرف چالیس دنوں میں اتنے زیادہ علاقوں کے محصولات وغیرہ کی آمدنی اور اخراجات کا حساب تیار کر لیا تھا۔ نظام الملک نے یہ بھی لکھا ہے کہ حسن بن صباح کے دل میں حسد اور بغض تھا اس لئے خداوند تعالیٰ نے اُسے ذلیل و خوار کیا۔ اگر وہ یہی کام نیک نیتی سے کرتا تو سلطان سے اسے انعام و اکرام ملتا۔

چونکہ یہ حساب کتاب ایک تاریخی واقعہ ہے اس لئے بہت سے مؤرخوں نے اسے قلمبند کیا ہے۔ "داستانِ مذاہب" میں یہ روایت ملتی ہے کہ حسن بن صباح یہ حساب کتاب تیار کر چکا تو یہ تمام کاغذات نظام الملک نے دیکھنے کے لئے منگوائے اور ان کے کئی ورق بے ترتیب کر دیئے۔ یہ کاغذات جب سلطان کے پاس گئے تو اُس نے حسن بن صباح سے کچھ پوچھا تو وہ صحیح جواب نہ دے سکا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ نظام الملک نے اپنے رکابدار کو اس طرح استعمال کیا تھا کہ رکابدار نے حسن بن صباح کے ملازم کو کچھ لالچ دے کر پھانس لیا اور اُس سے ان کاغذات میں سے چند ایک کاغذات ضائع کروا دیئے تھے لیکن یہ روایات صحیح معلوم نہیں ہوتیں کیونکہ نظام الملک بڑا پکا ایماندار تھا۔ اُسے یہ کاغذات دکھائے ہی نہیں گئے تھے۔

حسن بن صباح اس لڑکی کے ساتھ رے پہنچا جہاں کا وہ رہنے والا تھا۔ اُس نے اپنے باپ کو سنایا کہ سلطان کے ہاں کیا واقعہ ہو گیا ہے۔

"تمہاری عقل ابھی خام ہے"۔۔۔ باپ نے حسن بن صباح سے کہا۔۔۔ "تم تمام کام بیک وقت اور بہت جلدی ختم کرنا چاہتے ہو۔ جلد بازی سے بچو۔ تم نے اپنی ملازمت ہی نہیں کھو دی بلکہ سلجوقی سلطنت کھو دی ہے۔ اب میں تمہیں مصر بھیجوں گا۔ وہاں کے کچھ لوگ یہاں آ رہے ہیں"۔

رے کا امیر ابو مسلم رازی تھا جو کٹر اہلِ سنت والجماعت تھا۔ اُسے خفیہ رپورٹیں مل رہی تھیں کہ حسن بن صباح کے باپ کے ہاں مصر کے عبیدی آتے رہتے ہیں۔ سلجوقی عبیدیوں کو اپنا اور اسلام کا بہت بڑا دشمن سمجھتے تھے کیونکہ عبیدیوں کا اپنا ہی ایک فرقہ تھا جو ایک جنگی طاقت بنتا جا رہا تھا۔ اُن دنوں مصر پر عبیدیوں کی حکومت تھی۔

سلطان ملک شاہ کی طرف سے ابو مسلم رازی کو ایک تحریری حکم نامہ ملا کہ اس کے شہر رے کے باشندے حسن بن صباح کو سرکاری عہدے سے سبکدوش کر کے نکال دیا گیا ہے۔ اس شخص پر نظر رکھی جائے کیونکہ یہ شخص بڑا پکا فریب کار ہے اور اپنے سابقہ

عہدے کو فریب کاری میں استعمال کر سکتا ہے۔

ابو مسلم رازی کو مخبروں سے کچھ ایسی رپورٹیں بھی ملی تھیں کہ حسن بن صباح رے سے دور دراز علاقوں میں اپنا ہی ایک فرقہ تیار کر رہا ہے اور اس فرقے کے عزائم خطرناک معلوم ہوتے ہیں۔ ابو مسلم رازی نے حکم دے دیا کہ حسن بن صباح کو گرفتار کر لیا جائے۔

حسن بن صباح اور اس کے باپ نے مخبری اور جاسوسی کا اپنا ایک نظام قائم کر رکھا تھا۔ ان کا کوئی آدمی ابو مسلم رازی کے عملے میں ملازم تھا۔ اس آدمی نے فوراً حسن بن صباح کو اطلاع دے دی کہ اس کی گرفتاری کا حکم جاری ہو گیا ہے۔ حسن بن صباح نے اسی وقت شتربانوں کا لباس پہنا اور ایک اونٹ کی مہار پکڑ کر شہر سے نکل گیا۔ اُس کی گرفتاری کے لئے کوتوال کے آدمی اس کے گھر گئے تو اُس کے باپ نے کہا کہ وہ کچھ بتائے بغیر کہیں چلا گیا ہے۔

اُس وقت حسن بن صباح اونٹ پر سوار، شہر سے بہت دور چلا گیا تھا۔ اس کے قریب سے گزرنے والے اسے غریب سا شتربان سمجھتے تھے۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ شتربان کے لباس میں چھپا ہوا یہ شخص ایسے کارنامے کر دکھائے گا جو الف لیلہ کی داستانوں سے زیادہ سنسنی خیز، ناقابلِ یقین ہوں گے اور یہ شخص انسانیت اور تاریخ کے رونگٹے کھڑے کر دے گا